کتاب نُما
ماہنامہ

منشی پریم چند ہمارے سب سے اچھے
لکھنے والے ہیں۔ انھوں نے بہت سی ناولیں اور
کہانیاں اردو اور ہندی میں لکھی ہیں، اُن کی کئی
کتابوں کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں
ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے منشی جی نے بین الاقوامی
شہرت حاصل کرلی ہے۔

پریم چند، جن کا اصلی نام دھنپت رائے تھا، ۳۱ر جولائی ۱۸۸۰ء کو موضع لمہی میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں بنارس سے ۵، ۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بچپن میں اردو فارسی کی تعلیم گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی اس کے بعد گورکھپور کے ایک ہائی اسکول میں داخل ہوگئے۔ کسی نہ کسی طرح میٹرک تو انھوں نے پاس کرلیا لیکن کالج جانے کی تمنا پوری نہ ہوسکی مجبوراً تعلیم ترک کرکے اسکول میں مدرس ہوگئے۔

۱۹۰۱ء سے پریم چند نے لکھنا شروع کیا۔ ان کا پہلا ناول ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۶ء تک وہ برابر لکھتے رہے۔ آخر ۸ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو محفلِ ادب کا یہ چراغ گُل ہوگیا۔

ہندوستان کے اس عظیم فن کار کی تخلیقات کو اُردو میں پیش کرنے کا فخر مکتبہ جامعہ کو حاصل ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

نگراں:۔ غلام ربانی تاباں

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی

مدیر:۔ ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | جنوری ۱۹۶۲ء | شمارہ ۱

اشاریہ

قارئین کتاب نما کو نیا سال مبارک ہو۔ گوا، دمن اور دیو کے پرتگالی مقبوضات کی ہندوستان میں شمولیت ۱۹۶۱ء کا ایسا شاندار کارنامہ ہے کہ ہم جانے والے سال کو بھی اپنے لئے مبارک سمجھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سرزمین ہند سے ساڑھے چار سو سال پرانا غیر ملکی اقتدار ختم ہو گیا۔ اس کامیابی پر حکومت ہند کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے عوام بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جہاں تک ادبی محاذ کا تعلق ہے ہمیں مایوسی ہوتی ہے یہ دیکھ کر کہ اچھی اور معیاری کتب کی طباعت کی رفتار اتنی تیز نہیں ہو سکی جس کی ہمیں توقع تھی۔ تعدادِ اشاعت میں جو اضافہ ہوا ہے وہ گھٹیا رومانی اور جاسوسی ناولوں پر مشتمل ہے جو زبان و ادب کی ترقی کی تعریف میں نہیں آتا۔ کاش ہمارے پڑھنے والے اپنے ذوق کو بلند کریں اور ہمارے معاصر ناشرین اپنے اس فرض کی طرف توجہ دیں کہ ملک کو ان سے اچھے معیاری اور صحت مند ادب کی اشاعت کی توقع ہے نیز یہ کہ قاری کے مذاق کو سدھارنے اور بلند کرنے میں ناشرین بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں اور انھیں کرنا چاہیئے۔

۱۹۶۱ء میں مکتبہ جامعہ نے بچوں کے لئے کرشن چندر کے دو ناول "خرگوش کا سپنا" اور "ستاروں کی سیر" کے ساتھ پنڈت موتی لال نہرو کی مختصر سوانح عمری "دادا نہرو" کے نام سے شائع کیں۔ بڑوں کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین کے "تعلیمی خطبات" (بعد نظر ثانی و اضافہ) اور ڈاکٹر یوسف حسین کی کتاب "حسرت کی شاعری" (نظر ثانی شدہ) کے نئے اڈیشن چھاپے اور مرحوم مولانا اسلم جیراجپوری کی مشہور تصنیف "تاریخ الامت" کا پانچواں حصہ بھی ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی بار شائع کیا۔ ان کے علاوہ توں گوپی چند ی کا مجموعہ "پردیسی کے خطوط" سین سین گپتا کا ڈرامہ "ممتاز الاولاد" اور راجندر سنگھ بیدی کا ناولٹ "ایک چادر میلی سی" شائع کئے۔

ڈاکٹر یوسف حسین کی معروف کتاب "روح اقبال" کا پانچواں اڈیشن بھی پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگلے ماہ تک شائع ہو جائے گا۔

فروری کے پہلے ہفتے میں رسالہ "جامعہ" کا سالنامہ شائع ہو جائے گا۔ رسالہ ایک معنی میں ہندو پاکستان کے پچھلے ایک سال کے اردو ادب کا جائزہ پیش کرے گا جن میں علمی، ادبی، تعلیمی، مذہبی، افسانوی کتابوں کے علاوہ ترجمے، ڈرامے اور دوسری اصنافِ ادب کی مطبوعات بھی شامل ہیں اور لکھنے والوں میں دونوں ملکوں کے ممتاز ادیب حصہ لے رہے ہیں۔

سالنامے کی ضخامت ۱۸×۲۲/۸ کے تقریباً ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہو گی۔ قیمت ڈیڑھ روپئے ہو گی رجسٹری کے ذریعے منگانے پر تقریباً سوا دو روپئے خرچ آئے گا لیکن اگر آپ مکتبہ جامعہ کو دو روپئے منی آرڈر کے ذریعہ بھیج دیں تو ہم یہ سالنامہ رجسٹری کے ذریعہ آپ کو بھیج سکیں گے۔

ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی

ادب اور حقیقت پسندی

حقیقت پسندی یا حقیقت نگاری بظاہر اب ایک پامال سی اصطلاح ہے جس کی تشریح و توضیح کا مطالبہ کیا جائے تو شاید بعض حضرات اسے گستاخی پر محمول کریں لیکن میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ مغرب سے آئی ہوئی دوسری اصطلاحوں کی طرح یہ اصطلاح بھی جب ہمارے یہاں فیشن کے طور پر رائج ہوئی تو کیا ادیب اور کیا نقاد، کیا شاعر اور افسانہ نگار سب نے اپنے اپنے طور پر اس کے معنی پہنائے نتیجہ یہ ہے کہ آج اشتراکی اور عوامی ادب سے لے کر فرائڈی ادب تک اور اسلامی و اخلاقی ادب سے لے کر فحش ادب تک تخلیق کرنے والوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ حقیقت پسند اور حقیقت نگار ہے۔ ایسی صورت میں حقیقت پسندی یا حقیقت نگاری کے بجائے حقیقت پسندیاں اور حقیقت نگاریاں کی اصطلاح وضع کرنی پڑے گی۔ میری باتوں کو اگر آپ محض لطیفے یا چٹکلے سے تعبیر نہ کریں تو شاید آپ کو اس کا احساس ہو کہ مقبول عام ادبی اصطلاحات یا الفاظ کے معنی و مفہوم متعین کرنے اور سنجیدگی کے ساتھ ان کی حد بندی کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

حقیقت نگاری یا REALISM دراصل فلسفے کی اصطلاح ہے جو انیسویں صدی سے یورپ میں ادب کے اندر بھی استعمال ہونے لگی۔ لفظ REAL لاطینی لفظ RES سے نکلا ہے جس کے معنی شے کے ہیں۔ اس لئے حقیقت نگاری کا لفظ جب پہلے پہل ادب میں استعمال کیا گیا تو اس کے معنی اشیاء کی حقیقت کو سمجھنے کے تھے۔ حقیقت نگاری کے فلسفے پر یقین رکھنے والے ادیبوں کا خیال تھا کہ اب تک ہمارے ادب پر تصوریت اور رومانیت کا غلبہ رہا ہے۔ تصوراتی یا رومانی ادیب زندگی کے حقائق کی تاب نہیں لا سکتا اس لئے وہ تصورات کی دنیا میں پناہ لیتا ہے یا زندگی سے فرار اختیار کرتا ہے۔ ان کی رائے تھی کہ تصوریت یا مثالیت حقیقت کو جامد اور قوانین زندگی کو اٹل سمجھتی ہے اور رومانیت جذباتی وفور کی بنا پر عقل کی گرفت سے آزاد ہو جاتی ہے اس لئے وہ صداقت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی حقیقت نگار کا دعویٰ ہے کہ زندگی کی طرح حقیقت بھی متحرک ہے اس لئے کسی شے کی حقیقت وہ نہیں ہے جیسی وہ نظر آتی ہے یعنی ہر شے اپنی ایک ظاہری حقیقت رکھتی ہے جسے ادھوری حقیقت یا جزوی حقیقت کہہ سکتے ہیں

کُلی حقیقت کے ادراک کے لئے اُسے زندگی کے دوسرے مظاہر میں رکھ کر دیکھنا ہوگا اور اس ایک شے کا دوسری اشیاء سے جو رشتہ ہے اُسے پورے طور پر سمجھنا ہوگا۔ اس طور پر ہر شے جامد اور غیر متحرک ہونے کے بجائے متحرک اور اسباب و علل کے رشتے میں منسلک نظر آئے گی اور انسان اگر ان اسباب و علل کو پورے طور پر سمجھ لے تو زندگی کو بدلنے اور آگے بڑھانے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

گویا اب بات یہاں تک پہنچی کہ حقیقت کو سمجھنے کے لئے محض دو آنکھیں کافی نہیں۔ دو آنکھوں سے جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ چونکہ حقیقت کا ظاہری روپ ہوتا ہے اس لئے حقیقت کا اگر یہ روپ بھیانک ہے تو ہم اس کی تاب نہ لا سکیں گے۔ نتیجے کے طور پر ہم زندگی کی اصلیت سے بھاگ کر ایک خیالی دنیا کی پرستش شروع کر دیں گے یا مایوس ہو کر غم اور احساسِ نامرادی ہی کو زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھیں گے دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زندگی کے مظاہر پر ہم جو رائے قائم کریں گے یا ان کے بارے میں ہمارا جو رویہ یا ردِ عمل ہوگا وہ حقیقت کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط اور غیر منصفانہ ہوگا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ہم عام حالات میں کسی چور یا عادی مجرم، طوائف یا آبرو باختہ عورت کو دیکھتے ہیں تو عموماً ان کے بارے میں ہمارا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ آپنے خود دیکھا ہوگا کہ ایسی صورت میں ہر شخص انفرادی طور پر اپنے تصور کے مطابق اس پر رائے قائم کرتا ہے۔ مثلاً ایک چور چوری کرتا ہے۔ جس شخص کے یہاں چوری ہوئی اس کا اپنا ردِ عمل ہوگا۔ ایک پولیس مین اپنے نقطۂ نظر سے اس کے بارے میں سوچے گا۔ ایک قانون داں قانون کی کسوٹی پر رکھے گا اسی طرح ایک مولوی یا پنڈت اسے اپنے اخلاقی معیار پر جانچے گا۔ یہی حال طوائف، آبرو باختہ عورت یا دوسری طرح کے مجرموں کا ہوسکتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی ہم عام طور پر نفرت و حقارت کا رویہ اختیار کرتے ہیں لیکن آپ نے کبھی اس پر غور کیا کہ جب یہی چور وکٹر ہیوگو کے ناول "لے میزرابیل" میں ہمارے سامنے آتا ہے یا یہی طوائف جب الیگزنڈر کپرن یا میرزا رسوا کا کردار بن جاتی ہے تو کیوں ہم اس سے نفرت کے بجائے ہمدردی کرتے ہیں۔ در اصل یہاں ہم ظاہری یا جزوی حقیقت کے بجائے کُلی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ایک شے پوری زندگی اور اس کے مظاہر و عوامل سے الگ نہیں بلکہ اس سے منسلک و ہم رشتہ نظر آتی ہے۔ جب ہم اسباب و علل کے رشتے میں اسے دیکھتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ ہمارا اس شے کے بارے میں رویہ بدل جاتا ہے بلکہ ہم پوری زندگی کو متحرک اور تغیر پذیر صورت میں دیکھ کر اسے مثبت طور پر بدلنے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ حقیقت کا ادراک ہونے کے بعد ہم مرض سے نفرت

کرنے کے بجائے مرض کی نوعیت اور اس کے اسباب سے واقف ہوجاتے ہیں۔ گویا حقیقت نگاری بھی ایک طرح کی سائنس ہے جس طرح سائنس داں غیر شخصی اور معروضی انداز میں کسی شے کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس کے تمام اجزا کا مطالعہ و مشاہدہ کرتا ہے اور اسے مادی زندگی کے متحرک عمل سے ہم آہنگ کرکے اس مرکزی نقطہ کو دریافت کرتا ہے جسے صداقت کہتے ہیں وہی کام اپنے طور پر حقیقت نگار ادیب کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ادیب کا عمل محسوسات کی دنیا میں ہوتا ہے اور وہ اپنی تخیلی قوت اور وجدانی اور جمالیاتی احساس کی مدد سے اس حقیقت کو حسین تصویروں کے ذریعہ پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے ہم حقیقت کے علم واطلاع کے علاوہ اس کے عرفان سے ایک طرح کا کیف اور مسرت بھی حاصل کرتے ہیں۔

مغرب میں حقیقت نگاری کے رجحان کو سب سے پہلے فرانسیسی ادیب شان فلبوری نے پروان چڑھایا لیکن وہاں بھی بہت جلد اس رجحان نے ایک صورت اختیار کرلی۔ حقیقت نگاری کے معنی فرانس اور انگلستان میں بھی عرصہ تک خارجی زندگی کی تفصیلات، جزئیات کو اکٹھا کرنا سمجھا گیا کسی شے کے بارے میں صرف تفصیلات و جزئیات پیش کرنا ایک طرح کی فوٹو گرافی ہے۔ ویسے کامیاب فوٹو گرافی بھی اپنی جگہ پر مستحسن ہے لیکن یہ حقیقت کا صرف ایک رخ دکھا سکتی ہے۔ یہ کسی شے یا واقعے کی طرف ہمیں متوجہ کرسکتی ہے اور اس کے وجود کا احساس دلا سکتی ہے لیکن اس کی حقیقت تک پہنچنے میں ہماری پوری رہنمائی نہیں کرسکتی۔ فوٹو گرافی کرنے والے ادیبوں کے پاس نظارہ ہوتا ہے نظر نہیں ہوتی اسی لئے اس رجحان کو فطرت نگاری (NATURALISM) کا نام دیا گیا اور بعض سخت گیر نقادوں نے اسے "ظاہر نگاری" کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔ اس رجحان نے بھی بعض اہم ادیب پیدا کئے جن میں فلابیر، موپاساں اور زولا کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ فطرت نگار ادیبوں کے یہاں ہمیں حقیقت کی جھلکیاں مل جاتی ہیں اور وہ اپنے زمانے کے بعض اہم مسائل کا احساس بھی دلاتے ہیں لیکن زندگی کی ماہیت سے وہ پورے طور پر واقفیت بہم پہنچانے سے قاصر رہتے ہیں۔ فطرت نگار کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسی تصویر کھینچے جو اصل سے مشابہ ہو لیکن وہ زندگی کے کسی منظر کو دوسرے مظاہر سے الگ کرکے دیکھتا ہے اس لئے وہ زندگی کی رفتار کو ایک جگہ پر روک دیتا ہے اور اسباب و علل کو پورے طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمیں تشکیک میں مبتلا کردیتا ہے یا اپنے تعصبات اور غلط نتائج میں شریک کرلیتا ہے دنیا کے بعض اعلیٰ درجے کے ناول نگار بھی جن کا مشاہدہ بے حد وسیع اور جن کی حیاتی قوت بے حد تیز ہے، اصل حقیقت تک پہنچنے کے بجائے اپنے مخصوص اخلاقی، اصلاحی یا رومانی انداز نظر یعنی فلسفے کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے ناول کا وہ حصہ فنی اعتبار سے خام نظر آتا ہے جہاں سے وہ گریز اختیار کرکے زندگی کے مظاہر کو اپنے تصور کے مطابق منقلب

کر دیتے ہیں۔ بالزک، ٹالسٹائی یا اردو میں پریم چند کے یہاں اسی نوع کی حقیقت نگاری ملتی ہے بعض لوگوں نے اس کے لئے ایک نئی اصطلاح رومانی حقیقت نگاری کی وضع کی ہے۔

ادیب بہرحال ایک انسان ہوتا ہے اور سماج و معاشرے کا ایک فرد اور ادب کی تخلیق میں اس کی شخصیت و انفرادیت کو بھی دخل ہوتا ہے اس لئے ایک سائنس داں کی سی مکمل معروضیت پیدا کرنا اس کے لئے واقعی دشوار ہے ہر ادیب انسان دوست ہوتے ہوئے اور زندگی کی بہتری کا خواہ دیکھنے کے باوجود اپنے کچھ معتقدات و تعصبات رکھتا ہے۔ اس کی جھلک فنی تخلیق میں کسی نہ کسی طور پر آہی جاتی ہے۔ اسی لئے بیسویں صدی میں حقیقت نگاری ایک متعین اصطلاح کے بجائے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ داخلی حقیقت نگاری، انقلابی حقیقت نگاری۔ نفسیاتی حقیقت نگاری اور اشتراکی حقیقت نگاری وغیرہ کے نام سے اصطلاحیں وضع کی گئیں۔ اشتراکی حقیقت نگاروں کا دعویٰ ہے کہ اشتراکیت بھی ایک طرح کا سائنسی نظریہ یا نظامِ فکر ہے۔ جو زندگی اور اس کے مظاہر و عوامل کا مشاہدہ جدلیاتی مادیت کے قوانین کی رو سے کرتا ہے۔ اس لئے اشتراکی حقیقت نگاری ہی دراصل سائنٹفک حقیقت نگاری یا اصلی حقیقت نگاری ہے۔ گورکی، شولوخوف اور ہاورڈ فاسٹ کے ناول اس کا نمونہ کہے جاتے ہیں لیکن اشتراکی نظریات کے ماننے والے اکثر ادیبوں کے یہاں اشتراکیت کا تصور بھی رومانی یا جذباتی ہے۔ اس لئے روس، چین یا ہندوستان میں پچھلے پچیس تیس سال کے اندر اس نام پر جو ادب پیدا ہوا وہ یا تو جذباتی رومانیت کا نمونہ ہے یا اس میں صحافت نگاری اور تبلیغ و تلقین کا عنصر اس قدر غالب ہے کہ وہ ادبی پایے سے گر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بعض ناول فنی اعتبار سے اس مرتبے کو بھی نہیں پہنچے جس مرتبے کو بالزک، ٹالسٹائی یا بعض دوسرے ادیبوں نے اپنے تصوراتی، اخلاقی یا ذاتی نقطۂ نظر کے باوجود محض اپنے مشاہدات و تجربات کے سہارے اپنے ناولوں کو پہنچا دیا تھا۔ نفسیاتی حقیقت نگاروں کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں گروہ رومانی اور تصوراتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک روحانی اور اخلاقی نظام کا خواب دیکھتا ہے۔ اور دوسرا غیر طبقاتی سماج کا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اصل حقیقت تک رسائی صرف نفسیاتی طریقِ کار سے ہو سکتی ہے جس کے لئے فطرتِ انسانی کا علم و ادراک ضروری ہے۔ یورپ اور امریکہ میں اس نظریے نے بھی بعض بلند پایہ ناول نگار پیدا کئے ہیں۔ دوستووسکی کے ناول اس نوع کے حقیقت نگاری کے نقشِ اوّل ہیں۔

غرض اس وقت دنیا میں جتنے مدرسہ ہائے فکر ہیں اتنی ہی قسم کی حقیقت نگاریاں ہیں۔ اس وقت ہم ادبی کارناموں کے اس عنصر کو جو مادی اور حقیقی زندگی کے مطالعے و مشاہدے پر مبنی ہو حقیقت پسندی سے تعبیر

کر سکتے ہیں لیکن زندگی کے مشاہدات ہمارے نزدیک اسی وقت قابلِ اعتنا ہوں گے جب وہ تخلیقی عمل سے گزر کر کسی تحریر کو فن کے پیکر میں ڈھال سکیں۔ ورنہ کہنے کو اخبارات کی خبریں اور سی آئی ڈی کی رپورٹ بھی حقیقت پسندی کا نمونہ ہوتی ہیں۔ اردو میں ایسے ادیبوں کی تعداد خاصی ہے جو محض واقعات کی کھتونی اور خام مواد کو حقیقت نگاری سمجھتے ہیں۔ ادبی حقیقت نگاری کے لئے ادبیت اوّلین شرط ہے اس کے بعد ہم اسے چاہے جس خانے میں ڈال دیں۔

(بشکریہ رسالہ جامعہ دہلی)

ساہتیہ اکیڈمی کی اردو مطبوعات

ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی کی طرف سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے ہندوستان کی دوسری زبانوں اور غیر ملکی زبانوں کے شاہکاروں کے اردو ترجمے شائع کئے ہیں۔ کتابوں کے انتخاب اور ان کے چھاپنے میں جو اہتمام کیا جاتا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور ان خوبیوں کا صحیح اندازہ کتابیں دیکھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ اب تک مندرجہ ذیل کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

کتاب	مصنف	مترجم	قیمت
اردو شاعری کا انتخاب	مرتبہ:۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ		قیمت ۴/۵۰
بھگوان بدھ (سوانح)	مصنف دھرمانند کوسمبی	مترجم پرکاش پنڈت	" ۴/۰
دو سیر دھان (ناول)	" تکشی شیوشنکر پلے	" ہنس راج رہبر	" ۲/۵۰
سمندری لیٹرے (ڈراما)	" ہنرک ابسن	" فضل الرحمٰن	" ۲/۵۰
کاندید (طویل افسانہ)	" والتیئر	" سجاد ظہیر	" ۲/۰
مٹی کا تیلا (ناول)	" کالندی چرن پانیگراہی	" پرکاش پنڈت	" ۲/۰
مٹی کی مورتیں (افسانے)	" شری رام ورکش بینی پوری	" مترجم۔ رضی عظیم آبادی	" ۱/۵۰
ملفوظاتِ کنفیوشس نوزی	" کنفیوشس	" ظفر حسین خاں	" ۳/۵۰
والڈن (ناول)	" ہنری ڈیوڈ تھورو	" علی عباس حسینی	" ۹/۵۰
ویلہلم مائسٹر اول (ناول)	" گوئٹے	" ڈاکٹر سید عابد حسین	" ۶/۰
" " دوم (")	" "	" "	" ۶/۰
بچوں کا شاعر ٹیگور (سوانح)	" لیلا مجمدار	" "	" ۰/۵۰

گوپی ناتھ امن لکھنوی

غزل

جن دنوں زور مرے ناخنِ تدبیر میں تھا
داغ محکومیٔ پیہم کا نہ تقدیر میں تھا

کوئی غفلت کوئی وعدہ کوئی دھوکا سمجھا
لطف کل رات یہ اُس شوخ کی تقریر میں تھا

دمِ آخر بھی رہا مجھ کو رہائی کا خیال!
ایسا دھوکا مرے صیاد کی تقریر میں تھا

جان دے دی کہ مجھے شوق تھا سرتابی کا
لطفِ تقصیر نہاں شدتِ تعزیر میں تھا

آج ہر قسم کی جھنکار سے خوش ہوتا ہے
وہی دیوانہ جو کل بندشِ زنجیر میں تھا

یہ غزل امن صاحب کے مجموعۂ کلام "کاروانِ منزل" سے لی گئی۔

"کاروانِ منزل" مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵ سے مل سکتی ہے۔

قیمت:۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے

سالِ نو کا پیغام

نیا ساز اور نئے نغمے، نیا مطرب نئی محفل
چراغِ بزمِ حسرت کی لَو دیتا ہوا آیا
مبارک ہو تمھیں یہ دورِ نَو ہندوستاں والو
نیا سال اک پیامِ نظمِ نَو دیتا ہوا آیا

مصنف: ویرا چاپلینا

ترجمہ: نوح فاروقی

چڑیا گھر کے ننھے باسی
آرگو

ایک دن جب میں بھیڑیئے کے کٹہرے میں گئی تو بھیڑیئے کا ایک بچہ ڈر کے مارے کونے میں دبک گیا۔ یہ پیلے پیلے بالوں والا اور گول سر والا جانور مجھے پسند آگیا۔ میں اس کے قریب بڑھی تو وہ دانت نکال کر پیچھے اچھل پڑا۔ ایسے میں وہ مجھے اور بھلا لگا۔

اس قسم کے بھیڑیئے کا بچہ مجھے پسند ہے۔ ایسے بھیڑیئے کے بچوں کو سدھانا مشکل ہے مگر ایک مرتبہ وہ کسی کے مطیع ہو جاتے ہیں تو پھر اپنے مالک کو کبھی نہیں بھولتے۔

میں نے بھیڑیئے کے بچے کو آرگو کے نام سے پکارنا شروع کیا۔ میں روزانہ اُسے دیکھنے جاتی اور اس کے لئے ہڈیاں اور گوشت کے ٹکڑے لے جاتی مگر آرگو انہیں نہ چھوتا۔ وہ ابھی تک ویسا ہی وحشی بنا ہوا تھا۔ دس دن کے بعد کہیں اس نے میرے ہاتھ سے گوشت قبول کیا۔ اور پھر میری طرف ڈرپوک نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے کھالیا اور پھر کونے میں چلا گیا۔ مجھے اس کو صرف چھونے کے لئے بڑی جدوجہد اور صبر سے کام لینا پڑا۔ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بت بن کے بیٹھ گیا ہے۔ وہ اپنی ناک اپنے دونوں پنجوں سے چھپا کر بے حس و حرکت بیٹھ جاتا اور اپنے سامنے ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہتا۔ وہ میری چمکار پچکار کو برداشت تو کر لیتا مگر اس کی خواہش کا اظہار نہ کرتا تھا۔ جس دن اس نے پہلی بار میری طرف دلچسپی کا اظہار کیا اس دن مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ میں کبھی نہ بھولوں گی۔

یہ واقعہ بالکل خلاف امید ہوا۔ میں چڑیا گھر سے دو ہفتے سے غائب تھی۔ واپس آنے کے بعد میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اس نئے بچے کو دیکھنے گئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس جدائی نے اس کو اور زیادہ وحشی بنا دیا ہوگا، وہ مجھے بھول گیا ہوگا اور اب ہاتھ بھی نہ لگانے دے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ جیسے ہی میں دروازہ کھول کر نالت میں داخل ہوئی بھیڑیئے کا بچہ مجھ سے ملنے کے لئے اپنے کٹہرے کی سلاخوں تک دوڑا آیا۔ جب میں نے اسے دم ہلاتے اور آہستہ آہستہ توں توں کرتے اپنی طرف آتے

دیکھا تو مجھے بڑی مشکل سے اپنی آنکھوں پر اعتبار آیا۔
گو میں آرگو کو اچھی طرح جانتی تھی پھر بھی میں نے سوچا کہ شاید میں دیکھنے میں غلطی کر رہی ہوں۔
بغل کے کمرے میں ایک اور بھیڑیئے کا بچہ لوبو تھا جو کافی سدھا ہوا تھا اور میں نے سمجھا کہ یہ لوبو ہے۔
میں نے دونوں کٹہروں کی طرف دیکھا۔ نہیں لوبو تو اپنی جگہ پر موجود تھا اور آرگو، چھوٹا سا جنگلی آرگو، پہچانا نہ جاتا تھا۔ اپنے پیٹ پر رینگ رینگ کر اور میری طرف دیکھ دیکھ کر وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتا تھا کہ جیسے وہ ہمیشہ کا سدھا ہوا جانور ہو۔

اس وقت سے سب ٹھیک ہو گیا۔ اور میں جلد ہی آرگو کو ڈوری باندھ کر باہر لے جانے لگی۔
یقیناً اس میں کچھ وقت ضرور لگا۔ شروع شروع میں تو وہ خوف زدہ ہوا، میرے قدموں سے چمٹ گیا تسمے کو جھٹکے دیئے یا یکایک ڈر کر پیچھے دوڑ پڑا۔ مگر یہ سب صرف شروع شروع ہی میں ہوا۔ آرگو نے اپنے آپ کو ایک سمجھدار شاگرد ثابت کیا اور جلدی ہی تسمہ لگوا کر اس طرح چلنے لگا جیسے کتا چلتا ہے۔

موسم گرما میں اسے لوبو کے کٹہرے میں رکھ دیا گیا۔ یہ بھیڑیئے کے بچے گو الگ الگ مزاج رکھتے تھے مگر جلد ہی دوست بن گئے۔ اگر ایک کو باہر لے جاتے تو دوسرا تنہائی محسوس کرتا اور اپنے ساتھی کی طرف کشش سی محسوس کرتا۔ اس لئے ان دونوں کو ہم عموماً ساتھ ساتھ باہر لے جاتے تھے۔
میری ایک دوست لوبو کو تھام لیتی اور میں آرگو کو، اور ہم ساتھ ساتھ چڑیا گھر کی روش پر چلتے۔ بعض اوقات جب چڑیا گھر میں کوئی نہ ہوتا تو ہم ان بھیڑیئے کے بچوں کی ڈور کھول دیتے۔ وہ کتے کے پلوں کی طرح اچھلتے کودتے اور ایک دوسرے کو دوڑاتے۔ وہ ہم سے دور نہیں ہٹتے۔ آرگو، جو ذرا زیادہ آزادی پسند تھا، بعض دفعہ ذرا دور چلا جاتا مگر جیسے ہی میں وہاں سے چلے جانے کا بہانہ کرتی وہ فوراً دوڑ کر واپس آ جاتا۔
روز روز کی سیر اور اچھی نگہداشت کی وجہ سے آرگو بہت تندرست و توانا اور بڑا ہو گیا۔

وہ گرمیوں تک بہت کافی بڑھ کر ایک بڑے کتے کے برابر ہو گیا اور سردیوں کے ختم ہونے تک وہ پورا جوان ہو گیا۔ اب وہ ایک مضبوط اور خطرناک بھیڑیا ہو گیا تھا۔ مگر وہ صرف دوسروں کے لئے خطرناک تھا میرے لئے وہ اب بھی چھوٹا سا بچہ آرگو ہی تھا۔ میں اس کے ساتھ جو چاہتی وہ کر سکتی تھی۔ میں اس کے روئیں دار بال بکھرا دیتی، اسے پنجے سے یا دُم سے پکڑ کر

کھینچ لیتی۔ مگر اس نے مجھے کبھی نہیں کاٹا۔

ایک مرتبہ آرگو کو اکزیما کی بیماری لگ گئی۔ یہ کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے مگر بہت عاجز کر دینے والی بیماری ہے۔ ایک ہی مہینہ میں آرگو کی گھنی روئیں دار کھال اتر گئی اور اس کا جسم بیماری سے پک کر پھوڑوں سے بھر گیا۔ انھیں مرہم سے لیپنا پڑتا۔ میں یہ کام کرتی تھی۔ مرہم بُری طرح چپک جاتا تھا۔ جب میں اُس کے جسم پر مرہم لگاتی تو آرگو پیٹھ کے بل لیٹ جاتا اور درد کے مارے روتا اور اپنے منھ سے میرے ہاتھ تھام لیتا۔ اس کی لمبی چوڑی تھوتھنی ہلکی سی بند رہتی اور مجھے اس کے دانتوں سے کبھی بھی کوئی ضرر نہیں پہنچ پایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آرگو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ اس کے دانت اتنے مضبوط اور تیز تھے کہ بڑی آسانی سے ہڈیاں تک پیس سکتے تھے اور گوشت کی تکا بوٹی کر سکتے تھے۔

ان ہی سردیوں میں ایک بڑے کتے نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ کتا آرگو سے بہت بڑا تھا۔ وہ آرگو کو شاید السیشین نسل کا کتا سمجھ بیٹھا۔ جب یہ کتا قریب پہنچا تو یکا یک اسے پتہ چلا کہ آرگو بھیڑیا تھا اس لئے وہ پلٹ کر بھاگا مگر اب دیر ہو چکی تھی ــــ آرگو دیکھتے دیکھتے اس کے پیچھے لپکا۔ کتا خوف کے عالم میں چھلانگ لگاتا بھاگ رہا تھا۔ وہ کبھی برف میں دھنس جاتا اور پھر لڑکھڑاتا ہوا نکل بھاگتا۔ آرگو لمبی اور نپی تلی جستیں لگاتا ہوا اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ میں نے اس کو بہت پکارا مگر بے کار۔ وہ بھاگنے میں اتنا محو تھا کہ اس کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کتے سے قریب اور قریب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اُس کی ایڑی تک پہنچ گیا اور پھر اُسے دبوچ لیا۔ کتا ایک طرف کو لڑھک گیا۔ اس کی گردن اس کے کاندھوں تک چر گئی تھی اور نوخیز بھیڑیا بغیر کسی کھرونچ اور خراش کے واپس لوٹ آیا۔

آرگو اجنبیوں کے قریب نہیں جاتا تھا۔ وہ جب تک اُسے چھیڑتے نہیں تھے وہ کچھ نہ کرتا جیسے اس نے ان کو دیکھا ہی نہ ہو۔

ایک دن میں نے آرگو کو احاطے میں دوڑنے کے لئے چھوڑ دیا اور خود کہیں چلی گئی۔ آدھ گھنٹے کے بعد جب میں لوٹی تو دیکھا کہ احاطے کا پھاٹک کھلا ہوا ہے اور بھیڑیا غائب۔ میں گھبرا گئی ــــ کہیں وہ کوئی شرارت نہ کر بیٹھے، کسی کو کاٹ نہ لے۔۔۔ اس دن اتوار تھا اور چڑیا گھر تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں بھگوڑے بھیڑئیے کی تلاش میں دوڑی اور آخر کار میں نے اسے شیروں کے پنجرے کے پاس پا لیا۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کے درمیان ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے

اس طرح چپکے چپکے چلا جا رہا تھا کہ کسی کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ ان کے درمیان ایک بھیڑیا چل رہا ہے۔
یہ بہت اچھا ہوا کہ آرگو کی راستے میں نکولائی میخائلووچ سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی جو جانوروں کے اسپتال میں کام کرتے تھے۔ آرگو انھیں بالکل پسند نہیں کرتا تھا بلکہ ان سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کی ایک وجہ بھی تھی۔ آرگو ایک مرتبہ بیمار پڑا اور نکولائی میخائلووچ نے اسے دوسرے کٹہرے میں منتقل کرنے کے لئے اس کے جبڑوں پر ڈوری باندھ دی تھی۔ تاکہ وہ کاٹ نہ سکے۔ ان کی اس تشدد آمیز حرکت کی وجہ سے آرگو اُن سے نفرت کرنے لگا تھا۔ بھیڑیوں کی یادداشت اچھی ہوتی ہے۔ چھ مہینے کے بعد آرگو نے نکولائی میخائلووچ سے تقریباً اپنا بدلہ لے لیا۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا۔

ایک مرتبہ تبت کا ایک بیل اپنے احاطے سے نکل بھاگا۔ نکولائی میخائلووچ اور چڑیا گھر کے دوسرے رکھوالے اس کی تلاش میں نکلے۔ انھیں آرگو کے قریب سے گذرنا تھا۔ آرگو اس وقت اپنے رہنے کی جگہ پر زنجیر سے بندھا کھڑا تھا۔ پیچھا کرنے والے جب آرگو کے قریب پہنچے تو آرگو کی نظر نکولائی میخائلووچ پر پڑی جن سے وہ نفرت کرتا تھا۔ وہ ان پر فوراً ہی نہیں کودا بلکہ وہ اپنے گھر کے پیچھے دبک گیا اور اُن کی طرف اِس طرح دیکھنے لگا جیسے بلی چوہے کی طرف دیکھتی ہے۔ نکولائی میخائلووچ کو قطعی علم نہ تھا کہ وہاں ان کی جان کو خطرہ تھا۔ وہ بھیڑیئے کے بالکل قریب سے گذرنے لگا۔

جب وہ آرگو کے قریب سے گذرتے تو بھیڑیئے کا بھورا بدن پھڑک اٹھتا اور وہ غیر شعوری انداز میں اٹھتا مگر پھر رک جاتا۔

آرگو کو اپنی زنجیر کی گرفت کا بخوبی احساس تھا۔ اکثر اوقات جب وہ تمام دن زنجیر سے بندھا رہتا تو گویا پکڑ پکڑ کر اپنا دل بہلاتا تھا۔ اسے اس میں اچھی خاصی مہارت ہو گئی تھی اور اس کا نشانہ خالی نہ جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک خاص زد کے آگے وہ ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ وہ کبھی غلطی نہ کرتا۔ اور اس بار بھی اُس نے غلطی نہیں کی۔

جیسے ہی نکولائی میخائلووچ اس کی زد میں آئے آرگو نے ان پر ایک زبردست چھلانگ لگا دی۔

نکولائی میخائلووچ صرف اتفاق سے بچ گئے۔ آرگو کو زنجیر کا ایسا جھٹکا لگا کہ وہ زور سے پیچھے الٹ گیا۔ اس نے جلدی توازن قائم کر لیا اور پھر دوبارہ آگے اچھلا مگر نکولائی میخائلووچ اس دوران میں اس کی زد سے ہٹ گئے تھے اور اپنی قمیص کی پھٹی ہوئی

کالر کو ٹٹول رہے تھے۔

اس کے بعد آرگو، لووا اور ایک مادہ بھیڑیا جس کا نام دیکار کا تھا، "جانوروں کے جزیرے" پر بھیج دیئے گئے۔ "جانوروں کا جزیرہ" پرانے علاقے کے اندھیرے اور گھٹے ہوئے کٹہروں سے بالکل مختلف جگہ تھی، دھوپ تھی، گھاس اور درخت تھے اور اطراف میں لوہے کی سلاخوں کے بجائے پانی سے بھری ہوئی خندق تھی۔ ان ساری چیزوں کی بدولت وہاں جانور اپنے آپ کو کھلا ہوا اور آزاد محسوس کرتے تھے۔

تیز طرار اور طاقت ور آرگو نے ان تمام بھیڑیوں پر رعب گانٹھ لیا تھا جو اس کے ساتھ "جانوروں کے جزیرے" پر منتقل کئے گئے تھے۔

وہ چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا بھیڑیا میرے قریب نہ آئے۔ یا گوشت کا پہلا لقمہ میرے ہاتھوں سے نہ لے پائے۔ وہ اس چھوٹے سے خطۂ زمین پر، جہاں آزادی کے اپنے اصول کارفرما تھے، بھیڑیوں کے چھوٹے سے گروہ کا سردار بن گیا تھا۔

جو بھیڑیئے یہاں پیدا ہوئے تھے ان کا رویہ میری جانب بالکل مختلف تھا۔

وہ نرے جنگلی تھے اور کسی کے رعب میں نہیں آتے تھے۔ خالی ہاتھ اُن کے قریب جانا بہت خطرناک ہوتا تھا مگر آرگو کی بدولت میں ان سارے بھیڑیوں کے درمیان آزادی کے ساتھ گھوم سکتی تھی۔ وہ کسی کو میرے قریب نہیں آنے دیتا تھا اور اگر کوئی زیادہ قریب آجاتا تو اس پر جھپٹتا اور اسے کاٹ کھاتا۔

آرگو سارے بھیڑیوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور خوبصورت تھا۔ چنانچہ جب کسی فلم کے لئے بھیڑیئے کی ضرورت ہوتی تو آرگو ہی کو چنا جاتا تھا۔

موسم سرما میں چڑیا گھر کے تالاب پر پہلی بار اس کا فلم لیا گیا۔

بھیڑیوں کے شکار کے منظر کو فلمانا تھا تالاب کے چاروں طرف تار کھینچ کر اس میں جھنڈیاں لگادی گئیں اور اس صورت سے بھیڑیوں کے پھانسنے کا ایک ایسا جال بنا دیا گیا جیسا سچ مچ کے شکار میں بنایا جاتا ہے۔ بھیڑیئے جھنڈیوں سے بہت ڈرتے ہیں اور وہ ان پر سے پھلانگ کر فرار ہونے کی ہمت نہیں کرتے۔ شکاری اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جیسے ہی ہانکا کرنے والے بھیڑیوں کو ہنکا کر جال کی طرف دوڑاتے ہیں شکاری بھیڑیوں کو گولی کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔

جب یہ سب تیاری مکمل ہو چکی اور کیمرہ مین ایک محفوظ جگہ پر تیار کھڑا ہو گیا تو میں آرگو کو لینے گئی۔ اُس نے دور ہی سے زنجیر کی کھن کھناہٹ سن لی اور کان کھڑے کرکے بے صبری سے چلانے لگا۔ میں نے اس کے زنجیر باندھ دی اور آرگو دم ہلاتا ہوا خوش خوش میرے ساتھ چلنے لگا۔

ہم تالاب کے پاس آئے۔ میں نے زنجیر کھول دی اور وہاں سے ہٹ گئی۔ آرگو خوشی سے اپنی دم ہلاتا ہوا تھوڑی دور دوڑا اور پھر اپنے اگلے پنجوں پر جھک کر مجھے اپنے ساتھ کھیلنے کے لئے بلانے لگا۔ اتنے میں کیمرہ کے کھڑکھڑانے کی آواز آئی۔ اس نامانوس آواز نے بھیڑیئے کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

وہ فوراً پیچھے کود کر چوکنا ہو گیا اور پہلے ایک کان اور پھر دوسرا کان اٹھا کر ہوا میں اِدھر اُدھر سونگھنے لگا۔ یہ منظر بہت عمدہ تھا۔ بھیڑیئے کا طاقت ور اور بھورا جسم سفید برف کے پس منظر میں نکھر گیا تھا۔ اس نے بے چینی کے عالم میں چند محتاط قدم اٹھائے جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی حملہ کرنے کے لئے یا پیچھے کود جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ فلم کے لئے ہو بہو اسی طرح کے منظر کی ضرورت تھی۔

بعد میں فلم میں یہ دکھانا تھا کہ بھیڑیا جھنڈیوں کے تار تک آتا ہے مگر اس پر سے چھلانگ جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ مگر آرگو جھنڈیوں تک جانے کے لئے بالکل آمادہ نہ ہوا۔ میں نے اسے ہانکنے کی بہتیری کوشش کی مگر وہ میرے پاس سے نہ ہٹا۔ مجھے اس کی ہٹ دور کرنے کے لئے کوئی ترکیب سوجھنی پڑی۔ میں تار کے اوپر سے ہو کر دوسری طرف چلی گئی اور تھوڑی دور کھڑے ہو کر میں نے آرگو کو آواز دی۔

اور پھر یکایک خلاف امید ایک واقعہ پیش آیا۔ آرگو دوڑا اور کتے کی طرح ایک جست لگائی اور جھنڈیوں کی اس رسی کو پھلانگ گیا جسے پھلانگنے کی کوئی بھیڑیا کبھی جرأت نہیں کر سکتا ہے اور پھر بے تحاشا دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا۔ اس بھیڑیئے نے شکار کی تمام روایات کو توڑ دیا تھا۔ کیمرہ مین کا گھبرایا ہوا چہرہ کیمرہ کے پیچھے سے ابھرا۔ سارا سین خراب گیا تھا۔ اس لئے اسے پھر دوبارہ فلمانے کی ضرورت تھی۔

اس کے بعد میں تالی بجاتی ہوئی تار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ آرگو میرے پاس دوڑ کر آتا اور پھر پیچھے کی طرف کود جاتا۔ بالکل اسی قسم کے منظر کی ضرورت تھی۔ کیمرہ مین اس سے بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا کہ "یہ چار پاؤں والا اشارہ" تو بہت سارے "دو پاؤں والوں" سے بھی زیادہ

چالاک نکلا۔

اس کے بعد آرگو بار بار فلمایا گیا۔ وہ جلد ہی کیمرہ کی آواز کا عادی ہو گیا اور پھر تو کیمرہ کی پروا کئے بغیر حسب خواہش کام کرنے لگا۔ مگر وہ کیمرہ مین کو اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگا۔ وہ ہمیشہ کیمرہ مین کی پتلون سے اپنا انتقام لینے کی کوشش میں لگا رہتا اور کیمرہ مین کو بار بار درخت پر چڑھ کر اس کے ایک ایک انچ لمبے دانتوں سے اپنی جان بچانی پڑتی۔

مجھے اس فلمی ستارے کے لئے "ترجمان" کا کام انجام دینا پڑتا۔ پروڈیوسر مجھے بتاتا کہ بھیڑیئے سے کیا کام لینا ہے اور پھر میں وہ طریقے سوچتی جن کے ذریعے بھیڑیئے سے وہ کام لئے جا سکتے تھے۔ میرے لئے یہ زیادہ مشکل کام نہ تھا کیونکہ میں آرگو کی فطرت کو خوب سمجھتی تھی۔ مگر ایک بار فلم بندی کے وقت ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس میں میں بال بال بچ گئی۔

ایک بھیڑیئے اور عورت کے درمیان لڑائی کا ایک منظر فلمانا تھا۔ یہ کوئی زیادہ مشکل چیز نہ تھی۔ آرگو کھیل پسند کرتا تھا اور کھیل کے دوران میں میری طرف ایسی تیزی کے ساتھ دوڑ کر آتا تھا جیسے مجھے سچ مچ کاٹنے ہی والا ہو۔ بس مجھے صرف اسے کھیل پر آمادہ کرنا تھا۔

ہم جائے مقررہ پر پہنچ گئے۔ پروڈیوسر نے جس کو جنگلی جانوروں کا پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا، یہ سمجھا کہ بھیڑیا کچھ دیر انتظار کر سکتا ہے اس لئے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ تین بجنے والے تھے اور یہ آرگو کے گوشت کھانے کا وقت تھا۔ وہ بھوک سے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔ وہ بار بار اٹھ بیٹھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اصرار کیا کہ فلم بندی فوراً شروع ہو جانی چاہیئے۔

آخر کار سب تیاری مکمل ہو گئی۔ میرا میک اپ کیا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں بھیڑ کے چمڑے کا کوٹ پہن لوں۔ میں نے کوٹ پہننے پر اس لئے اعتراض کیا کہ اس میں سے بھیڑ کی بو آ رہی تھی اور ایسی بو اس بھوکے بھیڑیئے کی بھوک کو اور بڑھا دے گی۔ مگر اس سلسلے میں ان لوگوں سے حجت کرنا بالکل بے کار تھا اور اس کا وقت بھی نہیں تھا۔ میں بھیڑیئے کے پاس چلی گئی جو بھوک کی وجہ سے شکار کی تاک میں بیٹھا تھا۔ آرگو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میری طرف لپکا۔ اور بھیڑ کی کھال میں اپنے کڑے دانت گاڑ دیئے۔ اس کی آنکھیں قہر آلود ہو رہی تھیں اور اس کے روئیں کھڑے ہو گئے تھے۔ میں نے نہایت ہی نرم لہجے میں اس کا نام لے کر پکارا۔ جب کہیں جا کر میری مانوس آواز اس کے دل تک پہنچی۔ آرگو نے آہستہ آہستہ بے دلی سے اپنے دانت ہٹا لئے اور میری طرف بڑے غور سے گھورنے لگا۔ آخر کار جب اس نے مجھے پہچان لیا تو اس نے بڑی ندامت کے انداز میں اپنے کان

نکالئے اور اپنے بدن کو جھٹکا دیا۔ اس کے بعد اس کے روئیں ایک دم ڈھیلے پڑ گئے اور یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ صرف ایک ہی منٹ قبل میں ایک وحشی جانور سے دوچار تھی۔"

("چڑیا گھر کے ننھے باسی" سے اقتباس)

★

شعرائے کہنہ

سلطان محمد قلی قطب شاہ ۔ قطب ۔ معانی

۱۵۸۱ء میں جب کہ اس کی عمر بارہ سال تھی تخت نشین ہوا۔ گول کنڈہ سے کچھ فاصلے پر اپنی محبوبہ بھاگ متی کے نام پر "بھاگ نگر" آباد کیا۔ جو تھوڑے دنوں کے بعد حیدر آباد کے نام سے موسوم اور مشہور ہوا۔ بڑا خوش مذاق، تمام فنونِ لطیفہ کا قدر دان، فنِ تعمیر اور شعر و سخن سے بے حد دل چسپی اور واقفیت رکھنے والا بادشاہ گزرا ہے۔ کہتے ہیں اس نے کم و بیش پچاس ہزار شعر کہے، اس کی شاعری میں مقامی رنگ و بو، ہندو مسلمانوں کے یہاں کی تقریبات رسم و رواج، پرندوں اور حسین جانوروں کا ذکر کثرت سے نظر آتا ہے۔ فارسی کی تقلید سے الگ ہو کر تمام اصناف سخن میں کلام موجود ہے۔ انھیں کمالات اور اوصاف کی بنا پر اس کو (دکنی) اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۶۱۱ء میں وفات پائی۔

نمونہ کلام

گرجا ہے میگ سرتھے تازہ ہوئے ہیں بستاں　　　پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار دستاں
اے خوش خبر صبا توں لے جا جواں تدان کن　　　چمناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستاں
تج عشق کے گدا کوں اورنگ شاہی دیتا　　　سب عاشقاں منج اچھے ہیں طفل جوں دبستاں

~~~~~~~~~~~~~~~~

پیا باج پیالہ پیا جائے نا　　　پیا باج یک تل جیا جائے نا
کہتے تھے پیا بن صبوری کروں　　　کہیا جائے اماں کیا جائے نا
قطب شہ نہ دے مج دوانے کو پند　　　دوانے کوں پنپند دیا جائے نا

~~~~~~~~~~~~~~~~

میں پیو دو پیاری کے جیسے مولے　　　پھولاں کی ترازو سوں جو چند تولے
ہیں پھول سب باس خوش بو کا پاتے　　　نگر سندری جب اپس کمیس کھولے
قدرت سے پایا ہے اس کو منا تے　　　کھلے دل کر آڑاں جو جیو بات بولے

نئی مطبوعات

"نئی مطبوعات" اور "زیر طبع کتابیں" کے عنوانات کے تحت معلومات شائع کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ناشرین ہمیں اپنے صحیح اشاعتی منصوبوں سے آگاہ فرمائیں۔

ہمارا شاعر ٹیگور (سوانح بچوں کے لئے) مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین ۰/۵۰ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی

ایک چادر میلی سی (ناولٹ) راجندر سنگھ بیدی قیمت ۲/۷۵ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

تاریخ الامت پنجم (تاریخ) مولانا اسلم جیراجپوری " ۳/۲۵ " " "

فتاویٰ رضویہ جلد سوم (مذہب) مولانا احمد رضا فاضل بریلوی " ۲/۵۰ (غیر مجلد) سنی دارالاشاعت مبارکپور، اعظم گڈھ

شعلۂ رنگیں (نظم) مجرم محمد آبادی " ۴/۰ غالب اکاڈمی، مدن پورہ، بنارس

سیل غم (") یحییٰ بھائی جیدن والا " ۱/۰ ادبی دنیا، دہلی ۶

تمہیں یاد ہو کہ... (ناول) راشد سہسوانی " ۶/۰ " " "

شام کے مسافر (") ابن حیات " ۵/۵۰ اردو مرکز، دہلی ۶

اسلام ایک نظر میں (اسلامیات) صدرالدین اصلاحی " ۲/۵۰ مکتبہ جماعت اسلامی، دہلی ۶

شاہراہ زندگی (اخلاقیات) رام سروپ کوشل " ۲/۲۵ لاجپت رائے اینڈ سنز، دہلی ۶

تازیانے نہار شین (افسانے) الطاف مشہدی " ۲/۲۵ " " "

رقص بہار (نظم) رام کرشن مضطر " ۳/۵۰ " " "

بات کی بات (ناول) ہنسراج رہبر " ۳/۰ " " "

مکتوبات عبدالحق (خطوط) مرتبہ جلیل قدوائی " ۱۰/۰ مکتبۂ اسلوب، کراچی ۱۸

ادبی تخلیق اور ناول (ادب و تنقید) ڈاکٹر محمد احسن فاروقی " ۶/۵۰ " " "

قرب نظر (") " " " " ۹/۰ " " "

نئی اور پرانی قدریں (") ڈاکٹر شوکت سبزواری " ۵/۰ " " "

معیار ادب (") " " " " ۵/۰ " " "

مطالعۂ منثور و شاعری (") ممتاز حسین " ۵/۰ " " "

جامِ سرشار (ناول) از سرشار مرتبہ بدرعالم قیمت ۸/۰ مکتبہ اسلوب، کراچی ۱۸

اردو ادب کی تشکیلِ نو (مضامین) مرتبہ بدرِ عالم " ۸/۰ " " " "

افعالِ مرکبہ (قواعد) تمنا عمادی " ۲/۵۰ " " " "

خواجہ معین الدین چشتی (سوانح) وحید احمد مسعود " ۴/۰ سلمان اکیڈمی، کراچی ۵

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ (مذہب) امام غزالیؒ " ۴/۲۵ " " " "

تاریخ ادب اردو جلد اول ۱۲ ۱۱ تا ۱۰۰ مرتبہ عبدالقیوم " ۸/۰ ایجوکیشنل پبلشرز، کراچی ۲

ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ " ۶/۰ " " " "

تذکرہ علمائے ہند (تذکرہ) مرتبہ مترجمہ محمد ایوب قادری " ۱۵/۰ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی ۵

علم و عمل جلد اول (تذکرہ) وقائع عبدالقادر خانی مرتبہ محمد ایوب قادری ۸/۰ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۸

جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم (تدریس) مترجم سید معین الدین علوی " ۲/۵۰ " " " "

علمائے سلف (تذکرہ) مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی " ۹/۰ " " " "

خط و خطاطی (تدریس) ممتاز حسین جونپوری " ۱/۱۲ " " " "

اسالیب اور زبان (لسانیات) مخمور اکبرآبادی " ۹/۰ " " " "

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی تعلیمات اعجاز الحق قدوسی " ۱۲/۰ " " " "

انیس زندگی (نفسیات) انیس الرحمٰن " ۲/۷۵ دانا اکیڈمی، فریئر روڈ، کراچی ۱

عربی زبان کے دس سبق (تدریس) مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ۰/۵۰ " " " "

(صرف پاکستانی کتابیں مشتاق بک ڈپو، نزد اردو کالج، کراچی ۱ سے مل سکتی ہیں)

زیرِ طبع کتابیں

لکھنؤ مرکزِ زبان و ادب (ادبی) پرتو لکھنوی قیمت ۳/۰ دلستانِ آرزو، کلکتہ

یگانہ چنگیزی (سوانح و تبصرہ) باقر مہدی " ۲/۵۰ گوشۂ ادب، بمبئی

انتخاب کلام اکبر مرتبہ مولوی نور الرحمٰن " ۲/۰ مکتبہ شاہراہ، دہلی ۶

نوا گوروشف (ناول) میکسم گورکی مترجم محمود علی جالندھری ۶/۰ " " " "

تاریخ ہند پر نئی روشنی (عربی، اردو) ڈاکٹر خورشید احمد فارق مکتبہ برہان، دہلی ۶

فلسفۂ اقبال میں خدا کائنات اور انسان کا تصور ڈاکٹر حمید فاروق اقبال اکیڈمی، کراچی ۱

تفسیر القرآن صلاح الدین احمد ندوی – دانا اکیڈمی، کراچی ۱

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی
دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

ماسٹر رام چندر
اور
اُردو نثر کے ارتقا میں اُن کا حصہ

مولفہ:۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر
سائز:۔ ۱۸×۲۲/۸ غیر مجلد صفحات ۲۱۲
قیمت:۔ تین روپے ۵۰ نئے پیسے
ناشر:۔ ابوالکلام آزاد اورنیٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
ایوان اردو، حیدرآباد (آندھرا پردیش)

اردو میں ماسٹر رام چندر کی ادبی خدمات سے متعلق ایک جامع کتاب کی شدید ضرورت تھی بڑی خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف اس لئے ہی اہم نہیں کہ اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے بلکہ اصل اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے بڑی جستجو کے ساتھ ضروری مواد جمع کیا ہے۔ اور بڑے سلیقے سے اہلِ ذوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ رام چندر کے مضامین کا انتخاب اور اُن کی زندگی سے متعلق قدیم اخبارات و رسائل سے حاصل کی ہوئی معلومات سے ڈاکٹر صاحبہ کے مذاق اور محنت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

رام چندر ہمارے ملک کے تہذیبی و سماجی ارتقا کے ایک عبوری دور سے تعلق رکھتے تھے۔ جب نہ صرف مشرقی و مغربی اقدار میں شدید تصادم ہو رہا تھا۔ بلکہ مجموعی اعتبار سے مشرقی اقدار اور اس کے علم برداروں میں شکست خوردگی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ اس اہم منزل پر مغربی تعلیم سے بہرہ مند ہندوستانیوں کا ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہو رہا تھا جو مشرق و مغرب کی بہترین اقدار کے امتزاج کا خواہش مند تھا۔ اور بڑی جرأت کے ساتھ اپنی کمزوریوں اور مغرب کی بعض خوبیوں کا اعتراف کرتا تھا اور ملک کے عام باشندوں کو بھی اسی نقطۂ نظر کا حامی بنانا چاہتا تھا۔ رام چندر اسی اہم سیاسی، سماجی، تہذیبی رجحان کے پرچار کرنے والوں میں تھے۔ اور علم و فضل کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ رام چندر کی نگارشات دراصل ان کے انہیں فکری رجحانات کی تبلیغ کا ایک ذریعہ تھیں۔ اور بعض ایسے صحت مند عناصر کی حامل تھیں جنھوں نے اردو زبان و ادب کے ارتقا میں اہم حصہ لیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر سیدہ جعفر کا خیال ہے

رام چندر اردو کے پہلے مضمون نگار تھے۔ اردو نثر نگاروں میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے واقعیت، حقیقت پسندی اور سادگی بیان کو محسوس کیا۔ نثر میں پہلی بار روحِ عصر کو سمونے کی کوشش کی، اور اپنے علمی و اخلاقی مضامین کے ذریعہ جدید مغربی خیالات کو اردو میں پیش کر کے ملک کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر کا یہ خیال تاریخ ادبِ اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اہم ہے کہ۔

"مضمون نگاری کے ارتقا میں سر سید کے مضامین ایک تو سیع ہیں۔ آغاز نہیں۔ ماسٹر رام چندر اردو کے پہلے مضمون نگار ہیں۔ جنھوں نے شعوری طور پر اردو ادب میں اس صنف کی ابتدا کی (ص ۵۲)

ڈاکٹر صاحبہ کا اندازِ بیان شروع سے آخر تک ستھرا، دل نشیں اور سادہ ہے۔ قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ وہ خشکی اور بے کیفی جو تحقیقی تحریروں کے ساتھ منسوب ہو کر رہ گئی ہے، اس کتاب میں قطعاً نہیں۔ تحقیقی حصہ معلومات کے لحاظ سے اور تنقیدی حصہ توازن کے اعتبار سے قابل قدر اور مفید اضافہ ہے۔ مضامین کا انتخاب پڑھنے والوں کو رام چندر سے براہِ راست متعارف ہونے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کتاب ہمارے تحقیقی ادب کا قابلِ قدر اضافہ ہے۔

خلیق انجم۔ کروڑی مل کالج، دہلی

★

شہرِ دل

مصنف:- محسن زیدی

سائز $\frac{20\times30}{16}$ مجلد صفحات: ۱۳۵

قیمت:- دو روپے

ناشر:- مرکز ادب، دہلی

۱۹۴۷ء کے بعد غزل کا جو احیا ہوا ہے اس کی وجوہ کچھ بھی ہوں یہ امر یقینی ہے کہ غزل نے اپنے کٹر دشمنوں سے بھی اپنی رعنائی اور دل کشی کا لوہا منوا لیا ہے۔ جن لوگوں نے غزل جیسی صنفِ سخن کو وحشیانہ اور کافرانہ کہنے والوں کی آواز پر لبیک کہا تھا وہ آہستہ آہستہ اپنے رہبروں سے دور ہوتے گئے کلیم الدین احمد اور جوش ملیح آبادی کے پیچھے کارواں در کارواں جو لوگ آ رہے تھے ان میں اب ایک بھی باقی نہیں ہے۔ پچھلے چودہ برسوں میں غزل کے سرمائے میں جو قابل قدر اضافے ہوئے ہیں ان میں ایک "شہرِ دل" بھی ہے۔ محسن زیدی نے جس زمانے میں ہوش سنبھالا تو غزل کی مخالفت کا دور ختم ہو چکا تھا اور غزل اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کر رہی تھی۔ غزل اپنی ایمائیت اور اشاریت کا

فن ہے اور محسن زیدی کے صرف اسی صنف سخن کو انتخاب کرنے کی ایک وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ وہ طبیعتاً شرمیلے ہیں اور کھل کر بات کہنے کے عادی نہیں ہیں۔ شاید اسی لئے صنف غزل ایسے لوگوں کے لئے بہت موزوں رہی ہے۔ محسن زیدی کی غزلوں میں روایتی مضامین بھی ہیں جوانی مثانی کی کہانیاں بھی ہیں دل پر گزری ہوئی واردتیں بھی ہیں اور ناکامیوں سے کام لینے کا حوصلہ اور عزم بھی۔ انھیں اپنی بات کو نئے انداز، موثر الفاظ اور خوبصورت تشبیہات اور استعارات میں کہنا آتا ہے۔

محسن زیدی ایک نوجوان شاعر ہیں انھیں ابھی شہرت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہمارے بہت سے پیشہ ور شاعروں کو حاصل ہے۔ وہ ادبی حلقوں میں جتنے کم معروف ہیں اتنے ہی زیادہ اچھے شاعر ہیں۔ ایک مشاعرہ باز شاعر اور "شہر دل" کے مصنف کے درمیان وہی فرق ہے جو ایک مولوی اور صوفی کے درمیان ہوتا ہے مولوی کی زندگی میں نمود و نمائش اور شور و غوغا ہوتا ہے جب کہ صوفی کی زندگی میں ایک ٹھہراؤ، تحمل اور گیرائی ہوتی ہے صوفی کی دنیا کا سلسلہ لامتناہی ہے جو غیر محسوس طریقے سے دور دور تک پھیلا ہوا ہے اسی دنیا کا نام "شہر دل" ہے۔

محسن زیدی کے افکار میں جو ہم آہنگی، ربط اور سلیقہ ہے اس کا ثبوت مجموعے کے پہلے شعر سے مل جاتا ہے ؎

نہ خاک اڑائی نہ دامن کو تار تار کیا جنوں میں ہم نے نیا رنگ اختیار کیا

خیال کا یہ ربط اور اس کے اظہار کا حسن محسن زیدی کی کم و بیش تمام غزلوں میں نمایاں ہے۔ "شہر دل" کا شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد سب سے پہلی جو بات ہمیں محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر غزل میں کوئی ایک شعر ایسا ضرور ہے جو دل و دماغ پر ابدی نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ محسن زیدی زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کرتے ہیں اور انھیں بہت ہی دھیمے انداز میں بیان کر دیتے ہیں ان کی قوت احساس اور اظہار بیان کے درمیان زبردست تعاون ہے اور اسی تعاون میں موزونیٔ طبع کے امتزاج نے انھیں شاعر بنا دیا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تمھاری یاد اس تنہا سفر میں ہے شمع راہ بھی رخت سفر بھی

تمھیں خبر بھی ہے محسن کہ آہ نیم شبی وقار درد کا سارا بھرم گنوا آئی

ہم بے ثبات ہیں نہ زمانہ ہے بے ثبات ایسے شکوک دل میں نہ لاؤ حسین رات

اس کارگہِ شوق میں جادوئے خرد نے جتنے ہی صنم توڑے ہیں اتنے ہی بنائے

دل سے یوں اُن کی یاد گزری ہے نکہتِ گل کا کارواں جیسے

تصویرِ زندگی میں نیا رنگ بھر گئے یہ حادثاتِ وقت بڑا کام کر گئے

میری کشتی جو ڈوب جائے گی ٹوٹ جائے گا دل کناروں کا

کہنا یہ چاہتا تھا کہ دنیا ہے بے وفا شرمندہ ہوں کہ لب پہ ترا نام آگیا

آشفتہ سر و چاک گریبان رہے ہیں دیوانے رقیبِ سروسامان رہے ہیں

یا یہ کہ کوئی غم بھی نہ تھا اور رو پڑے یا یہ کہ غم بہت ملے اور مسکرائے ہیں

اسلم پرویز

★

دیر و حرم

از:- مسلّم انصاری

سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ مجلّد صفحات ۱۷۶

قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

ناشر:- انصاری بک ڈپو الٰہی باغ گورکھپور (یوپی)

"جب کسی غیر معروف شاعر کے 'بُرے دن' آتے ہیں تو وہ اپنی شعری تخلیقات کو منظرِ عام پر لاتا ہے" یہ مسلّم صاحب کا اپنا خیال ہے۔ لیکن اُن کا مجموعۂ کلام 'دیر و حرم' اس کا شاہد نہیں۔ وہ غیر معروف ضرور ہیں لیکن ان کی شاعری 'اچھے دن' کی نوید دیتی ہے۔ مسلّم صاحب تقریباً آٹھ نو سال سے باقاعدہ مشاعروں میں شرکت فرما رہے ہیں۔" یہ معلومات احمر گورکھپوری کے "تعارف" سے فراہم ہوتی ہے۔ اس تعارف کے علاوہ فرقت کاکوروی نے اور خود مسلّم صاحب نے بھی "کچھ اپنی کچھ ان کی" باتیں کی ہیں۔

"دیر و حرم" پچاس قطعات، ۲۹ انتیس منظومات اور ایک سو چھبیس ۱۲۶ غزلوں پر مشتمل ہے۔

مسلم صاحب اپنے معتقدات کے لحاظ سے اسم با مسمیٰ ہیں۔ یہ بات اُن کے کلام میں عیاں ہے۔ مثلاً

اک عہد یہ بھی ہے مسلم بفیضِ لادینی　　　کہ کھائے جاتی ہے انسانیت کو فکرِ معاش

اُن کے بہتیرے قطعات میں تلخیٔ ماحول کا تاثر موجود ہے۔ جیسے

یہ دعویٰ کا ہے آئی چمن میں نئی رت　　　غلط ہے کہ بدلا خزاں کا زمانہ
اگر کچھ تغیر ہوا ہے تو اتنا　　　قفس نام پہلے تھا اب آشیانہ

یہ بات ان کی غزلوں میں بھی نظر آتی ہے:

کچھ اس انداز سے حالات نے لیں کروٹیں مسلم　　　بنامِ گنگ و کوثر فتنہ سامانوں کی بن آئی

یوں عصرِ رواں کی محفل میں تہذیب کی دیوی رقصاں ہے
آنچل بھی نہیں ہے سینے پر، پائل بھی نہیں ہے پاؤں میں

اُن کی نعتیں، اُن کے خلوص کا مظہر ہیں۔ جن میں زیادہ تر وطن اور اہلِ وطن سے متعلق ہیں۔ 'میرے بچے' اُن کی ایک انتہائی جذباتی نظم ہے اور 'گل و شبنم' میں اقبالیت نظر آتی ہے۔ 'کسان' بھی ایک اچھی نظم کہلانے کی مستحق ہے۔

اُن کی غزلوں کے دو حصے ہیں۔ 'غمِ دوراں' اور 'غمِ جاناں'۔ اور اسی سے 'دیر و حرم' کے نام کی حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ مسلم صاحب بیک وقت دونوں غم لئے ہوئے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ شکوہ بہ لب بھی ہیں کہ:

خدا مجھ سے راضی نہ وہ بت ہی مسلم　　　یہ میری دعاؤں کا اچھا صلہ ہے

لیکن انھیں یقین رکھنا چاہئے کہ جب بھی وہ اپنے مسلک کے تعین میں کامیاب ہو جائیں گے، اُن کے کلام میں اتنی گہرائی اور گیرائی ضرور پیدا ہو سکے گی کہ 'اہلِ حرم' یا 'دیر والے' دونوں میں سے کوئی نہ کوئی اُن سے راضی ہو جائے۔

انھوں نے اپنا تخلص برتنے کی پوری سعی کی ہے:

لوگ نامہرباں جو ہیں مسلم　　　ایک کافر کی مہربانی سے

حرم والوں نے جب ٹھکرا دیا مسلم تو کیا کرتے　　　کسی کے ہو کے رہنا تھا بتوں سے دل لگا بیٹھے

اُن کا کلام نہ بلند آہنگ ہے نہ عالمانہ بلکہ اک سادگی اور سید ھا پن اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس لئے

"زبان دانوں کے لئے خواہ وہ در خور اعتنا نہ ہو لیکن توقع ہے کہ اردو پڑھنے والے اس سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ اُن کے کلام میں ایسے اشعار موجود ہیں!

اُن کی رحمت کو دیکھ کر بالوس — اعترافِ گناہ کر بیٹھے
جان کر بھی بتوں کو تم سلّم — پیار کیوں خواہ مخواہ کر بیٹھے

نہ ملئے دوستوں سے روز سلّم — کہیں فرق آ نہ جائے دوستی میں

ہائے رے زندگیٔ اہلِ وفا — جو بقیدِ توقعات گئی

یہ مجموعہ صاف ستھرا چھپا ہے اور کتابت عمدہ ہے۔

ولی شاہ جہاں پوری

★

حضرت امام حسین

مصنف :۔ شمیم انہونوی
صفحات :۔ ۸۰ قیمت :۔ ۱.۶۲ نئے پیسے
ناشر :۔ مکتبہ کلیاں، لکھنؤ

کتاب بچوں کے لئے سہل انداز میں لکھی گئی ہے۔ موضوع طویل ہے، اس کو مختصر صفحات میں پیش کر دینا قابلِ تحسین ہے، قیمت ذرا کم ہوتی تو اچھا تھا۔

ظہیر مسعود قریشی ۔ دلی کالج، دہلی

★

دورِ حیات
(ہفت روزہ)

قیمت سالانہ :۔ بارہ روپے
پتہ :۔ دفتر "دورِ حیات"، "منور منزل"
نپین روڈ ۔ مالابار ہل ۔ بمبئی ۶

مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ کی طرف سے مظہر حسین صاحب قیصر کی ادارت اور جاوید صدیقی صاحب کی نظامت میں بمبئی سے "دورِ حیات" نامی ایک مصور ہفت روزہ اخبار شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس وقت تک جو تین شمارے نظر سے گزرے ہیں ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پرچہ بہت جلد صفِ اول کے اخبارات میں اپنے لئے جگہ بنا لے گا۔ لکھنے والوں میں ملک کے ممتاز ادیب و شاعر شامل ہیں۔ سرورق بھی دیدہ زیب ہے۔

ولی شاہ جہاں پوری

ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

انڈین سائنس کانگریس

۱۵ جنوری میں کٹک میں انڈین سائنس کانگریس منعقد ہوگی اس کانگریس میں برطانیہ کی طرف سے ۱۲۵۰ ایسی کتابوں کی نمائش کی جائے گی جو سائنسی اور ٹکنیکل قسم کے موضوعات پر ۱۹۶۰ء سے اب تک شائع ہو چکی ہیں۔

جنوبی ہند کی زبان سیکھنے پر انعام

ہندوستان کی وزارتِ داخلہ انڈین پریس سروس کے زیر تربیت امیدوار کو جنوبی ہند کی چار زبانوں (تامل تیلگو ملیالم اور کنڑی) میں سے کوئی ایک زبان سیکھنے میں دوسروں سے سبقت لے جانے پر انعام دیا جائے گا بشرطیکہ وہ کنڈیڈیٹ شمالی ہند کا رہنے والا ہو اسی طرح جنوبی ہند کے کنڈیڈیٹ کو ہندی سیکھنے میں سبقت لے جانے پر انعام ملے گا۔

باسط بھوپالی کا انتقال

بھوپال کے معمر اور ممتاز غزل گو شاعر باسط بھوپالی ۳ دسمبر کو انتقال فرما گئے آپ طویل مدت سے صاحبِ فراش تھے اور کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔

ضیغم سندیلوی کا انتقال

اردو کے جواں سال شاعر ضیغم سندیلوی کا ۲۱ دسمبر ۱۹۶۱ء کو انتقال ہو گیا ضیغم صاحب کچھ عرصے سے بیمار ہو کر اپنے وطن سندیلہ چلے گئے تھے وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔

جرمنی میں کتابی میلہ

امسال فرینکفورٹ کے تیرھویں بین الاقوامی میلہ برائے کتب میں ہندوستانی کتابوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی، ڈاکٹر رادھا کرشنن کو انعام ملا، اس کتابی نمائش میں ۳۲ ملکوں نے حصہ لیا اور ۱۸۸۳ ناشرین کی ۰۰۰،۴۰ منتخب کتابیں بطور نمائش پیش کی گئیں، متعدد ہندوستانی کتابوں کے جرمن ترجمے بھی نمائش میں موجود تھے جن ممالک نے سال رواں میں دس ہزار سے زائد کتابیں شائع کیں ان میں روس جاپان برطانیہ امریکہ فرانس ہندوستان اور اٹلی شامل ہیں۔

انگریزی کے نئے حروف تہجی میں پہلی کتاب

جارج برنارڈ شاہ کی وصیت کے مطابق اُن کے مشہور ڈراما "اینڈروکلیز دی لائن" ۱۹۶۲ء کے اوائل میں انگریزی کے لئے حروف تہجی میں طبع ہو کر بازار میں فروخت ہونے لگے گا۔ یہ پہلا ڈرامہ ہے جو نئے حروف تہجی میں چھپا ہے۔ حروف تہجی کا نمونہ تیار کرنے والے اور کتاب کو چھاپنے والے کے ناموں کو صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے۔

ریاستی آرٹ نمائش

مہاراشٹر کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ جنوری ۱۹۶۲ء میں بمبئی میں ساتویں سالانہ آرٹ نمائش منعقد کی جائے۔ یہ نمائش جو ثقافتی سرگرمیوں کا جزو ہے مہاراشٹر کے فن کاروں اور دست کاروں کے کام کی حد تک محدود اور حسب ذیل شعبوں میں منقسم ہوگا۔

(۱) فن کاروں کا کام   (۲) آرٹ کے طلبہ کا کام

(۳) ساتویں جماعت تک کے طلبہ کا کام   (۴) آٹھویں جماعت سے اوپر کے طلبہ کا کام

یہ کام ڈرائنگ، پینٹنگ، مجسمہ آرٹ، دست کاری، فن تعمیر، کمرشل آرٹ، فوٹوگرافی وغیرہ پر منقسم ہوگا۔

علامہ اقبال پر نئی انگریزی کتاب

بون (جرمنی) میں انسٹی ٹیوٹ آرٹ اور ینٹل اسٹڈیز کے مشہور مستشرق ڈاکٹر شمل نے علامہ اقبال پر ایک اور تصنیف مکمل کر لی ہے جس میں اقبال کے مذہبی تصورات سے بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر شمل اقبال پر متعدد مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں تازہ تصنیف میں ان تمام کتابوں اور مضامین کی فہرست بھی ہوگی جو اب تک مختلف زبانوں میں علامہ اقبال پر شائع ہو چکے ہیں۔

اُردو سنسکرت اور ہندی کتابوں پر انعام

حکومت اتر دیش نے ملک کے ہر حصہ سے مختلف موضوعات پر لکھی گئی اردو ہندی اور سنسکرت کی ان طبع زاد کتابوں اور ترجموں کو انعامات دینے کے لئے طلب کیا ہے جن کی اشاعت جنوری ۱۹۶۰ء کے بعد ہوئی ہے۔ یہ انعامات ہندی لٹریچر فنڈ سے تقسیم کئے جائیں گے۔

اردو کتابوں کے لئے غالب انعام ڈیڑھ ہزار روپیہ۔ اکبر الٰہ آبادی انعام پانسو روپیہ

رام پرشاد بسمل انعام آٹھ سو روپیہ
مزید تفصیلات کے لئے سکریٹری انعام اسکیم ایجوکیشن سی ڈیپارٹمنٹ کونسل ہاؤس لکھنؤ سے رجوع کرنا چاہئے۔

دنیا کی سب سے قیمتی پینٹنگ

نیویارک کے میوزیم نے مشہور اطالوی مصور ریمبرانٹ کی پینٹنگ "ہومر" کو بیس لاکھ تیس ہزار ڈالر میں خریدا ہے اس سے قبل کسی پینٹنگ کی قیمت اتنی زیادہ نہیں لگی تھی، ریمبرانٹ نے ۱۶۵۳ء میں سسلی کے ایک رئیس کے لئے یہ پینٹنگ تیار کی تھی اور رئیس نے اس زمانہ میں اس مصور کو ۸۰۰ ڈالر کے مماثل معاوضہ دیا تھا۔ یہ پینٹنگ نویں مرتبہ فروخت ہوئی ہے۔

جرمنی میں بچوں کے اخبار

مغربی جرمنی میں سیکنڈری اسکولوں کے طلبہ اپنے اخبارات اور رسائل شائع کرتے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۱۰۰۵ ہے یعنی ہر تیسرے اسکول سے ایک اخبار نکلتا ہے، یہ اخبار ہفتہ وار یا پندرہ روزہ ہیں اور ان میں ایسے مضامین شائع کرتے ہیں جو طلبہ، اساتذہ اور والدین کی دلچسپی کے ہوتے ہیں تقریباً دس ہزار طلبہ ان اخبارات میں ایڈیٹروں یا نامہ نگاروں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔

لندن میں اسلامی آرٹ کی نمائش

برٹش میوزیم میں سولہویں اور سترھویں صدی کے اسلامی آرٹ کی نمائش کی جارہی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغل اسکول ایرانی مصوری کی شاخ نہیں تھا اس نمائش میں متعدد اہم اداروں سے مدد لی گئی ہے۔

مسودے برائے اشاعت ــــ ناشرین توجہ فرمائیں

"دستور ہند پر ایک کتاب"
مصنف:۔ وجیہہ الحسن عثمانی، ۱۱ پرانا گنیش گنج، لکھنؤ

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ" "حضرت عبداللہ ابن عباسؓ"
"حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ"

مصنف:۔ سلام اللہ صدیقی، ۲۶/۶ سرائے ہڑہا، بنارس

"میری لائبریری" کے تحت مکتبہ جدید لاہور کی

شائع کردہ اچھی اور سستی کتابیں

سنگ و خشت	کنہیا لال کپور	۱/۵۰	الحسین	عمر ابوالنصر	۱/۵۰
شیشہ و تیشہ	"	۱/۵۰	الزہرا	"	۱/۰
گردِ کارواں	"	۱/۵۰	الہارون	"	۲/۲۵
پرواز	شفیق الرحمٰن	۱/۵۰	المامون	شبلی نعمانی	۲/۲۵
لہریں	"	۱/۵۰	امیر معاویہ	انیس ذکریا	۱/۲۵
حماقتیں	"	۳/۰	رابعہ بصری	دراوتسکا کیسی	۱/۵۰
مزید حماقتیں	"	۳/۰	جینے کی اہمیت	لن، یو تانگ	۵/۵۰
گرما گرم لطیفے	مرتبہ اشفاق احمد	۱/۵۰	گفتگو اور تقریر کا فن	ڈیل کارنیگی	۲/۲۵
چراغ تلے (دکھٹ میٹھے مضامین)	مشتاق احمد یوسفی	۱/۵۰	پریشان ہونا چھوڑیئے	"	۳/۰
تذکرہ	ابوالکلام آزاد	۳/۰	میٹھے بول میں جادو ہے	"	۳/۰
غبارِ خاطر	"	۳/۰	زندگی اور عمل	ڈاکٹر ماردن	۱/۵۰
دیوانِ غالب	مرزا اسد اللہ خاں غالب	۲/۲۵	معلومات کا انسائیکلوپیڈیا	علی ناصر زیدی	۳/۰
میرے بھی صنم خانے	قرۃ العین حیدر	۳/۰	سیف اللہ خالد	ابوزید شلبی	۲/۲۵
قلوپطرہ	مترجم ناظر حسین پالوی	۳/۰	سلطان محمد فاتح	محمد مصطفیٰ صفوت	۱/۵۰
حلال و حرام	عطاء اللہ پالوی	۲/۲۵	عمر بن عبدالعزیز	احمد زکی	۱/۲۵
ابوبکر صدیق	محمد حسین ہیکل	۴/۵۰	شیر شیر شیر	جم کاربٹ	۳/۰
عمر فاروق اعظم	"	۸/۰	جنس کا جسمانی پہلو	کینتھ واکر	۲/۵۰
دس بڑے مسلمان	محمد اسمٰعیل پانی پتی	۳/۰	جنس کا نفسیاتی پہلو	"	۳/۰

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ۔ جے جے ہسپتال۔ بمبئی ۳

پاکستانی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
ہجر و وصال	مولانا آزاد	۴/۰
مقدمہ شعر و شاعری عام اڈیشن	مرتبہ وحید قریشی	۶/۰
" " " خاص "	" "	۱۰/۰
تذکرہ شوق	عطاء اللہ پالوی	۶/۰
شعرائے اردو	مرتبہ وحید قریشی	۶/۵۰
شبلی کی حیاتِ معاشقہ	" "	۱/۵۰
میر حسن	محمود فاروقی	۵/۰
داستانِ فلسفہ	مترجم عابد علی عابد	۸/۰
سائنس کا ارتقاء	محمد سعید	۷/۰
علم کے نئے افق	مترجم قاسم محمود	۴/۵۰
ادبائے اردو		۲/۵۰
جنت میں مشاعرہ	عارف بٹالوی	۳/۰
ادبی مسائل	ممتاز حسین	۳/۰
مجید لاہوری	تشفیع عقیل	۴/۵۰
تعلیم کی نئی بنیادیں	مترجم شیخ غلام حسین	۵/۵۰
جوہر اقبال	عبدالرحمٰن طارق	۶/۵۰
ادب کے مادی نظریے	ظہیر کاشمیری	۲/۷۵
نادرات غالب	آفاق حسین	۴/۰
سلمیٰ و اختر	نیتر و اسلمیٰ	۲/۵۰
تزکیہ نفس	امین احسن اصلاحی	۶/۰
تمدن عرب	احسان الحق	۵/۰

کتاب	مصنف	قیمت
مکاتیب سرسید، شبلی و اقبال		۶/۰
علم بلاغت اور علم عروض	نظیر صدیقی	۲/۰
شعرائے اردو کے تذکرے	سید عبداللہ	۲/۰
فلسفے کی نئی تشکیل	مترجم انتظار حسین	۲/۰
قدیم علوم اور جدید تہذیب	" سید ہاشمی فرید آبادی	۱/۰
جدید شعرائے اردو	ڈاکٹر وحید بی۔اے	۲۵/۰
خوراک کا مسئلہ	رابرٹ برٹن	۱/۵۰
آبادی کا مسئلہ	مترجم شبلی ایم کام	۱/۵۰
ثقافت کا مسئلہ	" قاسم محمود	۱/۰
تحریک آزادی	مولانا آزاد	۳/۵۰
سائنس اور کائنات	محمد سعید	۶/۵۰
سائنس باتوں باتوں میں		۴/۰
زندگی اور عمل	ڈاکٹر ماڈسن	۲/۵۰
آدابِ زندگی	محمد اقبال	۳/۰
کامیاب زندگی	سلیمان اقبال	۳/۰
الحسینؓ	اعجاز الرحمٰن	۳/۰
عمرو بن العاصؓ	حسن ابراہیم حسن	۵/۰
عمر بن عبدالعزیزؒ	رشید اختر ندوی	۴/۰
عمر فاروقؓ	محمد ہیکل	۳۰/۰
خالد بن ولیدؓ	امیر احمد	۴/۵۰
یوسف زئے افغان	اللہ بخش یوسفی	۱۰/۰

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
سوبڑے لوگ (البم)		۳/۰
تاریخ اسلام اوّل	رشید اختر ندوی	۲۰/۰
چنگیز خاں	مترجم عزیز اللہ	۳/۰
حکیم فرزانہ	محمد اکرم	۴/۰
مسلمان حکمراں	رشید اختر ندوی	۱۳/۵۰
تاریخ ملک عراق	پروفیسر محمد بریلوی	۶/۰
عرب دنیا	مترجم ڈاکٹر محمود حسین	۱۲/۰
ایران ایک تعارف	تمنائی	۲/۵۰
اسلامی طریقۂ زندگی	میجر جنرل محمد اکبر خاں	۷/۵۰
سگمنڈ فرائڈ	شبیر محمد اختر	۳/۰
غریب لڑکے جو نامور پیدا ہوئے	عبدالمجید سالک	۴/۰
خلق مسلم	امام غزالیؒ	۵/۰
گنجے فرشتے	منٹو	۵/۰
جمال زندگی	خواجہ عبدالسلام	۴/۰
قانون ہومیو پیتھک	مترجم محمد نعمان	۸/۰
ہومیو پیتھک فلسفہ	" عنایت حسین خاں	۷/۰
اردوئے معلیٰ	مولوی عبدالحق	۷/۵۰
سلیم کے نام اوّل	پرویز	۸/۰
" " دوم	"	۶/۰
" " سوم	"	۹/۰
لغات القرآن کامل	"	۵۸/۰
اسباب زوال امت	"	۲/۰
طاہرہ کے نام اوّل	"	۲/۰
" " دوم	"	۲/۵۰
اسلامی معاشرت	"	۲/۰
جوئے نور	پرویز	۶/۰
شعلۂ مستور	"	۹/۰
برق طور	"	۶/۰
من و یزداں	"	۱۰/۰
ابلیس و آدم	"	۸/۰
انسان نے کیا سوچا	"	۱۲/۰
معراج انسانیت (چہارم)	"	۲۰/۰
فجر الاسلام	علامہ احمد موی	۸/۰
اسلام پہ کیا گذری	"	۵/۰

شعری مجموعے

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
انجمن	غلام مصطفیٰ صوفی تبسم	۸/۰
گنجینہ	مرزا یاس یگانہ چنگیزی	۳/۲۵
ترانۂ وحشت	وحشت کلکتوی	۷/۰
نگار خانہ	مترجم میراجی	۱/۵۰

ناول

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ہمیں چراغ ہمیں پروانے	مترجم قرۃ العین حیدر	۱۰/۰
کنوارے کھیت	" مخمور جالندھری	۶/۵۰
آخری سلام	" حسن عسکری	۶/۵۰
انتخاب طلسم ہوشربا	" " "	۷/۰
تاریک براعظم	احمد شجاع پاشا	۸/۰
سرخ و سیاہ	مترجم حسن عسکری	۱۱/۰
رود کوثر	شیخ محمد اکرام	۷/۵۰
آب کوثر	" "	۶/۵۰

موج کوثر	شیخ محمد اکرم	۴/۵۰
استنبول	محمد سعید	۶/۰
یروشلم	رشید اختر ندوی	۷/۸۰
تیمور	محمد سعید	۳/۰
جواری	مترجم قاسم محمود	۳/۰
سلیمان عالیشان	” اختر عزیز احمد	۸/۵۰
گریز	عزیز احمد	۵/۰
المحصنات	ڈپٹی نذیر احمد	۲/۲۵
اُس بستی میں	عنایت اللہ	۴/۰
تہذیب کے تازیانے	سدرشن	۲/۷۵
عورت کی محبت	”	۲/۰
زہرۃ الروم	محمد سعید	۷/۵۰
مادام بواری		۷/-
سردیران اندھیرا گھر	بالزاک	۸/-
بڈھا گوریو	”	۶/۰

افسانے

بے کار دن بے کار راتیں	عزیز احمد	۲/۵۰
مدوجزر	شفیق الرحمٰن	۲/۷۵
شگوفے	” ”	۲/۵۰
کرنیں	” ”	۴/۰
لغافے	قدرت اللہ شہاب	۲/۲۵
برگِ حنا	احمد ندیم قاسمی	۳/۰
سدا بہار پھول	سدرشن	۲/۰
کنکری	انتظار حسین	۵/۰
پہلا پتھر	بلونت سنگھ	۶/۰
لہو اور قالین (ڈرامے)	مرزا ادیب	۴/۵۰
آنکھ کا نشہ (ڈرامے)	آغا حشر کاشمیری	۶/۰
پھندنے	منٹو	۴/۰
شیشے کے گھر	قرۃ العین حیدر	۶/۰
چراغ تلے	مشتاق احمد یوسفی	۴/۰
آنندی	غلام عباس	۲/۰

پاکستانی مطبوعات

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ۔ جے جے ہسپتال بمبئی ۳

سے مل سکتی ہیں۔

سالانہ چندہ ایک روپیہ | مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی | فی پرچہ دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر رشید احمد ولی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Regd No D. 58 **January 1962**

Kitab Numa

JAMIANAGAR, NEW DELHI.25

کیلنڈر ۱۹۶۲ء

جنوری					
اتوار		۷	۱۴	۲۱	۲۸
پیر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
منگل	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
بدھ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
جمعرات	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
سنیچر	۶	۱۳	۲۰	۲۷	

فروری					
اتوار		۴	۱۱	۱۸	۲۵
پیر		۵	۱۲	۱۹	۲۶
منگل		۶	۱۳	۲۰	۲۷
بدھ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعرات	۱	۸	۱۵	۲۲	
جمعہ	۲	۹	۱۶	۲۳	
سنیچر	۳	۱۰	۱۷	۲۴	

مارچ					
اتوار		۴	۱۱	۱۸	۲۵
پیر		۵	۱۲	۱۹	۲۶
منگل		۶	۱۳	۲۰	۲۷
بدھ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعرات	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعہ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
سنیچر	۳	۱	۱۷	۲۴	۳۱

اپریل					
اتوار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
پیر	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
منگل	۳	۱۰	۱۷	۲۴	
بدھ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعرات	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	
سنیچر	۷	۱۴	۲۱	۲۸	

مئی					
اتوار		۶	۱۳	۲۰	۲۷
پیر		۷	۱۴	۲۱	۲۸
منگل	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
بدھ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
جمعرات	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
جمعہ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
سنیچر	۵	۱۲	۱۹	۲۶	

جون					
اتوار		۳	۱۰	۱۷	۲۴
پیر		۴	۱۱	۱۸	۲۵
منگل		۵	۱۲	۱۹	۲۶
بدھ		۶	۱۳	۲۰	۲۷
جمعرات		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعہ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
سنیچر	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰

جولائی					
اتوار	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
پیر	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
منگل	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
بدھ	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعرات	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعہ	۶	۱۳	۲۰	۲۷	
سنیچر	۷	۱۴	۲۱	۲۸	

اگست					
اتوار		۵	۱۲	۱۹	۲۶
پیر		۶	۱۳	۲۰	۲۷
منگل		۷	۱۴	۲۱	۲۸
بدھ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعرات	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
جمعہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
سنیچر	۴	۱۱	۱۸	۲۵	

ستمبر						
اتوار		۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
پیر		۳	۱۰	۱۷	۲۴	
منگل		۴	۱۱	۱۸	۲۵	
بدھ		۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعرات		۶	۱۳	۲۰	۲۷	
جمعہ		۷	۱۴	۲۱	۲۸	
سنیچر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	

اکتوبر					
اتوار		۷	۱۴	۲۱	۲۸
پیر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
منگل	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
بدھ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
جمعرات	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
جمعہ	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
سنیچر	۶	۱۳	۲۰	۲۷	

نومبر					
اتوار		۴	۱۱	۱۸	۲۵
پیر		۵	۱۲	۱۹	۲۶
منگل		۶	۱۳	۲۰	۲۷
بدھ		۷	۱۴	۲۱	۲۸
جمعرات	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
جمعہ	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
سنیچر	۳	۱۰	۱۷	۲۴	

دسمبر						
اتوار		۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
پیر		۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
منگل		۴	۱۱	۱۸	۲۵	
بدھ		۵	۱۲	۱۹	۲۶	
جمعرات		۶	۱۳	۲۰	۲۷	
جمعہ		۷	۱۴	۲۱	۲۸	
سنیچر	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹	

کتاب نما
ماہنامہ

جان اِسٹن بک امریکہ کے مشہور لکھنے والے ہیں۔

آپ کی متعدد ناولیں شایع ہو چکی ہیں۔

۱۹۰۲ء میں اِسٹن بک کیلیفورنیا میں پیدا ہوئے۔

سالیناس ہائی اسکول اور اسٹن فورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل

کی تعلیم ترک کرنے کے بعد انھیں اپنا پیٹ پالنے کے لیے طرح طرح کے کام کرنے پڑے۔

تلاشِ معاش میں امریکہ کے مختلف حصّوں میں گئے، جس سے انھیں امریکی زندگی کے

ہر ہر پہلو کا غائر مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اُسی زمانے میں انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔

۱۹۳۵ء میں اُن کی پہلی کامیاب ناول شایع ہوئی۔ اس ناول کے بعد اسٹن بک کی شہرت

روز بروز بڑھتی گئی۔

اُن کی مشہور ناول (MOON IS DOWN) کا ترجمہ "شکستِ ناتمام" کے

نام سے پہلی بار اُردو زبان میں شایع کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ زہرہ سعیدین صاحبہ نے کیا

ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اُردو پڑھنے والوں میں "شکستِ ناتمام" پسندیدگی کی نظر سے

دیکھی جائے گی۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

اشاریہ

اردو کے بہی خواہوں کے لئے سنٹرل الکشن کمیشن کا یہ فیصلہ بڑی حد تک ایک مژدہ ہے کہ شہر لکھنؤ، مغربی اتر پردیش کے پانچ اضلاع اور دہلی میں رائے شماری کے کاغذات BALLOT PAPERS میں اردو زبان بھی استعمال ہوگی۔ اگرچہ ہماری رائے میں یہ اقدام کوئی انوکھا نہیں ہے پھر بھی اس سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کی طرف سے تعصب کے بادل چھٹنا شروع ہوگئے ہیں۔ کاش کہ یہ سلوک الکشن کے بعد بھی جاری رہے ورنہ خدشہ ہے کہ ووٹ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ اعلان بھی ثابت ہو کر رہ جائے گا۔ ہمیں یہ خدشہ اس لئے پیدا ہوا کہ آج کل شہروں کے در و دیوار پر جو پوسٹر نظر آتے ہیں وہ ان پارٹیوں کی جانب سے بھی اردو زبان میں ہوتے ہیں جو اردو کو کوئی زبان ہی نہیں سمجھتیں۔

امسال یوم جمہوریت کے موقع پر جن ستائیس اصحاب کو پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا گیا ہے ان میں اردو کے ایک ادیب مولانا نیاز فتح پوری اور ایک شاعر نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے نام دیکھ کر ہمیں مسرت ہوئی اور اس موقع پر ہم ان حضرات کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم کی مشہور کتاب تاریخ الامت کا حصہ پنجم شایع ہو گیا ہے۔ ہم نے یہ کتاب [illegible] نایاب ہونے کے بعد دوبارہ شائع کرنا شروع کی۔ اب اس کے بقیہ حصے بھی انشاء اللہ اسی سال کے اندر شائع کر سکیں گے۔

"تذکرہ جگر" از محمود علی خاں جامعی اور عصمت چغتائی کے افسانوں کا مجموعہ "دو ہاتھ" کتابت کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور انشاء اللہ بہت جلد شائع ہو جائیں گے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی کی معروف کتاب "گنج ہائے گرانمایہ" چند نئے مضامین کے اضافہ کے ساتھ بہت جلد شائع ہو رہی ہے۔

اس مرتبہ ظل عباس عباسی صاحب کے دہلی سے باہر رہنے کے باعث "ادبی خبریں" اتنی دیر سے موصول ہوئیں کہ انہیں شریک اشاعت کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس کی تلافی مارچ کے پرچے میں کر دی جائے گی۔

خلاف توقع اس مرتبہ جنوری کے شمارے کی عدم وصولی کی شکایات کئی جگہ سے موصول ہوئیں۔ ہمیں احساس ہے کہ ہمارے کرم فرماؤں کو خطوط لکھنے اور انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ پرچہ ڈاک خانہ بھیجنے سے قبل ہمارے ہاں ہر ممکن احتیاط برت لی جاتی ہے۔ اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ ہمیں شکایتی خط لکھتے وقت مقامی ڈاک خانہ سے بھی رجوع کر لیا کریں۔

سراج الدولہ

مصنف: سچین سین گپتا
ترجمہ: سید اشفاق حسین

سراج الدولہ، بنگالی زبان کا مشہور ڈراما ہے جسے اردو میں پہلی بار مکتبہ جامعہ پیش کر رہا ہے۔ اس ڈراما کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ مغربی بنگال اور مشرقی پاکستان میں اس کتاب کے اٹھارہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس ڈرامے سے سراج الدولہ کی حب الوطنی ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیش و عشرت میں پلنے والا صرف ایک نواب نہ تھا بلکہ ایک جانباز اور نڈر سپاہی تھا جس نے آزادی کی لڑائی میں اپنے آپ کو مادر وطن پر قربان کر دیا۔ اس ڈرامے سے انگریزوں کی شرمناک چالیں اور نواب کے بعض مصاحبوں خاص طور سے میر جعفر کی غداریوں کا صحیح علم ہوتا ہے۔

قیمت:- ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

پروفیسر محمد مجیب

بابر نامہ

دنیا میں بہت سے مصوّر گزرے ہیں جنھوں نے اپنی تصویر بنائی ہے اور اس طرح اپنی طبیعت کے وہ رنگ دکھائے ہیں، جو ہیں اور کہیں نظر نہیں آتے۔ بابر نامہ میں ہمیں ایک شخصیت کی تصویر ملتی ہے، جو وقفوں کے ساتھ قریب چھتیس برس تک کھنچتی جاتی رہی۔ بابر نامہ کو جس حیثیت سے دیکھئے ایک شاہکار ہے۔ اس کی زبان چغتائی ترکی کا نمونہ ہے، اسے بابر نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس کا خط اتنا خوب صورت تھا کہ وہ خط بابری کے نام سے مشہور ہوا۔ بابر کی طبیعت ایسی نہیں تھی کہ وہ کسی کام کو روز پابندی کے ساتھ کرتا رہتا۔ روزنامچے کے لحاظ سے بابر نامہ مکمل نہیں ہے۔ بابر نے اپنی سوانح عمری ۱۴۹۴ء سے شروع کی ہے، جب وہ بارہ برس کی عمر میں فرغانہ کا بادشاہ ہوا اور غالباً اس کے چند سال بعد سے وہ ایک یادداشت لکھنے لگا، جس کی مدد سے اس نے بعد میں کتاب مرتب کی۔ جو کچھ یادداشت میں نہیں تھا، وہ کتاب میں بھی رہ گیا، لیکن اس سے بابر نامہ کی تاریخی اور ادبی قدر کم نہیں ہوتی، اس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں اور ہر ملک اور ہر مذاق کے لوگ اس کی سادگی، صفائی اور بے تکلفی کی تعریف کرتے ہیں۔

اپنے باپ عمر شیخ مرزا کا خاکہ بابر نے اس طرح کھینچا ہے "ٹھگنا قد، چہرے کا رنگ سرخ، چھوٹی گھنی ڈاڑھی، بدن بھاری، مزاج ذرا چالاک، کپڑے بہت چست پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ بند باندھتے تھے تو پیٹ سکیڑ لیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ باندھنے کے بعد بدن چھوڑ دیتے یا سانس لیتے تو بند ٹوٹ جاتے تھے ..... وہ خاصے پڑھے لکھے تھے، خمسین، مثنوی اور تاریخ کی کتابیں ان کی نظر سے نکلی ہوئی تھیں۔ شاہنامہ کو بہت دیکھا کرتے تھے، اگرچہ موزوں طبیعت تھی، مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے ... وہ سخی بھی بہت تھے اور سخاوت ہی جیسی ان کی بہت سی خصلتیں بھی تھیں، خوش مزاج، فصیح، شیریں کلام اور بہادر آدمی تھے۔ .. تیر انداز اوسط درجے کے تھے، گھونسا زبردست مارتے تھے، یہ کبھی نہ [illegible] لوگ گھونسا کھاتے ہیں اور گھونسا کھانے والا گر نہ پڑے، ملک گیری کے خیال میں بہت دوستوں سے [illegible] کی

اور بہت سے لوگ اُن سے کھٹک گئے تھے۔ شروع میں بہت شراب پیتے تھے، پھر ہفتہ میں دو ایک مرتبہ مے نوشی کا جلسہ ہونے لگا، خوش صحبت آدمی تھے۔ ایسے موقعوں پر مناسب اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں معجون بہت کھانے لگے تھے۔ معجون کھانے کے بعد مزاج چڑچڑا ہو جاتا تھا۔ رحم دل بہت تھے، ہمیشہ چوسر کھیلتے رہتے، کبھی جوا بھی کھیل لیتے تھے۔"

بابر ایسے باپ کا بیٹا تھا۔ باپ کے بارے میں اس نے جس طرح لکھا ہے اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے بارے میں بھی اس نے بے تکلفی سے، گویا بغیر تیاری کے، جیسے کوئی کسی دوست سے بات کرتا ہے، سب کچھ بیان کر دیا ہوگا۔ اس نے اپنے وطن فرغانہ، سمرقند، کابل اور ہندوستان کا جغرافیہ خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے خیال نہیں رکھا ہے کہ ہم انھیں نہ جانتے ہوں گے اور یہ مشکل بھی بہت تھا کہ وہ سینکڑوں آدمیوں اور جھگڑوں کا پورا حال لکھے جن سے اس کو واسطہ پڑا۔ مگر اس کا ہمیں خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایسی دنیا تھی، جس میں نہ آدمی کا بھروسہ تھا نہ بات کا، جس کی تقدیر میں بے چینی لکھی ہوئی تھی، جس میں مرد آدمی وہ تھا جو ہر وقت جان اور مال کو داؤں پر لگائے رکھتا اور بے فکری سے دوستوں کے ساتھ مل بیٹھتا اور شراب پیتا، غفلت اور بیداری، نشہ اور ہوشیاری کی دھوپ چھاؤں کے خوب مزے لیتا۔ بابر پانی پت کی طرف ابراہیم لودھی سے مقابلے کے لئے بڑھ رہا تھا، سب کچھ ہار جیت پر منحصر تھا اور وہ کسی وقت غافل نہیں ہوا۔ لیکن کسی شوق میں کمی نہیں ہوئی۔ وہ ایک ہی سلسلہ میں لکھتا ہے کہ خواجہ کلاں غزنی سے شراب کے کئی اونٹ لایا تھا، اس کا مکان قریب ہی تھا، وہیں محفل جمی۔ پھر اس علاقے کی کھیتی باڑی کا ذکر آتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مقام خوب صورت ہے، اس کے قریب دو مرغزار ہیں، پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں، جہاں آبادی ہے، وہاں مور اور بندر بہت ہیں۔ اس کے بعد جنگ کی کارروائیاں بیان ہوتی ہیں، پھر نظر قدرت کے مناظر کی طرف جاتی ہے، ایک جگہ پسند آئی ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے یہاں ایک چار باغ بنانے کا حکم دیا۔ پھر ایک لڑائی ہوتی ہے، اس کا حال بیان کر کے وہ لکھتا ہے کہ اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی ڈاڑھی منڈائی۔ اس کو آج اٹھارہواں سال ہے اور مجھ کو چھیالیسواں۔ اب وہ سرساوا کے پاس پہنچ گیا تھا۔ یہاں ایک چشمہ تھا، جس میں برابر پانی رہتا تھا۔ اس میں سیر کرنے کے لئے ایک کشتی بنائی گئی، جس میں دالان تھا۔ فضا کا لطف اٹھانے اور ہر طرف نظر دوڑانے کے اصل مقصد پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔ پانی پت کے میدان میں اسے کامیابی ہوئی دہلی پر قبضہ ہوا، اس کے بعد آگرہ پہ۔ مگر اس وقت گرمی بہت بڑھ گئی تھی، آگرہ کے باشندے مغلوں سے ڈر کر بھاگ گئے تھے، اس لئے بابر کے سردار [illegible]

اس کی فوج کو غلہ اور چارہ کی کمی سے بڑی تکلیف پہنچی۔ اچھے اچھے سرداروں اور سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ اس حالت کو دیکھ کر بابر نے سب کو بلایا اور کہا "غور کرو مدتوں کوشش کی محنت اٹھائی، فوجیں لے کر چڑھائیاں کیں، ہم نے اپنی جان کو اور فوجوں کو لڑائی کی آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کئے، یہ وسیع ملک ہاتھ آیا۔ اس وقت کون سی زبردستی ہے اور کیا دباؤ ہے کہ جس ملک کو اتنی جانکاہی سے لیا ہے اس کو یونہی چھوڑ کر چلتے بنیں اور تنگ دستی کی بلائیں سہیں؟ جو میرا دوست ہے وہ بے ہودہ باتیں منھ سے نہ نکالے جس کو ٹھہرنے کی تاب نہ ہو اور جو جانا چاہے بسم اللہ کرے"!

گویا شمالی ہندوستان پر حملہ کر کے وہاں کی حکومت حاصل کرنا کوئی سیاسی پالیسی نہیں تھی، بس کچھ دوست تھے جو خوشی اور رنج میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہتے تھے اور لڑائیاں صرف اس وجہ سے لڑتے تھے کہ اس کے سوا زندگی گزارنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ تھوڑے دنوں میں حالات اور بدلے، بابر کی بارہ تیرہ ہزار فوج کچھ اور کم ہو گئی۔ ایک طرف رانا سنگرام مقابلے کے لئے تیار ہوا، دوسری طرف پٹھان سرداروں نے جگہ جگہ مخالفت شروع کی محمد شریف، فوج کے نجومی نے پیشین گوئی کی کہ اس وقت جو لڑے گا وہ نقصان اٹھائے گا مکھانوا کی لڑائی سے پہلے معاملہ اتنا نازک ہو گیا تھا کہ بابر کو اپنے گناہ سب یاد آ گئے۔ اس نے شراب ساری پھنکوا دی، سونے چاندی کے پیالے اور صراحیاں خانقاہوں میں اور غریبوں میں تقسیم کرا دیں، شیشے کے برتن سب توڑ ڈالے بابر کے ساتھ اس کے تین سو کے قریب سرداروں نے اس کی طرح توبہ کی۔ جب لڑائی ہونے والی تھی تو بابر نے اپنے سرداروں اور سپاہیوں کو جمع کر کے کہا کہ "جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا، جو دنیا میں آیا ہے، وہ یہاں سے جائے گا بھی .... اب سب کو حلف اٹھانا چاہئے تاکہ کوئی اس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منھ نہ پھیرے"! یہ پہلا اور آخری موقع تھا جب لڑائی کو ایک مذہبی حیثیت دی گئی ورنہ اسے ایسا کام سمجھا گیا جسے مرد آدمی کرتے ہیں اور مرد آدمی ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

بابر کی نظر ہندوستان کی ایک ایک چیز پر پڑتی۔ پہاڑوں، میدانوں، دریاؤں اور چشموں پر، درختوں، پودوں اور پھولوں پر، جانوروں اور پرندوں پر، اس نے ہر چیز کا مقابلہ اپنے وطن کی چیزوں سے کیا اور آخر میں جو رائے قائم کی وہ ہندوستان کے حق میں نہیں تھی، مگر یہ رائے ایک آزاد شخص کی تھی جو اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا تھا اور جو کچھ پسند ہوتا اس سے واقعی لطف اٹھا سکتا تھا۔ اس نے اپنے کسی عیب اور کسی غلطی کو چھپایا ہوتا تو ہم کہتے کہ اسے ہندوستان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن وہ مرد تھا، قدر شناس تھا، بے تکلف تھا، اس نے جس آئینے میں اپنی صورت دیکھی اس میں سب کو ان کی صورت دکھائی۔		(شکریہ رسالہ جامعہ دہلی)

جگن ناتھ آزاد

غزل

اب دور ترے فہم سے ہے میری کہانی
ہر لفظ نے تبدیل کئے اپنے معانی

افکار سے انساں کو بقا بھی ہے فنا بھی
فانی ہیں جو افکار ترے تو بھی ہے فانی

تا حدِ نظر اب ہے اندھیرا ہی اندھیرا
یہ ذوق ہے مٹتی ہوئی دنیا کی نشانی

اے ارض جہاں کس کی ضرورت ہے تجھے اب
آنسو کا یہ پانی ہے یہ تلوار کا پانی

بہبودِ بشر کے یہ اگر کام نہ آئی
کس کام کی اے ذوقِ سخن تیری جوانی

اے شاعرِ امروز کر انساں سے تخاطب
افلاک پہ اب فاش نہ کر رازِ نہانی

جس نظم میں موجود نہ فردا کی تڑپ ہو
وہ نظم ہے آزاد فقط مرثیہ خوانی

یہ غزل آزاد صاحب کے مجموعۂ کلام "بیکراں" کے نئے ایڈیشن سے لی گئی۔
قیمت چار روپے

ساگر سرحدی

کتابوں کے دوست

میرے اصرار کے باوجود دشنو الگ تھلگ پچھلی نشست پر بیٹھا رہتا۔ کلاس میں طلبا بہت کم تھے، وہ میرے گرد ہالہ بنا لیتے اور میں اپنی کمزور سی آواز میں انھیں تاریخ پڑھایا کرتا۔ بعض اوقات میں تاریخوں میں گڑبڑ کر دیتا۔ اکثر اوقات تاریخ بھول ہی جاتا۔ ایسے موقعوں پر دشنو میری مدد کو آتا۔ وہ کبھی کتابیں ساتھ نہ لاتا تھا۔ صرف ایک کاپی لاتا۔ جو اس کے کسی کام نہ آتی تھی۔ اپنی مخصوص نشست پر گردن جھکائے بیٹھا رہتا۔ خاموش، متین صورت — اس کے طرزِ عمل میں کہیں بھی دکھاوٹ یا اوچھا پن نہیں تھا۔ بڑی عاجزی سے بولتا، بلکہ لگتا کہ وہ دبا ہوا ہے۔ گھبرایا ہوا ہے۔

ہمارے ایکٹنگ پرنسپل شری سندرجی تشریف نہ لائے تھے۔ سنا تھا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔ سندرجی بڑے ہی ملنسار آدمی تھے۔ اپنی سندھی زبان سے اس قدر لگاؤ تھا کہ کوئی زبان بولتے اپنی زبان کا رنگ نمایاں رکھتے، عجیب مٹکے جیسی صورت تھی۔ ان کی تعلیم سے متعلق آج تک کوئی اندازہ نہ لگا سکا تھا۔ کچھ تو یہاں تک کہنے کی جرأت کرتے کہ وہ صرف میٹرک پاس ہیں وہ بھی تھرڈ کلاس! انھوں نے یہ کمرشل اسکول 'CONTRACT' پر شری مورکھانی سے لیا تھا، اور ایکٹنگ پرنسپل بن گئے تھے۔ اسکول کے پرنسپل اب بھی مورکھانی تھے۔ انھیں بھی سندھی زبان سے بڑی رغبت تھی، اس لئے اور کوئی زبان نہ جانتے تھے۔ وہ ٹھیک ڈیڑھ بجے اپنی فورڈ میں تشریف لاتے، چھ سات دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے اور پھر واپس تشریف لے جاتے۔ پڑھنے پڑھانے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ سندرجی اسکول سے آٹھ سو روپئے کما لیتے اور مورکھانی جی کو ڈیڑھ سو روپئے پرنسپل کے ملتے۔

تیسرے روز پتہ چلا کہ سندرجی کی طبیعت ضرورت سے زیادہ خراب ہے اور انھیں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ میں نے سن کر اظہارِ تاسف کیا — دعا کی ان کی آتما

کوشانتی ملے۔ پھر پوچھا:

"انھیں تکلیف کیا ہے؟"

"ارے یہ سمجھو کہ قسمت اچھا ہے، پتہ چل گیا ہے۔" مورکھانی بولے۔ اس وقت پونے دو بجے تھے اور وہ اپنے چھ سات دیوی دیوتاؤں کی پوجا کر چکے تھے۔

"کس کا پتہ چل گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ارے اس کو پلورسی ہے نا۔ تھوڑا دن اور رہتا تو ٹی بی ہوجاتا ۔ ڈاکٹر ہم سے بولا کہ یہ کسی دوسرے آدمی سے لگا ہے ۔"

پھر وہ بڑے زوردار لہجے میں بولے:

"تمھاری کلاس میں دشنو نام کا کوئی لڑکا ہے نا؟"

"ہاں۔"

"سالا ہم کو شک ہے۔ سالا ایک دم ٹی بی کا مریض لگتا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

"سالا ہم نے گھاس کاٹا ہے کیا۔ ارے ماسٹر صاحب دنیا دیکھا ہے۔"

ہمارے ساتھ ہی ہندی کے ماسٹر بھی تھے جو شاعری بھی فرماتے تھے۔ کسی طرح دو کتابوں کے مصنف بن بیٹھے تھے۔ ٹی بی کا نام سن کر وہ بدک پڑے اور بڑے زور سے "ہائیں" کہہ اٹھے۔

دشنو کو دفتر میں بلایا گیا۔ پہلے سوال شاعر نے کیا،

"تم نے ہم سے نہیں کہا کہ تمھیں ٹی بی ہے؟"

"لیکن سر، مجھے ٹی بی نہیں ہے۔"

"ہمیں پتہ چلا ہے ۔ کیا تمھارے پاس کوئی ثبوت ہے۔"

"ثبوت؟"

"ہاں ثبوت۔ کیا تم نے کسی ڈاکٹر کو دکھایا ہے؟"

"جی ہاں ۔ ڈاکٹر کہتے تھے جسم میں صرف خون کم ہے۔"

"کب دکھایا تھا؟"

"کافی عرصہ پہلے۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمھیں ٹی بی ہو گئی ہو۔؟"

"ہو سکتا ہے سر، لیکن ـــ"

"لیکن یہ کہ تم نے نہایت بے پروائی برتی ہے۔ ہم تو کہیں گے تم سماج کے دشمن ہو۔ تم اسکول میں پڑھتے ہو جہاں لڑکے لڑکیاں ساتھ پڑھتے ہیں۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ دو چار دو یار تمھیوں نے تم سے یہ جراثیم لے لئے ہوں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں جو یہاں بیٹھا ہوں، اسی موذی مرض کا شکار ہو چکا ہوں؟ اور صرف تمھاری وجہ سے ـــ"

وشنو خاموش رہا، پھر مور کھانی بولے ـــ

"سدرجی کو بھی بیاری لگا ہے۔ تم کلاس میں نہیں بیٹھ سکتا۔ جب تک تم ڈاکٹری رپورٹ نہ لاؤ۔"

وشنو نے ایک نظر مجھے دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح گردن جھکائے، ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ خاموشی نے جیسے اس کے ہونٹ سی دئے تھے۔

"وشنو تمھیں یقین ہے کہ تمھیں بیماری نہیں" میں نے پوچھا۔

"ہاں سر۔"

"تو تم کسی اسپتال میں چلے جاؤ۔ ایک دن ضائع ہو گا تمھیں رپورٹ مل جائے گی۔"

وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ اپنی کاپی بستہ بھی وہ اندر نہیں گیا۔

شاعر مجھ سے آنکھ مارتے ہوئے بولے:

"سالا رپورٹ لائے گا تو بھی ہم داخل نہیں کریں گے۔"

کئی دن گزر گئے۔ لیکن وشنو رپورٹ لے کر نہیں لوٹا۔ میں نے طے کر لیا کلاس میں ایک ہی ذہین لڑکا ہے جو چلا گیا تھا۔ اس کی مخصوص نشست ہمیشہ خالی رہتی۔ طلبا میرے گرد دائرہ بنا کر تاریخ کے سانحے سنتے رہتے۔ میں نے تاریخوں کا ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

ایک دن میں آفس میں اکیلا بیٹھا تھا کہ وشنو داس نے جھک کر مجھے پرنام کیا میں نے اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا تو بولا،

"آپ تو ہمارے گرو ہیں۔ میں آپ کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتا ہوں!"

میں نے زبردستی اس کا بازو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"یہ بالوں کا کیا بنا لیا ہے؟"

"کیا کہیں سر جی۔ شیو بنانے گیا تو اس نے پوچھا، مالش بھی کر دوں؟ میں نے کہا کر دو ـــ

اپنے ملک کا بیٹا تھا!" اور وہ مسکرانے لگا۔
اس کے بالوں میں کثرت سے تیل لگا تھا۔ حجام نے بالوں کو بنانے میں کافی استادی دکھائی تھی۔ وشنو مسخرہ لگتا تھا۔ لیکن اس کی سادگی اور بے نیازی دیکھ کر مجھے شرمندگی محسوس ہونے لگی کہ میں نے کیسا اوچھا سوال کر دیا ہے۔

"تم رپورٹ لے کر نہیں آئے؟"

"نہیں سرجی"

"کیوں"

"گھر پر ہی پڑھ لیتا ہوں۔ فیس کی بھی بچت ہو جاتی ہے"

اس کا جواب میرے پاس نہ تھا

"ایک کارن سے آیا ہوں"

"کہو"

"آپ میری انگریزی میں ذرا مدد کر دیا کریں"

"وشنو تم جب چاہو۔ بلا جھجک میرے پاس آجایا کرو"

"کیا کہوں سرجی۔ پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ آتا ہیں بہت اندھکار ہے۔ کتابوں سے تھوڑا بہت دور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ اس خاطر ٹیوشن پڑھاتا ہوں۔ اگر آپ جیسے ودوان میری سہاتا کریں تو اوشیہ ہی میں کچھ کر پاؤں گا۔"

میں اس کی حلیمی اس کا شوق دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ میں ہمیشہ اس کی مدد کرنے کے لئے تیار رہوں، لیکن وشنو اس دن کے بعد میرے پاس نہ آیا۔ اس نے گیان کی بھکشا مانگی تھی۔ اس کے شوق نے کئی بار اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں مشعل جلائی تھی لیکن مجبوری اس کے آڑے آئی ــــ اور رفتہ رفتہ، میں ذہین طالب علم کو بھول گیا۔

سندر جی کو میں اکثر اسپتال میں دیکھنے جاتا تھا۔ انھوں نے پرائیوٹ اسپتال میں ایک کمرہ لے رکھا تھا۔ ہر وقت دو چار عزیز اُن کی دیکھ بھال میں لگے رہتے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر روزانہ انھیں دو انجکشن دیتا تھا۔ اس کے علاوہ پونے پانچ روپے کی دوا روزانہ انھیں کھانی پڑتی تھی۔ کھانے کے لئے صرف پھل ڈاکٹر نے بتائے تھے۔ اور یہ سلسلہ کم از کم ایک مہینہ جاری رہے گا۔

میں جب بھی جاتا سندر جی پھل کھا رہے ہوتے۔ ان کے پاس میز پر درجنوں کیلے، موسمیاں، انگور، سنترے، چیکو اور دیگر پھلوں کا ڈھیر پڑا رہتا۔ کوئی عزیز اور رشتے دار ان سے ملنے آتا تو پھلوں کا بھرا ہوا تھیلا لاتا۔

سندر جی ۲۲ دنوں میں ہی گھر لوٹ آئے۔

ڈاکٹر نے اُن سے کہا کہ وہ ایک مہینہ آرام کریں۔ لیکن سندر جی دواؤں کے زور سے، پھلوں کے زور سے، دس دنوں کے بعد ہی اسکول آگئے اور اسی طرح پڑھانے میں مصروف ہوگئے۔

اس وقت میں اور سندر جی آفس میں بیٹھے تھے۔ وشنو ڈاکٹری رپورٹ لے کر داخل ہوا۔ وہ اسی طرح خاموش، ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے مجھے اور سندر جی کو پرنام کیا۔ اس کا چہرہ اسی طرح زرد تھا۔ سندر جی نے اُسے بڑے غور سے دیکھا۔

"تو تمھیں ٹی بی نہیں؟"

"رپورٹ دیکھ لیجئے۔" اس نے جواب دیا۔

مجھے شک تھا کہ وہ وشنو کو داخل نہیں کریں گے لیکن نقد فیس چھوڑ دینا ان کی عادت نہ تھی۔ ویسے بھی بیماری میں وہ کافی روپیہ خرچ کر چکے تھے۔ انھوں نے پندرہ روپے ماہانہ فیس کے طلب کئے۔

"لیکن سر جی میں ہمیشہ دس روپئے دیتا ہوں۔"

"اب پندرہ ہوں گے۔" سندر جی جھلائے۔

وشنو نے میری طرف دیکھا۔ اس کی مجبوری سمٹ کر آنکھوں میں درد بن گئی تھی۔ میں نے بڑی انکساری سے کہا:-

"دس لے لیجئے۔"

"نہیں ماسٹر صاحب یہ سب بہانے ہیں۔"

وشنو نے پھر میری طرف دیکھا۔ لیکن میں سندر جی کا توڑ جانتا تھا، اُن کی عادت بھی جانتا تھا۔ میں نے کہہ دیا:

"پانچ میری تنخواہ سے کاٹ لیا کیجئے۔"

سندر جی نے چیرتی ہوئی نظروں سے مجھے تاکا، اور وشنو کی ڈاکٹری رپورٹ میز پر پھینک دی۔

"جاؤ اندر بیٹھو" وہ چیخے۔

اس دن مجھے ہندوستان کی پرانی تہذیب کے بارے میں بتانا تھا، اس دن میرا بہت من لگا۔ میں بڑی دل چسپی سے پڑھا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کم از کم ایک طالب علم میری باتوں کو سمجھ رہا ہے۔

جب میں سیڑھیوں سے اتر کر نیچے سڑک پر آگیا تو دیکھا دشنو میرے ساتھ ہی چل رہا ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ کافی دیر خاموش نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ ہم دونوں پر گل مہر کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور اس کے سرخ پھول اوس کے قطروں کی طرح ہم دونوں پر گر رہے تھے۔

"کچھ کہنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہ رپورٹ جھوٹی ہے۔ میں نے دو روپے دے کر لی ہے۔ ماسٹر صاحب مجھے ٹی بی ہے۔ نہ میں دوا خرید سکتا ہوں، اور نہ پھول، اور میں من کا اندھکار دور کرنا چاہتا ہوں۔"

سرخ سرخ پھول گر رہے تھے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا، اور محسوس کر رہا تھا کہ آنسو شاید میری آنکھوں میں مچل رہے ہیں۔

(بشکریہ "افکار" کراچی)

شعرائے کہنہ

ولیؔ

نام ولی محمد۔ مولد اورنگ آباد (دکن) مدفن احمد آباد (گجرات) تذکروں میں سال ولادت ۱۶۶۷ء اور ۱۶۶۸ء درج ہے مگر بقول نورالحسن ہاشمی "تاریخ ولادت کی تحقیق نہیں ہوئی ہے" ۱۷۰۷ء میں وفات پائی تعلیم احمد آباد میں حاصل کی، اپنے زمانے کے دینی اور دنیوی دونوں علوم سے واقف تھے ۱۷۱۹ء میں ان کا دیوان دہلی پہنچا عوام اور خواص دونوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسی وقت سے صحیح معنوں میں دہلی اور شمالی ہندوستان کے دوسرے مقامات پر اردو میں شعر اور خاص کر غزل گوئی کا رواج ہوا۔ کلام میں دکنی الفاظ کی کثرت کے باوجود شعروں میں لطف، ترنم اور اثر میں کوئی کمی یا دقت نہیں محسوس ہوتی ہے، بہت سے شعر تو بالکل آج کل کی زبان میں مل جاتے ہیں

سب سے پہلے گارساں دتاسی نے ۱۸۳۳ء میں پیرس سے ان کا کلیات شائع کیا اس کے بعد بمبئی، پونا اور لکھنؤ سے مختلف اڈیشن چھپتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا احسن مارہروی مرحوم اور پھر ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے بڑے اہتمام اور صحت کے ساتھ کلیات کو مرتب کیا اور ۱۹۴۵ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کی طرف سے شائع ہوا

انتخاب

شغل بہتر ہے عشق بازی کا — کیا حقیقی و کیا مجازی کا
آج تیری بھواں نے مسجد میں — ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا
اے ولیؔ سرو قد کو دیکھوں گا — وقت آیا ہے سرفرازی کا

پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا — شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

مدت ستی مشتاق ہیں عشاق جفا کے — بے داد کہ وہ ظالم بے داد نہ آیا
پہنچی ہے ہر اک گوش میں فریاد ولی کی — لیکن وہ صنم سُننے کو فریاد نہ آیا

فدائے دلبرِ رنگیں ادا ہوں — شہیدِ شاہد گل گوں قبا ہوں
ہر اک مہ رو کے ملنے کا نہیں ذوق — سخن کے آشنا کا آشنا ہوں
کیا ہوں ترکِ نرگس کا تماشا — طلب گارِ نگاہِ باحیا ہوں

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں — خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ
مرے دل کو کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں — کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ
ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

کسی کی بات سنتا نئیں کسی پر رحم کرتا نئیں
ہٹیلا ہے ستم گر ہے جفا جو ہے شرابی ہے
گیا ہے جب سوں وہ گل رو چمن میں مے کشی کرنے
ہر اک گل صورتِ ساغر، ہر اک غنچہ گلابی ہے
گلی میں اس ستم گر کی نہ جا اے دل نہ جا اے دل
کہ جانبازی میں آفت ہے، قیامت ہے، خرابی ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے — مرد کا اعتبار کھوتی ہے
کیوں کہ حاصل ہو مجھ کو جمعیت — زلف تیری قرار کھوتی ہے
ہر سحر شوخ کی نگہ کی شراب — مجھ انکھیاں کا خمار کھوتی ہے

عشقِ بے تاب جاں گدازی ہے — حسنِ مشتاقِ دل نوازی ہے
اشکِ خونیں سوں جو کیا ہے وضو — مذہبِ عشق میں نمازی ہے
اے ولی عیشِ ظاہری کا سبب — جلوۂ شاہدِ مجازی ہے

نئی مطبوعات

"نئی مطبوعات" اور "زیر طبع کتابیں" کے عنوانات کے تحت معلومات شائع کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ناشرین ہمیں اپنے صحیح اشاعتی منصوبوں سے آگاہ فرمائیں

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
شہر سخن (تنقید)	ملک زادہ منظور احمد	قیمت -/۴	ملک زادہ پبلیکیشنز۔ ۲۹ سیتارام، اعظم گڑھ
اردو مثنویاں (،،)	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	،،	ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
اردو تعلیم کے لسانیاتی پہلو	،،	،،	آزاد کتاب گھر دہلی ۶
میری یادوں کے چنار (ناول)	کرشن چندر	،، ۵/۵۰	ایشیا پبلشرز دہلی
سورج، ریت اور گناہ (،،)	مہندر ناتھ	،، -/۶	،، ،،
نیرنگ نظر (انتخاب تنقیدی مقالات)	ابن فرید	،، -/۶	کتاب گھر علی گڑھ
بچے کی تربیت (خواتین کے لئے)	،،	،، ۲/۰	مکتبہ الحسنات رام پور
گھریلو جھگڑے (،،)	،،	،، ۱/۷۵	،، ،،
ہم کیسے رہیں (،،) دو حصے	،،	،، ۳/۲۵	،، ،،
چھوٹی بہو (ناولٹ)	،،	،، -/۶۰	،، ،،
ہمایوں (ناول)	محمد سعید	،، -/۸	مقبول اکیڈمی لاہور
اسلامی نظمیں (نیا ایڈیشن)	محمد شفیع الدین نیر	،، ۶۵/-	نیر کتاب گھر، جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
گنگلے کی دوڑ (چھوٹے بچوں کے لئے)	،، ،،	،، ۱۹/-	،، ،، ،،
ڈھول کا بول (،، ،، ،،)	،، ،،	،، ۱۹/-	،، ،، ،،
میں گھر جاؤں تو کیسے (،، ،،)	،، ،،	،، ۲۵/-	،، ،، ،،
مکھن کا ڈبہ (،، ،، ،،)	،، ،،	،، ۲۵/-	،، ،، ،،
اجالے (دوسرا ایڈیشن)	احمد عظیم آبادی	،، -/۳	آزاد کتاب گھر۔ ساکچی بازار جمشید پور ۱
اجالوں کے گیت (نظم)	سید حرمت الاکرام	،، -/۱	حلقہ تحریک ادب ۱۲ ایلین ہسپتال روڈ کلکتہ ۱۶

زیر طبع کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
شبلی چوں بخلوت می رود	ابن فرید		مکتبہ نزہت، دیانند روڈ۔ لاہور
نگینے (خواتین اسلام کے واقعات)	〃		دانش کدہ، علی گڑھ
شخصیات ادب کے پردۂ زنگاری میں (مجموعۂ مقالات)	〃		〃 〃
اردو ادب میں نفسیات (تاریخ و تحقیق)	〃		〃 〃
یہ جہاں اور ہے (افسانے)	〃		〃 〃
بچوں کا کھلونا (بچوں کے لئے نظمیں)	محمد شفیع الدین نیر		نیر کتاب گھر۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
دلنی نظمیں (〃 〃)	〃 〃		〃 〃 〃
منی کے گیت (بچوں کے لئے نظمیں)	〃 〃		〃 〃 〃
منی کا تحفہ (〃 〃)	〃 〃		〃 〃 〃
آواز (ریڈیائی نشریات کا مجموعہ)	احمد عظیم آبادی	۳/-	آزاد کتاب گھر۔ ساکچی بازار جمشید پور ۱
موسم گل (شعری مجموعہ)	پروفیسر محمد قمر الدین	۲/-	〃 〃 〃
سلسلے چراغوں کے (〃)	شعیب احمد شعیب	۳/۵۰	〃 〃 〃
کہاسے اور کلیسا (ناول)	ش اختر	۳/۷۵	〃 〃 〃
برف کا گھر (جغرافیہ)	محمد حسین حسان		ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی
سو سوال اور ان کے جواب (〃)	محمد امین		〃 〃 〃
برف کے تیرتے پہاڑ (〃)	مجیب احمد خاں		〃 〃 〃

پریم چند (جائزہ)

ہنس راج رہبر

اردو ہندی افسانوی ادب میں حقیقت نگاری کا سہرا صرف پریم چند کے سر ہے۔ انھوں نے عمر بھر حقیقت نگاری کو اپنا فرض اولین سمجھا اور انتہائی خلوص کے ساتھ اسے پورا کرتے رہے۔

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

پوسٹ مارٹم رپورٹ

معنف: تخلص بھوپالی
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد صفحات ۱۸۴
قیمت: دو روپے ۵۰ نئے پیسے
ناشر: قصرادب پبلیکیشنز۔ بھوپال

اِس کتاب میں بائیس حضرات کی پوسٹ مارٹم رپورٹ پیش کی گئی ہے۔ یہ رپورٹ تخلص بھوپالی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے اور پوسٹ مارٹم بھی خود انھوں نے فرمایا ہے۔ ان کا ہدف، موجودہ زمانے میں بساطِ بھوپال پر ابھرنے والی شخصیتیں ہیں، کچھ معروف کچھ غیر معروف، سوائے کنہیا لال کپور کے جنھیں پیر و مرشد بنا کر تبرکاً شامل کر لیا گیا ہے۔ تخلص کو بھوپال اور اہلِ بھوپال سے عشق ہے۔ انھوں نے اپنے طنز میں پاس خاطر کا بڑا لحاظ رکھا ہے۔ اور مجموعی طور پر ہر ایک شخصیت کے محاسن کا پلّہ بھاری ہی رہتا ہے۔ اس لئے ان کے طنز کی نشتریت، خلوص کے مرہم میں کسی قدر دب کر رہ گئی ہے۔

عبداللہ خاں تخلص بھوپالی، 'بھوپال پنچ' کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ اور ان کے یہ طنزیہ اور مزاحیہ خاکے "پوسٹ مارٹم" کے زیرِ عنوان پچھلے دو سال میں "بھوپال پنچ" کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ کتابت اور طباعت صاف ستھری ہے۔ ہر ایک خاکے کے آغاز پر اُسی خاکے کے چند ایسے جملے درج کر دئے گئے ہیں جن سے نفسِ مضمون کی نشان دہی ہوتی ہے۔

تخلص بھوپالی نے اپنے سات سطری بقلم خود 'مقدمے' میں فرمایا ہے کہ "یہ کتاب عام انسانوں کے لئے طویل سفر کے دوران وقت گزاری کا ذریعہ ہے۔" لیکن یہ صرف 'طنزیہ چاشنی' ہے۔ دراصل انھوں نے مقامی ہستیوں کو فرضِ کفایہ کے مصداق پیش کر کے عام سماجی خامیوں اور سیاسی کوتاہیوں کو منظرِ عام پر لانے کی نیت رکھی ہے۔ اُن کی زبان چٹ پٹی، چٹخارے دار اور چلتی پھرتی ہے۔ لیکن وہ طبیعت کے شریف نادرے ہیں اور ان سب کی طرف سے دل میں محبت اور نگاہوں میں مروت لئے ہوئے ہیں جن کا پوسٹ مارٹم انھوں نے کیا ہے۔

یہ کتاب اہلِ بھوپال کی بے تکلف محفلوں کے لئے گفتگو کے متعدد دلچسپ موضوع فراہم کرتی ہے اور دوسرے "عام انسانوں" کے لئے بھی سامانِ لطف رکھتی ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

★

ماہنامہ بزمِ ہند، آسنسول
ہند و پاک نمبر

ایڈیٹر: بلیغ آسنسولوی
صفحات ۱۶۴۔ سائز ۲۰×۳۰/۸
قیمت: ہند و پاک نمبر ڈیڑھ روپیہ
زرِ سالانہ: پانچ روپئے
پتا: ریل پار، ستلا ڈانگہ۔ آسنسول

یہ ماہنامہ اواخر ۱۹۶۰ء سے نکلنا شروع ہوا ہے اور ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہوتا کہ اتنی مختصر مدت میں رسالہ نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ یہ ترقی ہماری اس توقع کے عین مطابق ہے جو کتاب نما میں تبصرہ کرتے وقت ہم نے دسمبر ۱۹۶۰ء میں قائم کی تھی۔

ہند و پاک نمبر کی تُک ہماری سمجھ میں نہ آسکی اور نہ لائق مدیر کا "طرزِ عمل" اس باب میں کوئی رہنمائی کر سکا۔ اس وقت جتنے بھی ادبی رسائل دونوں ملکوں سے نکل رہے ہیں ان میں ہر دو ممالک کے ادیبوں اور شاعروں کے رشحاتِ قلم شائع ہوتے رہتے ہیں اور اس اعتبار سے ہر پرچہ ہند و پاک نمبر کہلا سکتا ہے۔ اس خاص نمبر کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ دونوں ممالک کے ادب کا جائزہ لیا جاتا تاکہ پڑھنے والے کی معلومات میں ایک اچھا اضافہ ہوتا۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے کہ یہ صرف ایک خاص نمبر ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ پرچہ اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث پڑھنے کی چیز ہے۔ یہ چیز ادبی دنیا کے لئے فالِ نیک ہے کہ جناب بلیغ نئے نئے لکھنے والوں کو متعارف کراتے رہتے ہیں اور اس اصول کے پابند نہیں ہیں کہ ادب کی دنیا کو چند "چوٹی کے" "نامور ادیبوں" کی میراث سمجھ لیں اور صرف انھیں کے نام اور شہرت پر رسالہ کی شہرت کو برقرار رکھیں۔

ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ لائق مدیر اپنی اس روش پر قائم رہیں گے۔

ولی شاہجہاں پوری

★

سیاہ تاج محل

از: موہن یاور
صفحات: ۱۵۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد
قیمت: تین روپے
ناشر: سندیش پبلیکیشنز، ریزی ڈنسی روڈ
جموں

اِس مجموعے میں 'سیاہ تاج محل' اور دوسرے گیارہ افسانے شامل ہیں۔ اِن افسانوں کے خالق موہن یاور صاحب اب سے ۳۵ سال قبل جموں میں پیدا ہوئے۔ اب تک ان کے افسانوں کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا افسانہ 'سیاہ تاج محل' دو ڈاکوؤں کی اتفاقیہ ملاقات پر مبنی ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ چوری کرتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے لیکن جب نقاب ہٹتی ہے اور اصل چہرے سامنے آتے ہیں تو ایک مرد ہے اور دوسرا عورت۔ نگاہوں کے ساتھ دل بھی مل جاتے ہیں لیکن پھر ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع نصیب نہیں ہوتا کبھی ایک جیل میں تو کبھی دوسرا۔ آخری مرتبہ جب ملتے ہیں تو وہ بھی صرف چند لمحوں کے لئے اور جیل میں۔ عورت ڈاکو دو مہینے کی سزا کاٹنے کے لئے آتی ہے اور مرد ڈاکو پھانسی کے تختے کی طرف پہنچایا جا رہا ہے۔ بہ ایں نوع اکثر و بیشتر انھوں نے اپنے افسانوں میں کلیتاً اتفاقات و حادثات کی دنیا بسائی ہے۔ ان کے کردار عموماً رومان کی چادر اوڑھ کر سامنے آئے ہیں لیکن ان کے دل معاشی کشمکش اور طبقاتی اونچ نیچ کے اثرات سے بے نیاز نہیں ہیں۔

موہن یاور صاحب کی زبان اپنے گرد و نواح کا اثر لئے ہوئے ہے۔ مثلاً: دو چار روز تک میں اسے بھی ایک پارٹی دے رہا ہوں ص۲۰۔ دبلی پتلی لڑکی جس نے لٹھے کی شلوار اور سیاہ ریشمی قمیص پہنی ہوئی تھی ص۲۶۔ اس نے اپنی دنیا بسانا تھی ص۱۳۰۔ تاہم ان کے بیان میں جذبے کی شدت اور واقعات کی ندرت موجود ہے۔

طباعت اوسط درجے کی ہے۔ چند الفاظ جیسے موہن (موہن) شائید (شاید) اور فائیدہ (فائدہ) کے علاوہ کتابت کی غلطیاں بہت کم ہیں۔

عبداللہ ولی بخش قادری

کتاب نما

ہماری سائنس

از: وزارت حسین بی ایس سی، ایم، ایڈ
سائز: ۳۰×۲۰/۱۶ غیر مجلد صفحات ۱۵۲
قیمت: دو روپے۔ ناشر: اردو گھر، علی گڑھ

سائنس کے کرشمے

از: وزارت حسین بی، ایس، سی، ایم، ایڈ
سائز: ۳۰×۲۰/۱۶ غیر مجلد صفحات ۱۶۰
قیمت: دو روپے
ناشر: اردو گھر۔ علی گڑھ (یوپی)

"ہماری سائنس" اور "سائنس کے کرشمے" ان دونوں کتابوں کو دیکھنے کے بعد میں کہہ سکتا ہوں کہ ایسی کتابیں خاص طور پر اردو زبان میں کمیاب ہیں۔ یہ کتابیں آٹھویں جماعت تک کے طلبا کے لئے بہت کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ مصنف نے عام فہم زبان میں سائنس کی مختلف چیزوں کو بہت اچھے پیرائے میں سمجھایا ہے۔ خاص طور پر شکلوں کا استعمال بہت مناسب کیا گیا ہے جن کی مدد سے مضمون کے سمجھنے میں طلبا کو بہت آسانی ہو سکتی ہے۔ کتابیں مختصر ہیں لیکن مواد کافی ہے۔ ان کتابوں کے ذریعے بچوں کی جان کاری میں اچھا خاصا اضافہ ہو سکتا ہے۔

محمد یوسف
جامعہ ہائر سکنڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

★

دو تقاریر

مرتبہ: حامد الحسینی بھوجپوری
سائز: ۳۰×۲۰/۱۶ صفحات ۳۲
قیمت: ۳۷ نئے پیسے
پتا: ادارہ زینت المعارف، مدنی منزل نیا بھوجپورہ شاہ آباد (بہار)

یہ کتاب مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کی دو تقریروں کا مجموعہ ہے۔ موصوف دورِ حاضر میں ہندوستان کے ایک بڑے خطیب اور مقرر مانے جاتے ہیں۔ اس مجموعے میں موصوف کی ایک تقریر وہ ہے جو سیرت طیبہ سے متعلق آپ نے بھوجپور میں پڑھی تھی، اور دوسری تقریر اسلام اور کمیونزم و سوشلزم سے متعلق ہے۔ یہ تقریریں دلچسپ ہونے کے علاوہ قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہیں جن سے ایک طرف علمی بصیرت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف

حب ملی اور عشق رسولؐ کی کسک دل میں پیدا ہوتی ہے۔

شبنم قادری

★

نغماتِ سرمدی

از :

سائز : ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۶

قیمت : ۲۵ نئے پیسے

پتا : ادارہ زینت المعارف، مدنی منزل، نیا بھوجپورہ، شاہ آباد (بہار)

کہنے کو تو یہ کتاب نعت کا مجموعہ ہے، اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں چند نعتیہ غزلیں ملتی ہیں لیکن جہاں تک انتخاب کا تعلق ہے بعض پرانے اور مشہور نعت گو شعراء کا کلام شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ نمونۂ کلام میں بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو نعتیہ کلام سے متعلق نہیں کہے جا سکتے۔ غیر معروف اور نئے شعراء کا کلام شامل کرنے کے بجائے مشہور و معروف پرانے نعت گو شعراء کا کلام شامل کر لیا جاتا تو یہ کتابچہ یقیناً زیادہ مفید ہوتا۔

بہرحال ادارے کی یہ کوشش قابل تعریف ہے کہ اس نے سرکارِ دوعالمؐ کی شان میں نعتوں کا یہ مجموعہ شائع کیا۔

شبنم قادری

★

خیر الحیات

مولفہ : عبدالرشید بھوجپوری

سائز : ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۶

قیمت : ۷۵ نئے پیسے

ناشر : شعبۂ تنظیم و ترقی، جامعہ اشرفیہ، نیا بھوجپورہ، شاہ آباد (بہار)

اس کتاب میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حالات و واقعات کا بیان ہے۔ حیاتِ طیبہ کے بعد اسلام کے ضروری ارکان کو آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ عقیدت و محبت سے لبریز ہے اس لئے اس کے پڑھنے سے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

شبنم قادری

★

اسلامی نظمیں

از: شفیع الدین نیرؔ ایم۔اے

سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۶۴

قیمت: ۶۵ نئے پیسے

ناشر: نیرؔ کتاب گھر، جامعہ نگر، نئی دہلی

بچوں کے جانے پہچانے اور دل پسند ادیب وشاعر جناب شفیع الدین صاحب نیرؔ کی مشہور کتاب "اسلامی نظمیں" کا پانچواں ایڈیشن اس وقت زیرِ نظر ہے۔ سیدھی سادی زبان، عام فہم ودل نشیں اندازِ بیان، سیدھے سادے خیالات، سچی باتیں اور مترنم بحریں، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی نظمیں نہ صرف بچوں میں کافی مقبول ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نوجوان اور بڑے بوڑھے بھی انھیں پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فرماتے ہیں:

"بہت خوب مجموعہ ہے ... خدا کرے مسلمان بچے اور بچیاں بڑی سی بڑی تعداد میں ان نظموں کو پڑھیں۔ مجھے یقین ہے کہ اسلامی تعلیمات کو ان کے دل میں بٹھانے کے لئے یہ بڑی کام آئیں گی۔"

(مدیر)

محرابِ غزل

روشؔن صدیقی

غزل کے خلاف کوئی کچھ کہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غزل ہماری محبوب ترین صنفِ شاعری ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ روشؔن صدیقی موجودہ غزل گو شعرا کی صفِ اول میں ہیں۔

'محرابِ غزل' روشؔن کی غزلیات کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب اردو غزل میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اور اس کے دیکھنے کے بعد ہی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غزل کے امکانات کتنے گہرے اور وسیع ہیں۔

قیمت: تین روپئے

اردو کے رسائل

نومبر ۱۹۶۱ء میں ہم نے کتاب نما کے قارئین سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ہمیں ماہانہ رسائل کی فہرست جو ان کے علم میں ہو بھیج دیں تاکہ اپنے بعض خریداروں کی یہ فرمائش پوری کی جا سکے۔ اس سلسلہ میں صرف دو اصحاب یعنی جمیل قریشی صاحب (کوٹہ) اور محمد رکن الدین صاحب (حیدرآباد) نے ہمیں نوازا ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ذیل میں ایسے ماہناموں کی فہرست شایع کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ جن صاحب کے علم میں رسائل نکلتے ہوں وہ ہمیں لکھ دیں کہ ہندوستان سے نکلنے والے اردو رسائل کی زیادہ سے زیادہ مکمل فہرست تیار ہو سکے۔ (مدیر)

فہرست رسائل جو ہندوستان سے شائع ہو رہے ہیں

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	سالانہ قیمت	مقام اشاعت
۱	ادیب	علمی و ادبی	۵/۵۰	علی گڈھ
۲	اردو سرتیا	ادبی سماجی	۷/۵۰	نئی دہلی
۳	آندھرا پردیش	علمی و ادبی	-/۳	حیدرآباد (اے۔پی)
۴	اودھ پنچ	طنزیہ و مزاحیہ	-/۶	لکھنؤ
۵	اشارہ	ادبی	-/۶	پٹنہ ۴
۶	آستانہ	مذہبی	-/۵	دہلی ۶
۷	ارشاد	ادبی	-/۵	حیدرآباد ۲ (اے۔پی)
۸	بارگاہ	مذہبی	-/۵	اجمیر (راجستھان)
۹	بیسویں صدی	ادبی	-/۸	دہلی ۶
۱۰	بزم ہند	ادبی	-/۵	آسنسول (مغربی بنگال)
۱۱	پگڈنڈی	ادبی	-/۶	امرتسر

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	سالانہ قیمت	مقام اشاعت
۱۲	پاسبان	علمی و ادبی	۳/-	چندی گڑھ
۱۳	تعمیر	" "	۵/-	سری نگر (کشمیر)
۱۴	تخلیق	ادبی	۴/-	نئی دہلی
۱۵	جوار بھاٹا	علمی و ادبی	۶/-	دہلی ۶
۱۶	خیال	ادبی	۷/-	کامٹی
۱۷	رہنمائے تعلیم	علمی و ادبی	۵/۵۶	دہلی ۶
۱۸	روحانی عالم	روحانی۔مذہبی	۳/-	مظفر نگر (یوپی)
۱۹	دین دنیا	مذہبی	۴/۲۵	دہلی ۶
۲۰	سب رس	ادبی	۶/-	حیدرآباد (دکن)
۲۱	شمع	علمی و ادبی	۸/-	نئی دہلی
۲۲	شاہکار	ادبی ڈائجسٹ	۱۰/-	الہ آباد ۳
۲۳	شاعر	ادبی و علمی	۷/-	بمبئی ۵
۲۴	شعلہ و شبنم	ادبی	۴/-	دہلی ۶
۲۵	تحریک	"	۴/-	دہلی ۶
۲۶	صبا	"	۱۰/-	حیدرآباد (دکن)
۲۷	فروغ اردو	علمی و ادبی	۲/-	لکھنؤ
۲۸	معارف	" "	۸/-	اعظم گڑھ (یوپی)
۲۹	نگار	" "	۹/-	لکھنؤ
۳۰	نیا دور	" "	۳/-	لکھنؤ
۳۱	ہمدرد صحت	طبی	۴/-	دہلی ۶
۳۲	بانگ سحر		۴/-	حیدرآباد (دکن)
۳۳	درس القرآن	مذہبی	۴/-	حیدرآباد (دکن)
۳۴	[illegible]انی ادب		۸/-	حیدرآباد (دکن)
۳۵	[illegible]		۴/-	حیدرآباد (دکن)

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	قیمت	مقام اشاعت
۳۶	اردو مجلس		۲/-	حیدرآباد (دکن)
۳۷	حالی		۲/-	حیدرآباد (دکن)
۳۸	آجکل	علمی و ادبی	-	دہلی
۳۹	جامعہ	" "		نئی دہلی ۲۵
۴۰	سرپنچ	مزاحیہ		لکھنؤ
۴۱	صبح امید	ادبی		بمبئی
۴۲	برہان	علمی و ادبی		دہلی ۶
۴۳	سوویت لینڈ			نئی دہلی
۴۴	کلیاں (بچوں کے لئے)		۳/-	لکھنؤ
۴۵	کھلونا (" ")			نئی دہلی
۴۶	حریم (عورتوں کے لئے)		۶/۱۲	لکھنؤ
۴	بانو (" ")			نئی دہلی
۴	الحسنات	مذہبی		رام پور
۴	شان ہند	ادبی		دہلی

پاکستانی مطبوعات

فلسفہ ونفسیات

کتاب	مصنف	قیمت
تعارف جدید سیاسی نظریہ	عبدالحئی	۲/۷۵
نظام معاشرہ اور تعلیم	جی۔آر۔عزیز	۴/-
تعارف فلسفہ جدید	خواجہ آشکار حسین	۲/۰
فلسفہ ہند ویونان	دین محمد شفیقی	۳/-
مقدمہ تاریخ سائنس	سید نذیر نیازی	۱۰/-
سائنس سب کے لئے	آغا حسن کامل	۴۰/-
قطبی برفستان	مرتضیٰ احمد سکش	۳/-
جینے کا قرینہ	اندرے مورد ا	۶/-
کیا آپ کاروبار کرتے ہیں	اعجاز حسین	۵/-
آداب زندگی	محمد اقبال سلمان	۲/۰
اپنا راستہ خود بناؤ	فائق کامران	۴/۰
کامیاب زندگی	ہربرٹ کیسن	۲/۵۰
زندگی کا راستہ	یوس۔ٹیس۔جیبر	۶/-
کامیابی کا راستہ	"	۴/۰
علم کے نئے افق	سی۔یم۔جوڈ	۴/۵۰
فرض شناسی	سموئل سمائل	۴/۰
ہم اور نفسیات	عابدی جعفر	۳/۵۰
خود شناسی	"	۳/۵۰
عورت اور جنسیات	"	۶/۷۵
ضبط تولید اور ہمارے بچے	عابدی جعفر	۵/-
جنسی آسودگی	"	۵/۰
ہم اور جنسیات	"	۹/۲۵
نفسیاتی جائزے	"	۷/-
فلسفہ کامرانی	حسین انور	۸/۵۰
عادتیں اور ہم	"	۷/۷۵
تابناک زندگی	"	۵/-
زندگی تابندگی	کمال احمد رضوی	۳/۷۵
خود کو بھی موقع دیجئے	"	۴/۵۰
قابلیت کا مصرف	"	۳/۵۰
مطمئن رہیے	محمد شفیع الدین	۳/۵۰
فلسفہ تعلیم وتربیت	رئیس احمد جعفری	۳/۷۵
تحلیل نفسی	حزب اللہ ایم۔اے	۱۲/-
تعلیمی نفسیات	پروفیسر عبدالحئی علوی	۱۰/-

لغات

کتاب	مصنف	قیمت
نور اللغات اردو مکمل ۴ جلدوں میں	نور الحسن نیر	۸۰/-
فیروز اللغات اردو کلاں		۳۰/-
فیروز اللغات فارسی		۱۶/-
مفتاح اللغات (عربی اردو)		۱۰/-

نفائس اللغات — مرتبہ میر کاشمیری — ۸/۰
چراغ اللغات — ظفر نیازی — ۸/۵۰

ادبیات

مکتوبات سرسید — شیخ اسماعیل پانی پتی — ۱۰/۰
عزیزم کے نام — ڈاکٹر تاثیر — ۲/۲۵
انتخاب مضامین تہذیب الاخلاق — ابوالخیر کشفی — ۲/۵۰
خطبات عبدالحق — ۶/-
تلخیص الاردو (رسالہ اردو کے مضامین) — ۵/۵۰
مضامین محفوظ علی — ۳/۵۰
خطوط غالب مکمل — مولانا غلام رسول مہر — ۱۲/۰
مقدمہ تاریخ ادبیات عرب (سید محمد اولاد علی گیلانی) — ۱۰/۰
جدید شعرائے اردو — ڈاکٹر وحید قریشی — ۲۵/-
دکنی سے اقبال تک — ڈاکٹر سید عبداللہ — ۵/-
تذکرہ شوق — عطاء اللہ پالوی — ۶/۰
میر حسن اور خاندان کے شعراء — محمود فاروقی — ۵/۰
لکھنؤ کا دبستان شاعری — ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی — ۱۳/۵۰
چند ہم عصر — ڈاکٹر عبدالحق — ۶/۵۰
غزل اور متغزلین — ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی — ۵/۰
بیدل — خواجہ عباد اللہ اختر — ۷/۵۰
جلال لکھنوی — ڈاکٹر محمد حسن — ۳/۰
سعادت یار خاں رنگین — ۵/۷۵
اردو ادب کے آٹھ سال — عشرت رحمانی — ۱۸/-
شعرائے اردو کے تذکرے — ڈاکٹر سید عبداللہ — ۳/-
فکر شبلی — محمد امین زبیری — ۲/-

شبلی کی حیات معاشقہ — ڈاکٹر وحید قریشی — ۱/۵۰
شعر اقبال — سید عابد علی عابد — ۷/۵۰
علامہ اقبال — صوفی غلام مصطفیٰ تبسم — ۱/۵۰
مکاتیب اقبال — مرتبہ بزم اقبال — ۱/۷۵
ذکر اقبال — مولانا عبدالمجید سالک — ۵/-
منثورات اقبال — مرتبہ بزم اقبال — ۲/۰
اقبال اور تصوف — پروفیسر محمد فرمان ایم اے — ۲/۵۰
فلسفہ اقبال — مرتبہ بزم اقبال — ۲/۰۰
فکر اقبال — ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم — ۱۰/۰
جہان اقبال — عبدالرحمٰن طارق — ۴/۵۰
معارف اقبال — " — ۳/-
ٹیگور اور اقبال — ڈاکٹر عارف بٹالوی — ۳/-
اقبال اور گوئٹے — محمد اشرف خاں — ۲/-
اقبال کا نظریہ تصوف — بشیر مخفی — ۲/-
رموز اقبال — ڈاکٹر میر ولی الدین — ۲/۲۵
اقبال پیش گوئیاں — ڈاکٹر ہاشمی — ۲/۵۰
عرفان اقبال — صاحبزادہ بشیر مخفی — ۳/-
اشارات اقبال — عبدالرحمٰن طارق — ۳/۵۰
اقبال قرآن کی روشنی میں — قاضی محمد ظریف — ۶/۰
اقبال اور عشق رسول — رئیس احمد جعفری — ۶/۷۵
اقبال اپنے آئینے میں — " — ۴/-
تلمیحات اقبال — سید عابد علی عابد — ۹/-
اقبال ایرانیوں کی نظر میں — ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی — ۸/۷۵
مطالب بانگ درا — مولانا غلام رسول مہر — ۵/-
مطالب بال جبریل — " — ۴/-

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
مطالب ضرب کلیم	مولانا غلام رسول مہر	۳/۰
شرح بانگ درا	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۵/۰
شرح بال جبریل	"	۲/۰
شرح ضرب کلیم	"	۹/۰
شرح ارمغان حجاز	"	۸/۰
شرح اسرار خودی	"	۹/۰
شرح رموز بیخودی	"	۴/-
شرح پیام مشرق	"	۹/۵۰
شرح زبور عجم	"	۹/۵۰
شرح جاوید نامہ	"	۱۰/-
شرح دیوان غالب	"	۸/-
شرح مثنوی پس چہ باید کرد	"	۲/-
مقدمہ شعر و شاعری	مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی	۱۰/۰
" (لائبریری ایڈیشن)	"	۹/۰
جناب (خاکے)	مرتبہ محمد طفیل مدیر نقوش لاہور	۳/۰
انتقاد	سید عابد علی عابد	۳/۰
اندازے	فراق گورکھپوری	۵/-
ہماری داستانیں	سید وقار عظیم	۵/۰
داستان سے افسانے تک	"	۱۰/۰
آغا حشر اور ان کے ڈرامے	"	۵/۰
نیا افسانہ	"	۴/۵۰
تاریخ و تنقید اردو ڈراما	عشرت رحمانی	۹/۵۰
روشن مینار	اختر حسین	۳/-
اردو نثری ادب	مرتبہ کشفی و ظہیر	۴/۵۰
روایت کی اہمیت	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۰/۰

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
اردو کی نثری داستانیں	ڈاکٹر گیان چند	۹/۵۰
وضع اصطلاحات	وحید الدین سلیم	۵/۷۵
تذکرہ اہل دہلی	قاضی احمد میاں اختر	۳/۷۵
کیفیہ	پنڈت دتاتریہ کیفی	۵/-
غزل اور مطالعۂ غزل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۱۰/۰
سرگذشت الفاظ	مولوی احمد دین	۳/۰
اصول انتقاد ادبیات	عابد علی عابد	۱۰/۰
باغ و بہار	مرتبہ ابوالخیر کشفی	۲/۵۰
سب رس	مولوی عبدالحق	۵/۵۰
مثنوی خواب و خیال	خواجہ میر درد	۲/۵۰
مثنوی گلشن عشق	نصرتی	۴/۵۰
مثنوی قطب مشتری	ملا وجہی	۳/۷۵
کلیات ولی	مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی	۵/۰
من لگن	مثنوی محمود بحری	۳/۵۰
پھولبن	" ابن نشاطی	۴/۵۰
قواعد اردو	مولوی عبدالحق	۵/-
نوادر الالفاظ	ڈاکٹر سید عبداللہ	۵/۵۰
کلیات میر	مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲۵/-

اسلامیات

تفسیر

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
ام الکتاب	مولانا آزاد	۵/۵۰
تفسیر بیان القرآن مکمل		۸۰/-
تفسیر ماجدی اردو مکمل		۴۰/-
تفسیر ابن کثیر اردو پانچ جلدوں میں کامل		۹۵/۰

تفسیر حقانی اردو ۶ جلدوں میں کامل ۴۰/-

احادیث

صحیح بخاری شریف مترجم اردو مع عربی ۳ جلدوں میں ۴۵/-
صحیح بخاری شریف صرف اردو ترجمہ " ۲۴/-
تلخیص البخاری مترجم اردو مع عربی ۱۲/-
بلوغ المرام " ۸/-
صحیح مسلم شریف " ۶ جلدوں میں کامل ۴۸/-
صحیح ترمذی شریف صرف اردو ترجمہ ۱۶/-
مشکوٰۃ شریف " ۱۶/-
مشارق الانوار مترجم اردو مع عربی ۱۴/-
موطا امام مالک " " ۱۲/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی " ۸/-
ریاض الصالحین مترجم اردو مع عربی ۲ جلدوں میں ۲۰/-
کتاب الآثار " ۸/-
مسند امام اعظم " ۸/-
مشکوٰۃ شریف " ۳ جلدوں میں کامل ۲۴/-
سنن دارمی شریف اردو ۸/-
ریاض السنہ مولانا شاہ محمد جعفر ندوی ۱۰/-
ابن ماجہ اور علم حدیث۔ مولانا عبدالرشید نعمانی ۸/-
سہارالرحل مشکوٰۃ مولانا اشتیاق احمد ۳/-

سیرت، تاریخ و سوانح

زندگیٔ بلال نکہت شاہجہاں پوری ۲/۵۰

تاریخ اسلام مولانا قاری احمد ۱۰/-
ہماری شہنشاہی محمد عطاء اللہ ۳/-
تاریخ انبیاء مولانا قاری احمد ۵/۲۵
شہادت حسین مفتی انتظام اللہ شہابی ۱/۵۰
مومنات مولانا عبدالقیوم ندوی ۱/۵۰
آب کوثر شیخ محمد اکرام ۵/۵۰
رود کوثر " ۶/-
موج کوثر " ۴/۵۰
صحابیات نیاز فتح پوری ۶/-
سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ ۶/۷۵
عہد اورنگ زیب ڈاکٹر میر نیر ۱۲/-
سوانح مولانا روم علامہ شبلی نعمانی ۳/-
امام اعظم " ۴/-
اصح السیر مولانا ابوالبرکات ۱۰/-
بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز ۵/-
مسلمانوں کی سیاسی تاریخ (دور عباسیہ) ۱۰/-
رحمۃ للعالمین ۳ جلدوں میں قاضی سلیمان منصورپوری ۲۰/-
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۲ جلدوں میں ۲۰/-
حیات محمد محمد حسین ہیکل ۲۲/۵۰
مسلم ثقافت ہندوستان میں عبدالمجید سالک ۱۲/-
تہذیب و تمدن اسلامی رشید اختر ندوی ۲۰/-
سکہ مسلم تاریخ ابوالامان امرتسری ۳/۵۰
تذکرہ صوفیائے سندھ عزیز الحق قدوسی ۶/۵۰
تذکرہ سید سلیمان ندوی غلام محمد ۶/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
تمدن عرب	سید علی بلگرامی	۴۰/-
تحفۃ الکرام	میر علی شیر قانع ٹھٹھوی	۱۵/-
تاریخ ابن خلدون جلد اول	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	۱۱/۵۰
تزک جہانگیری اردو	سلیم واحد سلیم	۱۱/-
نظام الملک طوسی اردو	مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی	۱۲/-
البرامکہ	" "	۱۲/-
تاریخ معصومی " (تاریخ سندھ)	میر محمد معصوم	۱۰/۵۰
جماعت مجاہدین	مولانا غلام رسول مہر	۷/-
سرگزشت مجاہدین	"	۱۲/-
شاہجہاں کے ایام اسیری	برنیئر	۱۲/-
تاریخ اسلام ۴ جلدوں میں مکمل	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	۲۶/-
آئینہ حقیقت نما	"	۱۲/-
تذکرہ شاہ ولی اللہ	مولانا مناظر احسن گیلانی	۴/۵۰
حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی	"	۱۲/-
عمر فاروق اعظم	محمد حسین ہیکل	۲۰/-
" (لائبریری ایڈیشن)	"	۸/-
ابوبکر صدیق	"	۱۰/-
" (لائبریری ایڈیشن	"	۴/۵۰
الحسین "	عمر ابوالنصر	۱/۵۰
الہارون "	"	۲/۲۵
المامون "	شبلی نعمانی	۲/۲۵
رابعہ بصری "	رواد السکاکینی	۱/۵۰
خالد سیف اللہ "	ابوزید شبلی	۲/۲۵
دس بڑے مسلمان "	اسماعیل پانی پتی	۲/۲۵
مشاہیر اسلام	خواجہ عباد اللہ اختر	۶/-
فجر الاسلام	علامہ احمد امین مصری	۱۰/-
سو بڑے آدمی	عبدالمجید سالک	۵/-
مآثر لاہور	سید ہاشمی فرید آبادی	۶/۵۰
سو تاریخی واقعات	مولانا غلام رسول مہر	۷/-
مطالعہ تاریخ	"	۱۰/-
دولت اقوام	ایچ۔اے۔فخری	۳۶/-
دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی	عبدالغنی نیازی	۱۲/-
تاریخ اقوام عالم	مرتضیٰ احمد میکش	۱۰/-
تاریخ بخارا	نفیس الدین احمد	۶/-

مذہب

کتاب	مصنف	قیمت
قدیم یونانی فلسفہ (امام غزالی کی کتاب مقاصد الفلاسفہ کا اردو ترجمہ)	محمد حنیف ندوی	۶/-
فلسفہ شریعت اسلام اردو ترجمہ	محمد احمد رضوی	۸/-
جمالیات (قرآن کی روشنی میں)	نصیر احمد ناصر	۴/-
اسلام اور تحریک تجدد مصر میں	عبدالمجید سالک	۵/-
تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	ڈاکٹر اقبال	۸/-
نفسیات واردات روحانی	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۱۰/-
تشکیل انسانیت	عبدالمجید سالک	۵/-
نہج البلاغہ اردو ترجمہ مع عربی متن	عبدالرزاق ملیح آبادی وغیرہ	۲۵/-
حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو مع عربی متن ۲ جلدوں میں کامل	(شاہ ولی اللہ)	۲۰/-
قرآن اور علم جدید	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	۶/۵۰
فقہ عمر	شاہ ولی اللہ	۴/۷۵
ملفوظات رومی	عبدالرشید تبسم	۷/۲۵

کتاب	مصنف	قیمت
اسلام کی بنیادی حقیقتیں	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	۳/-
مسئلہ زمین اور اسلام	شیخ محمود احمد	۴/۲۵
مذاہب اسلامیہ	خواجہ عباد اللہ اختر	۶/-
اصول فقہ اسلامی	"	۳/-
اسلام کا نظریہ تاریخ	مولانا مظہر الدین صدیقی	۳/۵۰
اسلام میں حیثیت نسواں	"	۳/۵۰
اسلام کا نظریہ اخلاق	"	۲/۰
اسلام اور مذاہب عالم	"	۴/۵۰
اسلام اور رواداری	رئیس احمد جعفری	۱۴/۷۵
سیاست شرعیہ	"	۵/-
شفائے کامل	"	۱/۵۰
کتاب التوحید	شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	۳/-
کتاب الصلوٰۃ	امام احمد بن حنبلؒ	۱/۵۰
تازیانے اردو	علامہ ابن حجر	۳/۰
تلبیس ابلیس اردو	علامہ ابن جوزی	۱۰/-
من و یزداں	غلام احمد پرویز	۱۰/۰
انسان نے کیا سوچا	"	۱۲/-
معراج انسانیت	"	۲۰/-
الہام منظوم (شرح مثنوی مولانا روم)	سیماب	۱۸۰
حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق	بشیر احمد ڈار	۶/-
اسلام اور موسیقی	مولانا شاہ محمد جعفر ندوی	۳/۷۵
مسئلہ تعدد ازدواج	"	۱/۷۵
زیردستوں کی آقائی	"	۳/۵۰
الدین یسر		۶/-

کتاب	مصنف	قیمت
گلستان حدیث	مولانا شاہ محمد جعفر ندوی	۲/۵۰
اجتہادی مسائل	"	۴/۵۰
کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت	"	۱/۵۰
مسئلہ اجتہاد	محمد حنیف ندوی	۳/-
افکار غزالی	"	۸/۵۰
سرگزشت غزالی	"	۳/۰
افکار ابن خلدون	"	۴/۲۵
حکمت رومی	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۳/۵۰
اسلام کا نظریہ حیات	"	۸/۰
تشبیہات رومی	"	۸/-
گرو گرنتھ صاحب اور اسلام	ابو الامان امرتسری	۶/۷۵
اسلامی تصوف اور اقبال	ڈاکٹر ابو سعید	۶/۵۰
ملفوظات شاہ عبدالعزیز		۷/۷۵
الحکمۃ فی مخلوقات اللہ	امام غزالیؒ	۳/۲۵
میراث اسلام	عبدالمجید سالک	۹/۵۰
تاریخ تصوف اسلام	رئیس احمد جعفری	۴/۷۵
مقالات احسانی	مولانا مناظر احسن گیلانی	۶/۵۰
تدوین حدیث	"	۶/۵۰
نظام ربوبیت	غلام احمد پرویز	۴/۰
ابلیس و آدم	"	۸/-
اسلام اور عورت	مولانا عبدالقیوم ندوی	۲/۰
اسلامی دستور حیات	"	۲/۵۰
باکمال مسلمان عورتیں	"	۲/۵۰
کشف المحجوب اردو	داتا گنج بخشؒ	۹/۰
بہار شریعت مکمل	(مولوی امجد علی)	۴۰/۰

قرآنی دستور حیات	مولانا ابویحییٰ	-/۲	کتاب المعاشرت	مفتی انتظام اللہ شہابی	-/۲
منہاج العابدین اردو	امام غزالیؒ	-/۶	کتاب زندگی	امام بخاریؒ	-/۸
امامت عظمیٰ اردو	علامہ رشید رضا	-/۳	سائنس اور اسلام	مولانا اشرف علی تھانوی	-/۸
احکام سلطانیہ اردو	علامہ ابوالحسن ماوردی	-/۶	اسلام اور عقلیات	؍؍	-/۱۰
مجالس المومنین	محمد عطاء اللہ	-/۳	تعارف قرآنی	منشی عبدالرحمٰن	۱/۷۵
تاریخ قرآن	مولانا عبدالقیوم ندوی	-/۲	بصائر قرآنی	؍؍	-/۲
مشاہدات حرمین	مولانا قاری احمد	۲/۵۰	احکام قرآنی	؍؍	۲/۵۰
فتاویٰ رشیدیہ کامل	مولانا رشید احمد گنگوہی	-/۸	آداب و اخلاق	؍؍	-/۶
الحیلۃ الناجیزہ	مولانا اشرف علی تھانوی	-/۳	داستان عمل	؍؍	-/۶
مفید الوارثین	مولانا سید اصغر حسین	-/۳	عورت انسانیت کے آئینہ میں		-/۴
تبلیغ دین اردو	امام غزالیؒ	-/۳	صداقت اسلام	مولانا قاسم نانوتوی	-/۶
کتاب الاخلاق	مفتی انتظام اللہ شہابی	۲/۲۵			

سالانہ چندہ ایک روپیہ | مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی | فی پرچہ دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے کوہ نور پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

پنڈت جواہر لال نہرو کی مشہور کتاب

A BUNCH OF OLD LETTERS

کے اردو ترجمے کا پہلا حصّہ

"کچھ پُرانے خط"

کے نام سے شایع ہو گیا ہے

پہلا حصّہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۳۶ء تک کے ۱۹۲ خطوط پر مشتمل ہے۔

یہ بیش بہا مجموعہ اُس زمانے کی صحیح اور سچّی تاریخ ہے جس میں بعض ایسے واقعات بھی منظرِ عام پر آئے ہیں جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے۔

اردو ترجمہ مولانا عبدالمجید الحریری نے کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اِس کتاب کو ضرور پڑھنا چاہیں گے اور آپ کی لائبریری میں اس سے ایک اچھا اضافہ ہوگا۔

۱۸x۲۲/۸ کے ۴۰۰ صفحات، بہترین کتابت وطباعت۔

عمدہ جلد مع گرد پوش   قیمت: آٹھ روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

Regd No D. 58 February 1962

Kitab Numa

JAMIANAGAR, NEW DELHI.25

ماہنامہ
کتاب نما
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

پروفیسر محمد مجیب شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی صرف ایک مشہور ماہرِ تعلیم ہی نہیں بلکہ جانے پہچانے ادیب بھی ہیں۔ متعدد ڈراموں اور افسانوں کے علاوہ آپ نے تاریخِ ادب، تاریخ، سیاسیات اور عمرانیات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ انگریزی اور ہندی میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

پروفیسر محمد مجیب ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کچھ دن گھر پر تعلیم پانے کے بعد لا ریٹو کانونٹ میں داخل ہو گئے۔ کانونٹ سے نکل کر کچھ دن دہرہ دون کے ایک اسکول میں پڑھتے رہے اور اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ کئی سال انگلستان اور جرمنی میں گزارے۔ آپ اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی کے علاوہ روسی اور جرمن زبانیں بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں آپ یورپ سے واپس وطن تشریف لائے اور جامعہ ملیہ میں کام کرنے لگے۔ ۱۹۴۸ء سے آپ شیخ الجامعہ کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے افسانوں کا مجموعہ "کیمیاگر" شائع کرنے کا فخر مکتبہ جامعہ کو حاصل ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

نگراں:- غلام ربانی تاباں | ماہنامہ **کتاب نما** نئی دہلی | مدیر:- ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | مارچ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۳

اشاریہ

فروری کے آخری ہفتے میں ملک کے تیسرے عام انتخابات کی گرم بازاریاں ختم ہو گئیں انتخابات کے موقع پر کم و بیش ہر امیدوار نے چاہے وہ کسی پارٹی کی طرف سے کھڑا ہوا ہو یا آزاد امیدوار کی حیثیت سے ووٹروں سے بڑے بڑے وعدے کئے۔ ان وعدوں میں زبان کا مسئلہ بھی شامل تھا اور اردو سے محبت رکھنے والے ووٹروں نے اس پر اعتماد بھی کیا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس موقع پر کئے ہوئے وعدوں کا ایفا وہی پارٹی کر سکتی ہے جو عنانِ حکومت سنبھالے گی اور اگرچہ انتخابات کے نتائج تادمِ تحریر سامنے نہیں آئے ہیں لیکن ہمیں اُمید ہے کہ اس بار یہ وعدے عملی صورت بھی اختیار کریں گے۔ لیکن اس وقت ریاست بہار کی رانچی یونیورسٹی کا یہ تازہ فیصلہ ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس سال سے یونیورسٹی کے طلباء پر بھی یہ پابندی عاید کردی گئی ہے کہ وہ امتحان میں اپنے جوابات ہندی میں لکھیں۔ ہم ہندی کے دشمن نہیں۔ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ ہندی کے ساتھ دوسری زبانوں کو بھی ترقی کا موقع ملے۔ جو طالب علم ہندی میں جواب لکھنا چاہیں انہیں اس کی اجازت ہونی چاہیئے مگر اردو کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔

اس فیصلے کے خلاف صوبے کے مختلف اداروں نے جن میں انجمن ترقی اردو بھی شامل ہے احتجاج کیا ہے اور ہم اس احتجاج میں ان کے ساتھ ہیں۔

[illegible] ہے ہم حکومت [illegible]

سے اپیل کریں گے کہ اردو زبان کے معاملہ میں مولانا مرحوم کا جو موقف تھا اس پر عمل پیرا ہو کر صحیح معنوں میں ان کی روح کو خراج عقیدت پیش کریں اور نہ صرف یہ کہ ایسے ہر اقدام سے عملاً گریز کریں جو کسی بھی لسانی اقلیت کو نقصان پہنچائے بلکہ قومی یک جہتی کے پیش نظر ہر قسم کی اقلیت کے جائز حقوق کی حفاظت کر کے قومی اور ملکی ترقی میں اس کا تعاون حاصل کریں۔ یہی مولانا مرحوم کی زندگی کا مشن تھا اور یہی بات گاندھی جی بھی چاہتے تھے۔

مکتبہ جامعہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے چیرمین جناب پروفیسر محمد مجیب جو اکتوبر ۱۹۷۱ء میں اپنی تصنیف (Indian Muslims) کی تیاری کے سلسلے میں کناڈا تشریف لے گئے تھے ۴ر فروری کو بخیریت واپس تشریف لے آئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شیخ الجامعہ کے فرائض بدستور سابق انجام دینے لگے۔ آپ کی واپسی کے بعد جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے تقسیم اسناد کی تقریب منعقد ہوئی اور کامیاب طلبا کو اسناد پیش کی گئیں۔

پردیسی کے خطوط

(مجنوں گورکھپوری)

دل چسپ اور سحر آفریں افسانوی اور رومانوی انداز بیان میں یہ خطوط دراصل مختلف مضامین یا مقالات ہیں جن میں مصنف نے چند موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خطوط پڑھنے والے کو نہ صرف افسانوی یا رومانی تخیل کو آسودہ کرتے ہیں بلکہ تنقید و تحقیق، شعر و حکمت، پند و نصائح کے متعلق بصیرت افروز مضامین کا بہترین نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ان میں بعض خطوط کے موضوع تو ایسے ہیں کہ اردو میں ابھی تک کسی نے ان پر طبع آزمائی نہیں کی تھی۔

مجنوں گورکھپوری کے "پردیسی کے خطوط" کے سلسلہ کی یہ دوسری کتاب ہے۔ جو بہترین کتابت و طباعت، عمدہ ٹائیٹل کے ساتھ مکتبہ جامعہ نے شائع کی ہے۔

قیمت

۲ روپے ۷۵ نئے پیسے

ڈاکٹر ایچ۔ وی۔ بھٹ
پریم گوپال متل

کالی داس کی آخری نظم

(۱۴ر نومبر کو کالی داس کا جنم دن منایا گیا)

کالی داس اپنے بچپن سے ہی حسنِ قدرت کے پرستار تھے اور انھیں یاترا کا بھی بڑا شوق تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی یاترائیں کیں۔ یوں تو کالی داس نے کئی کتابیں لکھیں مثلاً شکنتلا، رگھوونش، کمار سمبھو، وکرم اروشیام، رتو سمہار، مالوآگین میتر۔ مگر میگھ دوت لکھنے کے بعد وہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

منظوم میگھ دوت سے ان کی زندگی کے دو تین واقعوں کا براہِ راست رشتہ ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میگھ دوت کا یکشہ اصل میں کالی داس خود ہے۔ مالی مشکلات کی وجہ سے انھیں گھر چھوڑنا پڑا اور رخصت کے وقت ان کی محبوب کے آنسو میگھ دوت کے مصرعوں کی شکل میں نمودار ہوئے۔

میگھ دوت اتنی مشہور ہوئی کہ اس کے شعر ہر خاص وعام کی زبان پر تھے۔ لوگ گھنٹوں بیٹھے اس کو سنتے رہتے تھے۔ سیلون کے شہزادے کمار گپت نے جب اسے پڑھا تو وہ بہت لطف اندوز ہوئے۔ میگھ دوت سے متاثر ہو کر انھوں نے جانکی ہرن لکھا۔ جانکی ہرن نے بھی میگھ دوت کی طرح بے شمار لوگوں کو متاثر کیا جب کالی داس نے اسے پڑھا تو بہت خوش ہوئے جیسے انھیں خزانہ مل گیا ہو۔ انھوں نے سوچا کہ کمار گپت کو مبارک باد کا ایک طویل خط لکھ کر بھیجا جائے۔ پھر انھیں خیال آیا کہ کیوں نہ ایک پوری نظم ہی لکھ کر بھیج دی جائے۔ بالآخر انھوں نے یہ خیال بھی ترک کر دیا اور ایک دن کمار گپت سے ملنے نکل کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنی بیوی کے رونے دھونے کی بھی پرواہ نہیں کی اور سیلون کے لیے سفر پر چل پڑے۔

لوگوں نے کالی داس کو سمجھایا کہ اتنے لمبے سفر میں انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا مگر وہ کمار گپت سے ملنے کے لیے بے چین تھے وہ لکھنے کا سامان ساتھ لیتے گئے۔ دوران

سفر میں ان کے شعری نغمے ہمالیہ سے نیچے بہنے والی ندیوں کی طرح بہہ نکلے اور ان کے منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے ایک نیا میگھ دوت لکھا جا چکا تھا۔

کالی داس سرور میں تھے "میں اب کمار گپت سے مل سکوں گا۔ وہ مجھ سے مل کر کتنے خوش ہوں گے؟ اور جب میں انھیں اپنی یہ نظم دکھاؤں گا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں خوشی کے مارے پاگل نہ ہو جائیں۔"

سیلون اس وقت اپنی خوبصورتی اور شان و شوکت کے عروج پر تھا۔ اس کے لمبے چوڑے راستے، رنگ برنگے پھولوں والے باغ راستے کے دونوں طرف لمبے اور سایہ دار پیڑ اور بڑے بڑے محل اتنے خوبصورت لگتے تھے جیسے وہ شہر دیوتاؤں کا مسکن ہو۔

کالی داس سیلون کی بھومی پر پاؤں رکھتے ہی اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔ ان کے پاؤں چل رہے تھے اور آنکھیں لطف اندوز ہو رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں کسی دوسرے عظیم ادب پارے کو جنم دے رہے تھے۔ وہ انہی خیالات میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک انھیں لگا جیسے سُندرتا کی دیوی "سائیکی" ہی ان کے سامنے آگئی ہو۔ اُسے دیکھ کر ان کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ انھوں نے بولنا چاہا ہونٹ بھی ہلے مگر کوئی آواز نہ نکل سکی۔ نوجوان لڑکی نے جیسے ان کی بات سمجھتے ہوئے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں۔

کالی داس، جو اب تک سنبھل چکے تھے، بولے "میں ہندوستان سے آیا ہوں اور میں نے اس دیش کے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے اسی لئے میں یہاں آیا ہوں۔ میں یہاں پر بالکل اجنبی ہوں۔ کیا آپ مہربانی کرکے بتا سکیں گی کہ رات کو کہاں ٹھیرا جا سکتا ہے؟" اس لڑکی نے ان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اپنی مہمان نوازی کی پیش کش کی جو کوی نے خوشی خوشی قبول کرلی۔ اس نے ایک کمرے کا تالا کھولا اور لیمپ جلا کر اجنبی کو وہاں پر آرام کرنے کے لئے کہا۔

کالی داس نے اپنے چاروں طرف ایک سے ایک بڑھ کر تصویر اور کمرے کی غیر معمولی سجاوٹ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ لڑکی آئی اور کالی داس کو ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھانے کے لئے تیار ہو جانے کو کہا۔ کالی داس مشین کی طرح اٹھے اور ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا۔ انھوں نے اپنے خوبصورت اور کشادہ دل میزبان کا شکریہ ادا کیا جو اس محل میں اکیلی رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ سونے کے لئے چلے آئے، مگر انھیں نیند نہ آئی اور بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔

والے کمرے میں شمع تھی اور اس کی کھڑکی کھلی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ میں قلم تھا اور وہ کچھ گنگنا رہی تھی۔

وقت گزرتا گیا اور آدھی رات ہو گئی مگر وہ لڑکی ویسے ہی خیالوں میں غرق وہاں بیٹھی رہی۔ کالی داس زیادہ دیر تک وہاں لیٹ نہ سکے اور اس کمرے کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میزبان نے گھبراہٹ اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دروازہ کھولا۔ اور بہت کے ساتھ پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

"کچھ نہیں۔"

"تب پھر یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"آپ سے کچھ پوچھنے۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"کیا؟" لڑکی نے پوچھا۔

"آپ اتنی رات تک کیوں جاگ رہی ہیں؟ کس چیز نے آپ کو اتنا پریشان کر رکھا ہے؟ گستاخی معاف ہو، میں یہی پوچھنے کے لئے بے چین ہوں۔"

"نہیں نہیں، کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے جواب دیا۔

"مگر آپ کو ضرور کوئی دکھ ہے۔ اگر آپ مجھے بتا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

کالی داس کے اصرار پر اس نوجوان لڑکی نے اپنے سیدھے سادے لفظوں میں یوں کہا: "میں شہزادے سے پریم کرتی ہوں اور وہ بھی مجھ سے پریم کرتے ہیں، یہ میں کسی کو بتانا نہیں چاہتی تھی مگر اب آپ کو بغیر بتائے کوئی چارہ بھی نہیں۔ اب انھوں نے شادی کے لئے ایک شرط رکھ دی ہے۔"

کالی داس نے کہا: "اگر آپ مجھ پر وشواش کرتی ہیں تو کرپا کر کے اپنی بات جاری رکھئے۔ شاید میں آپ کے کسی کام آسکوں۔"

"ہندوستانی بہت ایماندار اور بھروسے کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں آپ کو بتا رہی ہوں یہ مسئلہ کوئی بہت بڑا نہیں ہے مگر میرے لئے بہت اہم ہے۔ شہزادہ ایک شاعر ہے اور اس کی آرزو ہے کہ میں بھی ایک شاعرہ بنوں، حالاں کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایک مصرع دیا ہے اور اُسے پورا کرنے کے بعد ہی ہماری شادی ہوگی۔"

اجنبی نے مصرع پڑھا۔

"یہ صرف سنا ہے دیکھا نہیں کہ کمل پر کمل اُگتا ہے"

اور فوراً اس کے نیچے یہ لکھ دیا:۔

"لڑکی پھر یہ کیسے ہے کہ تمہارے کمل جیسے چہرے پر کمل جیسی دو آنکھیں ہیں؟"

اُس لڑکی نے اس کو بار بار پڑھا اور بہت خوش ہوئی۔ کالی داس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ کالی داس کو کمرے تک چھوڑنے آئی۔ اپنے کمرے میں واپس آکر وہ اس کو بار بار پڑھ کر لطف اندوز ہونے لگی۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوند گیا۔

"اگر اس نے شہزادے کو بتا دیا کہ یہ اس نے لکھا ہے تو کیا ہوگا؟" وہ اس سے زیادہ کچھ نہ سوچ سکی۔ اس نے سوچا کہ وہ اُسے اسی وقت نکال دے، مگر ہوسکتا ہے کہ شہزادے سے اس کی ملاقات ہو جائے اور وہ اس سے کہہ دے۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی اور اس کا چہرہ مرجھا گیا۔ اپنا چھوٹا خنجر نکال کر وہ کالی داس کے کمرے کی طرف روانہ ہو گئی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے گہری نیند سوئے ہوئے کالی داس کے سینے میں خنجر بھونک دیا۔

وہ بڑبڑائے "پیارے دوست، خدا حافظ۔ بدقسمت کالی داس تم سے مل نہ سکا!"

کالی داس کا نام سنتے ہی وہ حیران رہ گئی اور جلدی جلدی اسباب کی تلاشی لینے پر اُسے میگھ دوت اور نئی نظم ملی۔ اسے پڑھ کر وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگی۔ وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے خنجر اپنے سینے میں بھونک لیا۔ اور لڑکھڑا کر کالی داس کے قدموں میں گر پڑی۔

اگلے دن کمار گپت اس لڑکی سے ملنے کے لئے آئے۔ مہمانوں کے کمرے میں داخل ہو کر انھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے وہ اپنے ہوش کھو بیٹھے۔ کافی دیر کے بعد انھوں نے آپ کو سنبھالا اور تمام حالات کو سمجھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ پدمنی کے سونے کے کمرے میں آئے، اور اس کاغذ کو غور سے بار بار پڑھا۔

اُن کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور مہمانوں کے کمرے میں دوڑ کر کالی داس کے قدموں میں گر پڑے کیوں کہ تمام بات صاف ہو چکی تھی۔

سب خاص و عام کو بلایا گیا۔ تمام سیلون دُکھ اور شوک میں ڈوبا ہوا تھا۔ گانا بجانا اور تمام تفریح کی باتیں بند ہو گئیں۔ اس حادثے کی اطلاع سب کو دے دی گئی

اور کالی داس کا نام سن کر سب دوڑتے ہوئے آئے۔

مُردہ جسم کو آخری سنسکار کے لئے صندل کی ارتھی پر رکھا گیا۔ جب ارتھی میں آگ لگادی گئی تو کمار گپت نے کھڑے ہو کر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھائیو، یہ میری بد قسمتی ہے کہ مہاکوی کالی داس ہمارے دیش میں مرنے کے لئے آئے۔ یہ ان کی عظیم نظم ہے جو انھوں نے میرے لئے لکھی۔ وہ مجھ سے نہ مل سکے مگر میں ان سے ملنے کے لئے جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اس نظم کے ساتھ آگ میں کود پڑے۔ تمام سیلون شوک میں ڈوب گیا۔ یہ کالی داس کی آخری یاترا تھی۔

(بشکریہ "تحریک" دہلی)

روسی مطبوعات

ان کتابوں کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں

نفیس کاغذ، خوشنما ٹائپ کی عمدہ چھپائی اور بہترین جلد۔ اس کے باوجود قیمتیں بہت ہی کم

نام کتاب	مصنف	صفحات	سائز	غیر مجلد	قیمت
مُومُو ناول	ترگنیف	۸۰	۲۰×۳۰/۱۶	//	۳۱ نئے پیسے
وقت کی اڑان (۸ کہانیاں)	پوستووسکی	۱۷۶	//	//	۳۷ // //
سورج کا خزانہ (۳ کہانیاں)	میخائیل پرشوین	۱۴۸	//	//	۴۴ // //
بائپ (// //)	یوری ناگیبین	۲۰۸	//	//	۵۰ // //
اسینگو تیس کا ہوٹل (// //)	ماتوے تیوبلیوف	۲۲۸	//	//	۵۰ // //
داماد (ناول)	تندریاکوف	۲۳۲	//	//	۵۶ // //
جیالے (//)	سرف رشیدوف	۳۵۶	//	//	۹۴ // //
تین سال (//)	چیخوف	۲۵۸	//	مجلد	۹۴ // //
تاراس بلبا (//)	نکولائی گوگول	۲۴۲	//	//	ایک روپیہ ۱۲ // //
اتفاقی ملاقاتیں (سیر و شکار سے متعلق ۹ کہانیاں)	دیتالی بیانکی	۱۹۰	۲۰×۳۰/۸	// //	۱۹ // //
دوبرووسکی (ناول)	پشکن	۱۲۸	۲۰×۳۰/۱۶	// //	۳۱ // //
بے چارے لوگ (//)	دستوئیفسکی	۲۴۲	//	// //	۳۷ // //
بچپن (//)	میکسم گورکی	۳۵۴	۱۸×۲۲/۸	// //	۵۰ // //
چڑیا گھر کے ننھے باسی (بہترین معلوماتی کتاب)	ویرا چاپلینا	۲۵۰	۲۰×۳۰/۸	// //	۵۰ // //

فراقؔ گورکھپوری

غزل

اے دوست تری راہوں کے قریں اس کو بھی بھٹکتے پایا ہے
وہ میری شبِ ہجراں جس کی آنکھوں میں اندھیرا چھایا ہے

بس یہ کہنے پہ یاروں نے بے دین مجھے ٹھہرایا ہے
سب عینِ حقیقت ہے لیکن یہ بھی سچ ہے سب مایا ہے

خیر و شر و ظلمت و نور کے ربط اے دوست سمجھ مجھ کافر سے
حق تو یہ ہے نورِ حق پر بھی شیطاں کے پروں کا سایا ہے

تو نے رگِ جاں سے قریں ہو کے کیوں شوخیٔ پنہاں سے مجھکو
شہروں شہروں بھٹکایا ہے ملکوں ملکوں پھرایا ہے

فطرت سوتی ہے کھڑکتا ہے پتّا بھی نہیں اس عالم میں
یہ رات اندھیری ایسے میں کس شوخ نے در کھڑکایا ہے

کل مجھ میں اور میرے دل میں تا دیر رہی سرگوشی سی
کچھ میں نے اُسے سمجھایا ہے کچھ اُس نے مجھے سمجھایا ہے

تنہائی کی راتوں نے اکثر مجھ کو ملوایا ہے مجھ سے
اس وقت یہ سمجھا میں کیا ہوں جب ہجر میں جی گھبرایا ہے

میرے اظہارِ تمنّا پر کیا تھا ارشادِ زیرِ لبی !!
کچھ میں نے گزارش کی ہے ابھی کچھ آپ نے بھی فرمایا ہے

یوں زیرِ شفق پر پھوٹی ہے انفاسِ سحر کے جھرمٹ میں
جیسے کسی شاہدِ رعنا نے گھونگھٹ سا ذرا سرکایا ہے

(بشکریہ "علی گڑھ میگزین" علی گڑھ)

غلام عباس

چشم و چراغ

ایک شجرہ نسب

چھجو

باپ کا نام باوجود تحقیق بسیار معلوم نہ ہو سکا۔ گاؤں میں کباڑی کی دوکان کرتے تھے۔

شیخ میتا

چھجو کے بیٹے شہر میں پہلے سگرٹ کی دوکان تھی پھر عطّاری کرنے لگے۔

حکیم عمر دراز

شیخ میتا کے بیٹے۔ اَن پڑھ تھے مگر ساری عمر حکمت کرتے رہے۔ بلا کے زیرک شخص تھے۔ اگر تعلیم سے بہرہ ور ہوتے تو نہ جانے کیا کیا کمالات ان کی ذات سے رونما ہوتے۔
کہتے ہیں انھیں کیمیا بنانے کا شوق تھا جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ جو کچھ کماتے اسی کی نذر ہو جاتا مگر آخری عمر میں انھوں نے کیمیا گری سے توبہ کر لی۔

چودھری شمس الدین

حکیم عمر دراز کے بیٹے۔ پرائمری کی تین جماعتوں تک تعلیم پائی۔ ان کا شمار شہر کے بڑے بڑے ٹھیکے داروں میں ہوتا تھا، خاصی دولت کمائی اور صاحب جائداد بھی ہوئے۔

حاجی شفاعت احمد

چودھری شمس الدین کے بیٹے۔ انٹرنس تک تعلیم پائی، مدتوں ایک سرکاری دفتر میں کلرکی

کرتے رہے بعد میں سپرنٹنڈنٹ ہوگئے۔ پنشن لی حج کو گئے۔

نوٹ:- ان کے وقت سے اس خاندان کے ہاتھ سے کاروبار نکل گیا۔ اور اس کے افراد ملازمت کے رشتہ میں منسلک ہوگئے۔

قاری غوث محمد

حاجی شفاعت احمد کے بیٹے۔ ابھی کالج میں زیر تعلیم ہی تھے کہ حاجی صاحب نے اپنے رسوخ سے کام لے کر انھیں ریلوے میں گارڈ کی نوکری دلوادی۔ بڑے خوش الحان واقع ہوئے۔ کالج کے زمانہ میں قرأت بھی سیکھی تھی جس کی وجہ سے قاری کہلائے۔ نماز بھی قضا نہ ہونے دی اس کی وجہ بعض لوگ یہ بیان کرتے تھے کہ ریل کی نوکری نے انھیں وقت کا بہت پابند بنا دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خان صاحب غضنفر علی شاہ سب انسپکٹر پولیس

قاری غوث محمد کے بیٹے۔ بی۔ اے تک تعلیم پائی بعد میں پھلور جاکر پولیس کی ٹریننگ حاصل کی۔ بہت بارعب اور وجیہہ آدمی تھے۔ مزاج بلا کا غصیلا تھا۔ بات بات پر نتھنوں پر لال پیلے ہوتے تھے۔ بڑے دلاور اور من چلے تھے بڑے بڑے نامی ڈاکوؤں کو کمال شجاعت سے گرفتار کیا تھا۔ شہر کے بدمعاش اور اٹھائی گیرے ان کا نام سن کر کانپنے لگتے تھے ان کی بہادری کے قصے اکثر تھانوں میں مشہور تھے مگر ان کی بدمزاجی اور کثرت شراب نوشی کے باعث افسران بالا ان سے ناخوش رہتے تھے چنانچہ عمر بھر سب انسپکٹری سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ان کی قومیت ہمیشہ ایک عقدہ بنی رہی۔ لوگ انھیں "غضنفر شاہ سید بادشاہ" کہہ کر پکارتے تھے جس کی وہ کبھی تردید نہیں کرتے تھے خود وہ اپنے دستخط "خان صاحب غضنفر علی" کیا کرتے تھے۔

شیخ تراب علی چشتی صابری، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، ایڈوکیٹ خانصاحب

غضنفر علی شاہ سب انسپکٹر پولیس کے بیٹے۔ شہر کے قابل ترین وکلاء میں گنے جاتے تھے۔ طبیعت ظریف تھی اور وسیع واقع ہوئے تھے۔ غزلیات اور نظم بھی کہتے تھے۔ قابلیت سے زیادہ ظرافت کی ان کی شہرت کا باعث ہوئی۔ انھوں نے اپنے پیشے کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے

نام کے ساتھ شیخ لکھنا زیادہ پسند کیا۔ ایک اہل کمال کی نظر کرم نے چشتی صابری بھی بنا دیا۔

ڈاکٹر تحسین علی، ایم، بی، ایس، سرجن اینڈ فزیشن

شیخ تراب علی بی، اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ کے بیٹے۔ بچپن ہی سے بہت صالح اور بنی نوع انسان کے ہمدرد تھے۔ انھیں گوارا نہ تھا کہ کوئی شخص بھی دکھ درد میں مبتلا ہو۔ انکے جد امجد حکیم عمر دراز حکمت میں نام پا چکے تھے۔ چنانچہ باپ کی مخالفت کے باوجود ڈاکٹری کی تعلیم پائی اور خلق خدا کی خدمت میں عمر بسر کر دی۔

مسٹر الیاس ہارون، بیرسٹر ایٹ لا

ڈاکٹر تحسین علی، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس سرجن اینڈ فزیشن کے بیٹے۔ انھیں اسکول کے زمانے ہی سے یورپ جانے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ ولایت جاکر بیرسٹری پاس کی۔ خاندان کو شہرت دینے کا موجب ہوئے۔ دولت بھی خوب کمائی۔

خان بہادر میاں رکن الدین، ممبر لیجسلیٹو اسمبلی

مسٹر الیاس ہارون بیرسٹر ایٹ لا کے بیٹے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ جدوجہد میں گزرا آرام بہت کم نصیب ہوا گو زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ مگر اپنی قدرتی ذکاوت و ذہانت کے باعث خاندان کا نام خوب روشن کیا۔ ابھی تو نو عمر ہی تھے کہ رضا کار کی حیثیت سے ایک اصلاحی جماعت میں شامل ہو گئے اور یہی وجہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکنے کی تھی تقریر اچھی کر لی جانتے تھے۔ رفتہ رفتہ لیڈر بن گئے۔ اتفاق سے اس زمانے میں ملک میں کسی قسم کی شورش نہ تھی لیڈری کا بازار سرد پڑ گیا۔ تو ادبی رسالہ نکال لیا مگر چوں کہ وہ مقرر تھے ادیب نہ تھے۔ لوگوں نے توجہ نہ کی۔ مالی پریشانیوں کے سبب بند کر دینا پڑا۔ میونسپل کمشنری کے لیے اُٹھ کھڑے، پہلی مرتبہ کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری مرتبہ کوشش کی پھر کامیابی نہ ہوئی مگر ووٹ کافی حاصل کرلئے تھے اس سے قدرے اطمینان تھا۔ تیسری مرتبہ پھر اپنا نام پیش کیا۔ اس مرتبہ حفظ ماتقدم کے طور پر تین مہینے پہلے ایک ہفتہ وار اخبار نکلوا لیا تھا اللہ نے کامیاب کر دیا۔ ہوتے ہوتے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی بن گئے۔ سرکار نے "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ مربعے بھی ملے۔

نوٹ :- ان کے وقت سے اس خاندان کے افراد سرکاری خطابات سے سرفراز ہونے شروع ہو گئے۔

آنریبل سردار اشکوہ چیف جسٹس ہائیکورٹ

خان بہادر میاں رکن الدین ممبر لیجسلیٹو کونسل کے بیٹے۔ ان کا زمانہ بہت پرامن رہا، اور انھیں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ کیوں کہ خاندان کے نام اور باپ کی خدمات کی وجہ سے انھیں ہر جگہ ہردلعزیزی حاصل ہوئی۔ اور سرکار نے بھی ان کی قدر کی۔ ان کے زمانے میں خاندان کی دولت و ثروت میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

رائٹ آنریبل سر جمشید جاہ بہادر، پی۔ سی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای

وزیر اعظم ریاست آنریبل سردار اشکوہ چیف جسٹس ہائیکورٹ کے فرزند ارجمند۔ انھوں نے خاندان کے نام کو شہرت و عزت کے اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔

خان بہادر صوفی بیدار بخت، بی۔ اے۔ جاگیردار

رائٹ آنریبل۔ سر جمشید جاہ بہادر پی۔ سی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے بیٹے۔ بی۔ اے۔ تک تعلیم پائی۔ والد اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ بھیجنا چاہتے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بچپن ہی سے صلح کل اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ مذہب کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ تندرا کا دریا سب کچھ تھا نہ اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ جانے کی ضرورت تھی۔ نہ نوکری کی حاجت۔ گوشہ نشین ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف رہے ان کی امید اور مرضی کے خلاف سرکار نے انھیں "خان بہادر" کا خطاب دیا۔ اسی میں رضائے الٰہی سمجھ کر خاموش ہو رہے۔

صاحبزادہ نسیم عرف چھوٹے مرزا رئیس اعظم

خان بہادر صوفی بیدار بخت بی۔ اے۔ جاگیردار کے بیٹے۔ انٹرنس تک تعلیم پائی۔ پھر اپنی جاگیر کا انتظام کرنے لگے۔ باپ کی طرح انھوں نے بھی ملازمت کو اپنے لئے حرام جانا اور آخر ضرورت بھی کیا تھی۔ خوب رئیسانہ ٹھاٹھ سے رہے۔ بہت خوش وضع اور صاحبِ دل تھے۔ کہتے

رہی کر جیسا کھانا انھوں نے کھایا اور جیسا کپڑا انھوں نے پہنا کسی رئیس کو بہت کم ہی نصیب ہوا۔ خاندان میں مرزا کا لقب پہلے پہل انھوں نے ہی اختیار کیا۔

ابو الخیال مرزا بیکل

صاحبزادہ نسیم عرف چھوٹے مرزا رئیس اعظم کے بیٹے، انٹرنس میں فیل ہونے کے بعد دل تعلیم سے اچاٹ ہوا کہ پھر اسکول کا رُخ نہیں کیا۔ شاعری سے بچپن سے لگاؤ تھا۔ اپنے مکان پر بڑے بڑے تاریخی مشاعرے منعقد کیے۔ خود شعر کہتے تھے مشہور تھا کہ فیضان شعر کی حالت میں چادر اوڑھ کر چار پائی پر لیٹ جاتے۔ اور گھنٹوں بستر پر لوٹتے پوٹتے رہتے۔ اور جب تک غزل پوری نہ ہو جاتی نہ اٹھتے۔ بہت سارو پیہ خرچ کر کے ایک دیوان "نوائے بیکل" کے نام سے اعلیٰ آرٹ پیپر پر سنہری روشنائی سے چھپوایا۔ جس میں عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں کا کلام تھا یہ دیوان اب ناپید ہے۔ خدا مغفرت کرے۔ بہت مرنجان مرنج علم دوست بزرگ تھے۔ اپنی زندگی میں نادر قلمی کتب اور پرانی تصاویر کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ نہ معلوم ان کے بعد اس کا کیا حشر ہوا۔

ننھے مرزا

ابو الخیال مرزا بیکل کے صاحبزادے۔ واجبی تعلیم پائی۔ انگریزی سے بالکل کورے رہے والد کی خواہش تھی کہ انھیں شعر و سخن سے لگاؤ پیدا ہو اور باپ کا نام روشن کریں۔ مگر انھیں اس سے مس نہ تھا ان کا رجحان بچپن سے موسیقی کی طرف تھا باپ کی مخالفت کے باوجود بڑے بڑے نامی گرامی گوّیوں کو بلا کر ان سے فن موسیقی سیکھتے رہے۔ سات مرتبہ گوالیار کا سفر اختیار کر کے تان سین کی قبر پر گئے اور ہر مرتبہ اس املی کے درخت کا پتہ توڑ کر کھایا۔ جو اس کی قبر پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ پہلے کئی برس تک گانا سیکھتے رہے مگر چوں کہ آواز بہت اچھی نہ تھی اس لئے استادوں کے مشورے سے گانا ترک کر کے ستار کا شوق کرتے رہے لے اور تال کی بے حد سمجھ رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سوتے میں ان کے داہنے پاؤں کا انگوٹھا تال دیتا رہتا تھا! ان کے پاس ایک بہت بڑا طنبورہ تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ محمد شاہی دربار کے گویّے نعمت علی خاں سدا رنگ کا ہے پیرانہ سالی میں موسیقی کے متعلق ایک کتاب بھی "صدائے دل نشیں" کے نام سے تصنیف کی۔ جس کا مسودہ شاید ان کا کوئی دوست چرا کر لے گیا۔ بڑھاپے میں، اس صدمے نے مرزا کی کمر توڑ ڈالی اور یہ چند ہی

روز بعد انتقال کر گئے۔

مرزا اچھّے

ننھے مرزا کے بیٹے۔ بہت معمولی تعلیم حاصل کی۔ باپ دادا کی طرح یہ بھی ہر قسم کے کاروبار اور ملازمت سے دست کش رہے۔ تھیٹر کے بہت شوقین تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ میرا کوئی اپنا تھیٹر ہو مگر والد کے جیتے جی اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ والد کے مرنے پر ایک دفعہ انھوں نے تھیٹر کے مالک سے معاملہ کرنا چاہا مگر کسی وجہ سے بات طے نہ ہوسکی۔ ناچار ارادہ ترک کر دیا۔

لاڈلے مرزا

مرزا اچھے کے فرزند دلبند۔ صرف قاعدہ پڑھا۔ بہت لا ابالی طبیعت کے آدمی تھے۔ والد مرحوم کی طرح تھیٹر کے شوقین، والد انھیں اپنے ساتھ تھیٹر لے جایا کرتے تھے۔ سچ پوچھیے تو اس کا چسکا انھیں باپ ہی نے لگایا تھا۔ ان کے مرنے پر کل جائداد کے وارث بنے۔ ایک دفعہ ایک ہندوستانی بولتی فلم دیکھنے گئے اس میں کلکتہ کی ایک ایکٹریس لیلےٰ نامی جو بہت حسین اور طرحدار تھی۔ گلا بھی نور کا تھا۔ ان کا دل اس پر آگیا۔ مدتوں عشقیہ خط لکھتے رہے آخر کلکتہ پہنچے۔ بہت سی دولت خرچ کر کے اس تک رسائی حاصل کی۔ اور شادی کا پیغام دیا لیلیٰ نے ایسی خوبی سے ٹالا کہ ان کا دل نہ ٹوٹا۔ تین سال تک اس سے میل جول رکھا۔ بڑے بڑے گراں قدر تحائف اسے پیش کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے نام کی ایک فلم کمپنی بھی بنا ڈالی۔ آخر لیلیٰ شادی پر رضامند ہوگئی شادی کے دوسرے ہی برس فلم کمپنی فیل ہوگئی اور لیلیٰ بھی کسی ایکٹر کے ساتھ بھاگ گئی۔ لیلے کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا اسے لے کر وطن آئے اور اس کی تربیت کے لئے نرس مقرر کی۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ ساری جائداد عشق کی نذر ہوگئی اور لے دے کے ایک مکان اور چند دکانیں رہ گئی ہیں ان کے کرایہ پر گذر کرنے لگے۔

محمد شفیع

لاڈلے مرزا کے بیٹے۔ اسٹیشن کے قریب چھوٹا سا ہوٹل کرتے ہیں مشکل سے گذارا ہوتا ہے۔ سنا ہے کہ اب انھوں نے چوری چھپے شراب بھی بیچنی شروع کر دی ہے۔

(بشکریہ ساتت رنگ کراچی)

شراب کہنہ

سراج اورنگ آبادی

شاہ سراج الدین سراج ۱۷۱۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۶۱ء میں وفات پائی۔ دلی کے بعد دکن کے قدیم اور بہت مشہور شاعروں میں انھیں کا نام لیا جاتا ہے۔

بارہ سال اپنے والد سید درویش کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، یکایک وحشت و بے خودی میں مبتلا ہو کر گھر سے نکل برہنہ تن جنگلوں میں دیوانہ وار پھرتے رہے اور شعر کہتے رہے عاجز ہو کر والد نے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ سات سال تک یہی حالت رہی، بالآخر چند بزرگوں کے فیض اور ان کی صحبت و ارادت سے سکون میسر ہوا۔ ۲۴ سال کی عمر میں ایک دیوان مرتب ہو گیا تھا جس میں پانچ ہزار شعر تھے۔

قریب قریب سب ہی اصناف سخن میں کلام موجود ہے۔ مگر غزلوں میں کیف و ترنم، سوز و گداز اور مثنویوں میں قلبی واردات کی لطیف عکاسی ان کا ایک امتیازی وصف اور قابل قدر کارنامہ ہے۔

خیالات کے اظہار میں فارسی شعرا کا اثر اور دکنی الفاظ کے ساتھ ساتھ بہادری یا حسن و عشق کی مثالوں کے لئے خالص ہندی مشاہیر نیز اوتاروں کے نام بلا تکلف استعمال کئے ہیں۔

۱۹۴۰ء میں "سراج سخن" کے نام سے عبدالقادر سروری صاحب نے مقدمے کے ساتھ کلام کا انتخاب شائع کیا تھا۔

انتخاب

قد ترا سروِ رواں تھا مجھے معلوم نہ تھا　　　گلشنِ دل میں عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
دھوپ میں غم کی عبث جی کوں جلایا افسوس　　　اُس کے سائے میں اماں تھا مجھے معلوم نہ تھا
خاک تیرے قدمِ پاک کی اے نورِ نگاہ　　　سُرمۂ دیدۂ جاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
شبِ ہجراں کی نہ تھی تاب مجھے حرفِ سراج　　　رُخ ترا نور فشاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

آہِ سوزاں میں مری، دامنِ صحرا میں سراجؔ
قبرِ مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

مشتاق ہوں تجھ لب کی فصاحت کا ولیکن
رانجھا کے نصیبوں میں کہاں ہیر کی آواز

توں خسروِ خوباں ہے کہ لے ہند سے تا روم
پہنچی ہے ترے حسنِ جہانگیر کی آواز

دیوانے کوں مت شورِ جنوں یاد دلاؤ
ہرگز نہ سناؤ اُسے زنجیر کی آواز

بہار ساقی ہے، بزمِ گلشن، ہیں مطربان چمن شرابی
پیالہ گل سرو سبز شیشہ، شراب بوادر کلی گلابی!

ہوا شفق پوش باغ و صحرا، محیط ہے رنگِ لالہ و گل
غبار گلگوں ہے آب رنگین، زمیں ہے سرخ اور ہوا شہابی

سراجؔ اُس شوخ چشم کوں کہہ، کہ باغ میں منتظر ہے نرگس
ہجومِ شبنم ہیں لے کے موتی، نثار کرنے کو بھر رکابی

یار کی وضع بے حجابی ہے
شوخ ہے، مست ہے، شرابی ہے

خالِ موزوں صنم کے ابرو پر
نقطۂ فردِ انتخابی ہے

کشورِ دل میں تجھ جدائی سیں
ظلم ہے، شور ہے، خرابی ہے

بھولے ہیں ہر صنم کے کرشموں پہ ہوش کیوں
ان راہدوں میں کشفِ کرامت نہیں رہی

مت ہو بہارِ گلشنِ دنیا کا عندلیب
ان پھول بن میں بوئے رفاقت نہیں رہی

خبرِ تحیرِ عشق سُن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

شہِ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی پردہ دری رہی

چلی سمتِ غیب سیں اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم، جسے دل کہو سو ہری رہی

نظرِ تغافلِ یار کا، گلہ کس زباں سیں بیاں کروں
کہ شرابِ صد قدحِ آرزو خمِ دل میں تھی سو بھری رہی

ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر سیں یہاں ہوا
کہ نہ آئینے میں رہی جلا، نہ پری کوں جلوہ گری رہی

کیا خاک آتشِ عشق نے دلِ بے نوائے سراجؔ کوں
نہ خطر رہا نہ حذر رہا، مگر ایک بے خطری رہی

نئی مطبوعات

اُردو مثنویاں	(تنقید)	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	-/۶	ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵
ڈھائی لاکھ	(جاسوسی)	مترجمہ - ایم - بے عالم	۲/۵۰	نسیم بکڈپو، لکھنو
آتشی تحریر	(نیم تاریخی)	〃 〃 〃 〃	۵/۵۰	〃 〃 〃
پیار کے آنسو	(سماجی ناول)	مجاہد لکھنوی	-/۴	〃 〃 〃
محمد قاسم سے حملہ بابر تک	(تاریخ)	نیاز فتحپوری	۶/۵۰	〃 〃 〃
مشکلات غالب	(شرح)	〃 〃	۲/۵۰	〃 〃 〃
عرضِ نغمہ	(شرح گیت انجلی)	〃 〃	۱/۲۵	〃 〃 〃
سب رس		ملا وجہی مرتبہ شمیم انہونوی	۵/۵۰	مکتبہ کلیاں۔ لکھنو
نوائے کفر	(غزلیں)	منور لکھنوی	۲/۵۰	آدرش کتاب گھر، دہلی ۶
ساگر سنگیت		مترجم 〃 〃	۱/۵۰	〃 〃 〃
اُردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو		ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	۱/۵۰	آزاد کتاب گھر دہلی ۶
جنم جلا	(ناول)	نریندر شرما	۴/۵۰	پیراماؤنٹ پبلشنگ سوسائٹی، دہلی
گھاؤ	〃	〃 〃	-/۳	〃 〃 〃 〃
کرن	〃	عارف مارہروی	۲/۵۰	〃 〃 〃 〃
عروسِ فطرت	(نظم)	اختر لکھنوی	-/۳	نرالی دنیا، دہلی ۶
بادشاہانہ	〃	اختر انصاری دہلوی	۱/۵۰	ادارہ فروغ اردو، لاہور
پیغمبر اسلام	(سوانح و سیرت)	مولانا عبدالصمد	۶/۷۵	دینی بکڈپو، دہلی ۶
مکاتیب حضرت مولانا الیاس		مولانا سید ابوالحسن	۱/۵۰	بکڈپو انجمن ترقی اردو، دہلی ۶
اسلامی نام		مولانا عاشق الٰہی	-/۲۵	〃 〃 〃 〃
چھ باتیں		〃 〃	-/۳۷	〃 〃 〃 〃
اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا		مولانا عبدالباطن	-/۷۵	〃 〃 〃 〃

فنی شاعری جدید — علامہ اخلاق دہلوی — ۲/۵۰ — بکڈپو انجمن ترقی اردو، دہلی ۶

مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط — ڈاکٹر خلیق انجم — ۴/۰ — مکتبہ برہان، دہلی ۶

مناظر قدرت — الیاس برنی — ۱۰/۰ — کتب خانہ نذیریہ، دہلی ۶

عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور — مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی — ۲۰/۰ — دہلی یونیورسٹی، دہلی

زیر طبع کتابیں

غم دوراں (سماجی ناول) ہاجرہ نازلی — نسیم بکڈپو، لکھنؤ

ریکی دیوتا (عجائباتی ناول) ایم۔ جے۔ عالم — 〃 〃 〃

ناموں کے سوداگر (〃) مظہر الحق علوی — 〃 〃 〃

بشہ (شعری مجموعہ) ظفر گورکھپوری — ۲/۵۰ — انجمن ترقی پسند مصنفین شاخ کرلا، بمبئی

شی (ناول) نریندر شرما — پیراماؤنٹ پبلشنگ سوسائٹی، دہلی۔

بت 〃 〃 — ۲/۷۵ — 〃 〃 〃 〃

ش 〃 〃 — ۲/۵۰ — 〃 〃 〃 〃

مضمون نگاری (نیا ایڈیشن) علامہ اخلاق دہلوی — ۳/- — بکڈپو انجمن ترقی اردو، دہلی ۶

۱۹۶۲ء کا شعری ادب — مرتبہ وقار خلیل — ۳/- — تاج پبلشنگ ہاؤس، لونی، میرٹھ

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

راج محل (طبع سوم)

از:۔ ڈاکٹر اطہر علی فاروقی
صفحات:۔ ۹۴ سائز $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$
قیمت:۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
ناشر:۔ ادارۂ ادب، الہ آباد ۳

اُردو میں معیاری اور معقول ڈراموں کا سرمایہ ابھی تک بہت محدود ہے خاص طور پر بچوں اور اسکول یا کالج کے طلبہ کے لئے اسٹیج کے قابل ڈرامے تو اور بھی کم ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر اطہر علی فاروقی صاحب جیسے ذی علم اور تجربہ کار اُستاد نے اس کمی کو محسوس کر کے نہایت خلوص کے ساتھ اس طرف توجہ فرمائی ہے۔

اس مجموعے میں چار چھوٹے چھوٹے ایک ایکٹ کے ڈرامے ہیں۔ انعام، توبہ، قربانی اور وعدہ۔ ہر ڈرامے کی بنیاد اور ماخذ چند مشہور تاریخی واقعات پر ہے۔ اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے مطالعے اور اسٹیج پر پیش کرنے سے وہ محاسن اور اوصاف واضح ہوں جو ہمارے قدیم فرمارواؤں اور برادران وطن کا طرّۂ امتیاز تھے۔

سیر چشمی، محبت، ایمان اور ایفائے عہد یہ وہ صفتیں ہیں جن کی ہر زمانے میں قدر و منزلت رہی اور آج بھی ہمارے نوجوانوں کے کردار سیرت کے لئے انھیں باتوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ کامیاب مکالمے، تاثر، کشمکش اور قابل قدر ڈرامے کے ان لوازمات پر بھی یہ ڈرامے پورے اترتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ تعلیم گاہوں میں نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے اس کتاب سے کام لیا جائے۔

آخر میں "ڈراما اسٹیج کرنے پر اشارات" کے سلسلے میں جو صفحات مخصوص کئے گئے ہیں ان سے اس کتاب کی افادیت اور اہمیت میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ ڈرامے کے انتخاب سے لے کر اختتام تک کے تمام مراحل اور منزلوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہدایت کاری، ریہرسل اداکاری، میک اپ اور اسٹیج سٹنگ وغیرہ کے بارے میں قریب قریب تمام ضروری معلومات

اور فنی نکتے قلمبند کر دئے گئے ہیں۔ میک اپ کے ضمن میں سیدھے سادے آسان اور کم خرچ نسخے بھی درج ہیں اور میکس فیکٹر کمپنی کے میک اپ باکس کی فہرست بھی۔

اسکولوں اور کالجوں میں جو اساتذہ اپنے فرائض اور خدمات کے علاوہ کبھی کبھی ڈرامے کراتے رہتے ہیں ان کو اِن ہدایتوں اور مشوروں سے بڑی مدد اور سہولت حاصل ہو سکتی ہے۔ رنگین ٹائیٹل اور تین ڈراموں کے سٹ کی تصویروں کے ساتھ ساتھ اچھا ہوتا کہ اگر بہتر کاغذ اور معقول کتابت و طباعت کا اہتمام بھی ضروری سمجھا جاتا۔ (رشید نعمانی)

بڑے سے بڑے جانور

از :- محمد اسحٰق صدیقی

صفحات :- ۵۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت :- ۷۵ نئے پیسے

ناشر :- ادارہ جہاں نما، گوئن تالاب، لکھنؤ،

اس دنیا میں کتنے قسم کے جاندار رہتے ہیں اس کا صحیح اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ چھوٹے سے چھوٹے کیڑے جو معمولی آنکھ تو کیا معمولی خوردبین سے بھی نظر نہیں آتے اور اس کے برعکس بڑے بڑے جانور جن کو دیکھنے سے لرزہ طاری ہو جائے۔

اس کتاب میں ایسے ہی چند بڑے سے بڑے جانوروں کا ذکر ہے جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جانوروں کی دنیا میں ہر خاندان کا بڑے سے بڑا جانور کتنا بڑا اور کیسا ہوتا ہے، یہی اس کتاب میں بتایا گیا ہے۔ دیباچہ میں جانوروں کی قسمیں، ان کا فرق اور ان سے متعلق دوسری ضروری معلومات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن جانوروں کا ذکر ہے ان کی تصویریں بھی کتاب میں دی گئی ہیں انداز بیان سہل اور دلچسپ ہے۔ (مدیر)

اُردو کے رسائل

(ماہنامے)

کتاب نما کے گذشتہ شمارے میں ہم نے اُردو رسالوں کی فہرست شائع کی تھی اس فہرست میں ہندوستان کے بہت سے رسالوں کے نام شائع ہونے سے رہ گئے تھے۔ ہماری درخواست پر ڈاکٹر شمس الہدیٰ خاں، مظہر امام صاحب کٹک اور سید نصیر الدین صاحب محبوب نگر نے مندرجہ ذیل رسالوں کی فہرست ارسال فرمائی ہے جسے ہم شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر)

فہرست رسائل جو ہندوستان سے شائع ہو رہے ہیں

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	سالانہ قیمت	مقام اشاعت
۱	پاسبان	مذہبی	-/۵	الہ آباد ۳
۲	شمیم	ادبی	-/۳	الہ آباد
۳	جواب	معمہ	-/۲	الہ آباد
۴	رہنمائے ہومیوپیتھ	ہومیوپیتھک	-/۴	دربھنگہ (بہار)
۵	خاتون مشرق	عورتوں کے لئے	-/۵	دہلی ۶
۶	مستانہ جوگی	طبی	-/۵	دہلی
۷	الاسلام	مذہبی	-/۵	دہلی
۸	رسالہ روزگار	تجارتی	-/۶	دہلی
۹	ھمالستان	ادبی	-/۵	دہلی
۱۰	پرستان	ادبی	-/۵	دہلی
۱۱	مولوی	مذہبی	1/25	دہلی

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	سالانہ قیمت	مقام اشاعت
۱۲	آہنگ (فارسی، اردو)	ادبی	-/۶	دہلی ۶
۱۳	زندگی	مذہبی	-/۵	رام پور
۱۴	دانش	ادبی	-/۵	"
۱۵	بھروسہ	مذہبی		"
۱۶	الواعظ	مذہبی شیعہ	-/۶	لکھنؤ
۱۷	نئی نسلیں	مذہبی	-/۶	"
۱۸	الفرقان	"	-/۶	"
۱۹	البعث الاسلامی	عربی	-/۶	"
۲۰	روحانی دنیا	ادبی	-/۸	"
۲۱	رضوان	"	-/۴	"
۲۲	الحرام	مذہبی	۲/۵۰	میرٹھ
۲۳	دارالعلوم	"	-/۵	دیوبند۔ ضلع سہارنپور
۲۴	تجلّی	"	-/۶	" "
۲۵	تذکرہ	"	-/۵	" "
۲۶	اسلامی دنیا	"	-/۵	" "
۲۷	القاسم	"	-/۵	" "
۲۸	نکہت	ادبی	-/۵	الہ آباد ۳
۲۹	دینیات	مذہبی	-/۴	غازی پور
۳۰	سیرت	"	-/۵	بنارس (یو، پی)
۳۱	صبح نو	ادبی	-/۴	پٹنہ ۴ بہار
۳۲	آفاق	"	-/۵	کلکتہ ۱۴
۳۳	چراغ راہ	"	-/۵	کلکتہ ۱۶
۳۴	صنم	"	۶	پٹنہ ۴
۳۵	تہذیب	"	-/۵	پٹنہ

نمبر شمار	نام رسالہ	نوعیت	سالانہ قیمت	مقام اشاعت
۳۶	البلاغ	مذہبی	۶/-	بمبئی ۲
۳۷	نوائے ادب	ادبی	۶/-	"
۳۸	رحمت	مذہبی	۵/-	ہزاری باغ (بہار)
۳۹	نظام	"	۲/-	کانپور
۴۰	المجیب	"	۵/-	پھلواری شریف (پٹنہ)
۴۱	فارمیسی نیوز	ہومیوپیتھک	۶/-	لدھیانہ
۴۲	رہبر طب	طب	۵/-	امرتسر (پنجاب)
۴۳	نگارش	ادبی	۸/-	امرتسر (پنجاب)
۴۴	تعمیر	"	۶/-	علی گڑھ
۴۵	دوست	"		"
۴۶	انصار میگزین	"	۵/-	"
۴۷	سرتاج	"	۶/-	بارہ مولا (کشمیر)
۴۸	اذان	ادبی، مذہبی	۵/-	سری نگر (کشمیر)
۴۹	سہیل	ادبی	۵/-	گیا (بہار)
۵۰	جام نو	"	۵/-	دھنباد (بہار)
۵۱	نوری کرن	"	نامعلوم	بریلی
۵۲	آریہ ویدی سماچار	آریو ویدک	۶/-	امرتسر (پنجاب)
۵۳	اشوک	ادبی	۴/-	سونی پت
۵۴	جمال	"	۶/-	مالیگاؤں (مہاراشٹر)
۵۵	نئے چراغ راہ	ادبی	۵/-	گھاسی پورہ (ایم-پی)
۵۶	انوارالاسلام	مذہبی	۴/-	بنارس (یو، پی)
۵۷	ساز	ادبی، فلمی	۴/-	کلکتہ ۱۲

ادبی خبریں

مرتبہ:- ظلّ عبّاس عبّاسی

ان صفحات پر علمی، ادبی، تاریخی، اور ثقافتی خبریں درج کی جاتی ہیں
جو حضرات اس قسم کی معلومات اور خبریں مہیا کریں گے اسے
شکریہ کے ساتھ ان کالموں میں درج کیا جائے گا۔

بنارس میں مرزا غالب کا جشن ۲۷ دسمبر ۱۹۶۱ء کو ناگری پرچارنی سبھا بنارس مرال پبلیکیشنز کی طرف سے مرزا غالب کا جشن یوم ولادت منایا گیا۔ سینٹرل ہندو کالج کے پرنسپل ڈاکٹر برج موہن صاحب نے صدارت کی، موصوف نے حکومت ہند سے اپیل کی کہ وہ مرزا غالب کی ایک عظیم الشان یادگار قائم کرے۔

اثر لکھنوی اور نیاز فتحپوری کو اعزاز امسال ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء کے موقع پر جو اعزازات دئے گئے ہیں ان میں اُردو کی دو ممتاز ہستیاں بھی شامل ہیں نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی اور نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری (ایڈیٹر نگار لکھنؤ) دونوں کو "پدم بھوشن" کا اعزاز دیا گیا ہے۔ آصف علی، اصغر علی، فیضی، بڑے غلام علی خاں، ڈاکٹر کوٹھاری وغیرہ کل ۲۷ اشخاص کو یہ اعزاز ملا ہے۔

پنڈت مالویہ کی سوسالہ برسی ۲۵ دسمبر کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی آنجہانی مدن موہن مالویہ کی سوسالہ برسی منائی گئی ڈاکٹر رادھا کرشنن نے مالویہ جی کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی اور خراج عقیدت پیش کیا۔

چین میں انگریزی تعلیم چین کے اسکولوں میں اس وقت دو زبانوں کی تعلیم دی جارہی تھی مگر اب چین نے انگریزی زبان کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر اسے ثانوی زبان قرار دیدیا ہے اور اسکولوں کے علاوہ ریڈیو سے بھی انگریزی کے درس کا انتظام کردیا گیا ہے۔

پنجاب سے اُردو غائب حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ماہ اکتوبر سے ۵۷ ہزار سرکاری ملازمین کو ہندی یا پنجابی میں سے کسی ایک زبان میں کام کرنا ہوگا اس وقت تک اُردو بھی رائج تھی مگر نئے حکم کی رو سے اُردو کا استعمال کم ہو جائے گا۔

فرنچ اکیڈمی کا انعام فرنچ اکیڈمی کا اعلیٰ ترین انعام اسسال ایک ویٹ نامی ناول نگار کو دیا ہے جس ناول پر انعام دیا گیا ہے وہ ۱۸۷۰ء کے جاپان سے متعلق ہے۔

یوم امجد ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۱ء کو حیدرآباد میں یوم امجد حیدرآبادی منایا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرحوم کی یادگار کے علاوہ ایک عجائب گھر (میوزیم) قائم کیا جائے۔

قاہرہ میں جشن ٹیگور نومبر میں قاہرہ میں جشن ٹیگور منایا گیا جس میں متحدہ عرب جمہوریہ کے وزرا، ممتاز افسران، مصنفین، ماہرین تعلیم، اور سفیروں نے شرکت کی۔ اس کا افتتاح مسٹر یوسف نے کیا، ٹیگور کا ڈرامہ بھی اسٹیج کیا گیا۔

علامہ اقبال کی قیام گاہ میکلوڈ روڈ پر علامہ اقبالؒ کی قیام گاہ کو محفوظ کرنے کے انتظامات تیزی سے جاری ہیں مکان کی مرمت ہو رہی ہے اور پرانی شکل میں باقی رکھنے کا انتظام کیا جا رہا ہے مکان میں علامہ اقبال کی تصانیف اور ان پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب جمع کی جائیں گی اور ایک چھوٹا سا عجائب گھر قائم کیا جائے گا۔

سنسکرت کی ترقی ہندوستان کے وزیر تعلیم نے اعلان کیا ہے کہ سنسکرت کی ترقی کے لئے حکومت نے ۱۹ اسکیمیں تیار کی ہیں۔ گذشتہ سال سنسکرت اداروں کی صرف عمارتوں کے لئے حکومت نے تقریباً ۳ لاکھ روپے کی امدادی رقوم دی ہیں۔

دودھ سے اموات مدراس کے دو ضلعوں میں امریکہ کے دودھ کے پوڈر سے اسکول کے تین بچوں کے مرنے کی اور ۷۰ بچوں کے بیمار ہونے کی اطلاع ملی ہے دودھ کی تقسیم تمام اسکولوں میں بند کر دی گئی ہے حکومت کی طرف سے تحقیقات کی جا رہی ہے۔ دودھ کے استعمال سے بیماری یا موت پہلی مرتبہ سننے میں آئی ہے۔

داڑھی مونچھ پر کتاب بڈاپسٹ کے ایک حجام نے ۳۰۰ صفحات کی ایک کتاب شائع کی ہے جس میں قدیم مصری زمانے سے لے کر موجودہ دور تک کی مونچھوں اور داڑھیوں کی جملہ اقسام کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گذشتہ ایک

ہزار سال میں فرانسیسیوں کی مونچھوں اور داڑھیوں میں جتنے تغیرات ہوئے اتنے کسی اور قوم میں نہیں ہوئے۔

مولانا رومی کا ایک قدیم نسخہ مشہور صوفی شاعر جلال الدین رومی (۱۲۰۷ تا ۱۲۷۳ء) کی منظومات کا ایک قدیم نسخہ بخارا میں دریافت ہوا ہے خیال ہے کہ ۱۳ ویں صدی عیسوی میں یہ مرتب ہوا تھا۔ یہ منظومات کے چھ مجموعوں پر مشتمل ہے جنھیں کتابی شکل میں اکٹھا کیا گیا تھا۔ ازبکستان میں رومی کے فارسی کلام کے جو قدیم نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے قدیم ترین نسخوں میں اس کا شمار ہے۔

غالب کی سو سالہ برسی امسال ہندوستان کے مختلف شہروں میں یوم غالب منایا گیا خاص طور پر بنارس، دہلی اور آگرہ میں، سات سال بعد ۱۹۶۹ء میں غالب کی وفات کو پورے سو سال ہونے والے ہیں اس لئے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ جس طرح ٹیگور کا صد سالہ جشن منایا گیا اسی طرح ۱۹۶۹ء میں غالب کی سو سالہ سالگرہ بھی شایان شان طریقہ پر منائی جائے گی۔

روس ہند ثقافتی تعلقات روس اور ہندوستان میں ۳ فروری کو کلکتہ میں ایک ثقافتی معاہدہ پر دستخط ہوگئے ہیں اس کی رو سے دونوں ملکوں میں ثقافتی اور سائنسی تبادلے میں اضافہ کی گنجائش نکل آئی ہے۔ ۱۰ فروری کو روسی زبان کے سب سے بڑے شاعر پشکن کا ۱۲۵ واں یوم وفات منایا گیا۔ سویت عوام کو پشکن سے بے پناہ عقیدت ہے

دیا جلے ساری رات

خواجہ احمد عباس

خواجہ احمد عباس کا شمار ملک کے ان نامور ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے افسانوی ادب کو ایک نئی راہ پر ڈالا، اس میں نئی روح پھونکی اور ایک نئی زندگی بخشی۔ "دیا جلے ساری رات" آپ کے نو ۹ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کا ہر افسانہ اپنے لئے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

خواجہ صاحب کے افسانوں کا یہ تازہ ترین مجموعہ اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ ہے۔ جو یقیناً اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

پاکستانی مطبوعات

ادب و تنقید

تبرکات آزاد　غلام رسول مہر　۶/۵۰
اردو ادب کے آٹھ سال　عشرت رحمانی　۱۵/-
طلسم ہوشربا　رئیس احمد جعفری　۳۲/۵۰
تکلیف مراذیت　〃　۳/-
سرگزشت الفاظ　احمد دین، بی، اے　۳/-
احسن الکلام　امان اللہ خاں ارمان　۱۰/-
گل کدہ　رئیس احمد جعفری　۱۰/-
خطوط غالب　غلام رسول مہر　۳/-
رموز اقبال　میر ولی الدین　۲/۲۵
اقبال قرآن کی روشنی میں　قاضی محمد ظریف　۶/-
عرفان اقبال　بشیر مخفی　۳/-
اقبال اپنے آئینے میں　رئیس احمد جعفری　۷/-
اقبال اور عشق رسول　〃　۶/۷۵
اشارات اقبال　عبدالرحمن طارق　۳/۵۰

نظم

ریاض رضوان　مرتبہ سید نیاز احمد مرحوم　۱۵/-

تاریخ سوانح

نشاط حیدری زتاریخ ٹیپو سلطان ....　۱۰/-
... ترجمہ محمود احمد فاروقی
تاتاریوں کی یلغار　ترجمہ: عزیز احمد　۱۲/-
حکمائے عالم　ترجمہ: ڈاکٹر غلام جیلانی برق　۱۰/-
دنیا کے ظالم حکمراں　امان اللہ خاں ارمان　۷/-
تاریخ تصوف اسلام　رئیس احمد جعفری　۳/۲۵
تاریخ ادب عربی　استاذ احمد حسن زیارت　۲۱/-
تاریخ اسلام　نشتر جالندھری　۱۲/-
آثار امام محمد　رئیس احمد جعفری　۱۲/۵۰
بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد　〃　۲۰/-
تذکرہ غوثیہ　مولوی شاہ گل حسن　۵/-
امام مالک　محمد ابو زہرہ　۱۰/-
دید و شنید　رئیس احمد جعفری　۶/۵۰
سیرت محمد علی　〃　۴/-
حیات امیر خسرو　نقی محمد خاں خورجوی　۳/۵۰
مفتاح القلوب　ترجمہ.....　۶/-
.....خیال امروہوی

صحیفہ کاملہ (سوانح حضرت امام زین العابدین) ۱۲/-
قاسم رضا نسیم امروہوی

ٹیکنیکل

الیکٹرک انجینئر　سعید　۵/-

ریڈیو انجینئر　"　۴/-

ٹیکنیکل کورس　حیدر خادمی　۲/۵۰

موٹر انجینئر　سعید　۴/-

مذہب

بہار شریعت　ابو العلا امجد علی صاحب دو حصے　۴/-

الوحی المحمدی　سید محمد رشید رضا　۷/۵۰

اسباق الاخلاق　ظہور الحق قریشی　۴/۵۰

اصلاحات کبریٰ　ابو القاسم رفیق　۹/-

اسلام کے عالمگیر اصول　علامہ فرید وجدی　۳/-

موازنہ صلیب و ہلال　نکہت شاہجہانپوری　۲/۵۰

انوار اصفیا　ادارہ تصنیف و تالیف　۱۲/-

مقالات قرآنی　عبد اللہ العمادی　۳/

مرد مومن　میر ولی الدین　۲/۲۵

تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول ...　۲/۲۵
.... حیدر زماں

قرآنی دستور حیات　ابو یحییٰ امام خاں　۴/-

اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام .....　۵/-
نکہت شاہجہانپوری

انوار انبیاء　ادارہ تصنیف و تالیف　۱۰/-

صحیفہ علویہ　سید مرتضیٰ حسین فاضل　۸/-

تعلیم

تعلیمی نفسیات　پروفیسر عبد الحی علوی　۱۰/-

فلسفہ تعلیم و تربیت　رئیس احمد جعفری　۳/۷۵

نفسیات اور سائنس

زندگی تابندگی　کمال احمد رضوی　۳/۷۵

تابناک زندگی　حسین انور　۵/-

خود شناسی　عابدی جعفر　۳/۵۰

تاریک و بدنام گوشے　"　۷/-

ہر دلعزیزی　"　۴/-

ہم اور نفسیات　"　۳/۵۰

عورت اور جنسیات　"　۶/۷۵

ضبط تولید اور ہمارے بچے　"　۵/-

ہم اور جنسیات (اول)　"　۵/۲۵

"　" (دوم)　"　۴/-

جنسی آسودگی　"　۵/-

نفسیاتی جائزے　"　۷/-

نفسیاتی الجھنیں　"　۵/۲۵

بچوں کی نگہداشت　حسین انور　۳/۵۰

فلسفہ کامرانی　"　۸/-

عادتیں اور جرائم　"　۷/۵۰

دولت آپ کے قدموں میں　"　۶/-

زندگی سے فائدہ اٹھائیے　کمال احمد رضوی　۳/-

خود کو بھی موقع دیجئے — کمال احمد رضوی — ۴/۵۰
نفسیاتی علاج — رئیس احمد جعفری — ۳/۰
جدید نفسیات — ارمان سرحدی — ۳/۲۵
شخصیت اور اس کا مطالعہ — عبدالحیٔ علوی — ۳/۰
نوجوانوں کی نفسی بیماریاں — ڈاکٹر بشارت اللہ — ۲/۵۰
تحلیل نفسی — حزب اللہ، ایم، اے — ۱۲/۰
ننھے منّوں کی نفسیات — صوفی گلزار احمد — ۲/۵۰
فرض شناسی — ناصر حسن — ۴/۰
دوست بنو دوست بناؤ — نسیم امروہوی — ۲/۵۰
ہمارے بچّے (چار حصّے) — ظہورالحق — ۶/۲۵
مطمئن رہیے — محمد شفیع الدین — ۳/۵۰
قابلیت کا مصرف — کے، نوکس — ۳/۵۰
نئی ایجادیں — علی ناصر زیدی — ۲/۵۰
سائنس شاہراہ ترقی پر — " — ۴/۰
ملک ملک کی سیر — " — ۳/۵۰
معجزات سائنس — " — ۴/۰
مصنوعات کی کہانی — " — ۳/۰
سائنس اور جرم — " — ۳/۵۰
موجد اور ایجادیں — ترجمہ: ابوالحسن نغمی — ۲/۷۵

طب

[illegible] (حصور) رضوان — ۱۵/-

کتاب المرکبات — حکیم منظور حسین اعوان — ۶/۲۵
کتاب السموم — حکیم خواجہ رضوان — ۴/-
کتاب المفردات — حکیم مظفر حسین — ۷/۲۵
بستان المفردات — حکیم محمد عبدالحکیم — ۶/-

لغات

فیروز اللغات کلاں — اردو — ۱۶/-
" " — فارسی — ۱۵/-
جدید نسیم اللغات — ۱۰/-

ناول، افسانے

اسی کا نام دنیا ہے — رئیس احمد جعفری — ۱۲/۰
ملک ملک کی لوک کہانیاں — ریاض جاوید — ۲/۵۰

اسکول کے طلباء کے لئے

ہائی اسکول علم الاجسام ... ڈاکٹر خواجہ محمد شاہ — ۲/۵۰
ہائی اسکول کیمیا — چودھری طفیل محمد — ۲/۲۵
ہائی اسکول جغرافیہ — مستنصر باللہ — ۳/۵۰

یہ پاکستانی کتابیں
اور خاص طور پر

انجمن ترقی اردو، ادارہ فروغ اردو، مکتبہ جدید، فیروز سنز، ادارہ ثقافت اسلامیہ، مجلس ترقی ادب، بزم اقبال، اردو اکیڈمی وغیرہ وغیرہ کی ادبی اور مذہبی کتابیں۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ جے جے اسپتال بمبئی ۸ سے مل سکتی ہیں۔

"میری لائبریری" کے تحت مکتبہ جدید لاہور

کی شائع کردہ اچھی اور سستی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
سنگ وخشت	کنہیا لال کپور	۱/۵۰
شیشہ وتیشہ	"	۱/۵۰
گردِ کارواں	"	۱/۵۰
پرواز	شفیق الرحمن	۱/۵۰
لہریں	"	۱/۵۰
حماقتیں	"	۲/۰۰
مزید حماقتیں	"	۳/-
گرما گرم لطیفے	مرتبہ اشفاق احمد	۱/۵۰
چراغ تلے (کھٹے میٹھے مضامین)	مشتاق احمد یوسفی	۱/۵۰
تذکرہ	ابوالکلام آزاد	۳/-
غبارِ خاطر	"	۳/-
دیوانِ غالب	مرزا اسد اللہ خاں غالب	۲/۲۵
میرے بھی صنم خانے	قرۃ العین حیدر	۳/-
قلوپطرہ	مترجم ناظر حسین پالوی	۳/-
حلال وحرام	عطاء اللہ پالوی	۲/۲۵
ابوبکر صدیق	محمد حسین ہیکل	۴/۵۰
عمر فاروق اعظم	"	۸/-
دس بڑے مسلمان	محمد اسمٰعیل پانی پتی	۴/-
امام زین العابدین	عبدالعزیز	۱/۷۵
الحسین	عمر ابوالنصر	۱/۵۰
الزہرا	"	۱/۱۰
الہارون	"	۲/۲۵
المامون	شبلی نعمانی	۲/۲۵
امیر معاویہ	انیس ذکریہ	۱/۲۵
رابعہ بصری	دراوتسکا کیسی	۱/۵۰
جینے کی اہمیت	لن یوتانگ	۵/۵۰
گفتگو اور تقریر کا فن	ڈیل کارنیگی	۲/۲۵
پریشان ہونا چھوڑیے	"	۳/-
میٹھے بول میں جادو ہے	"	۳/-
زندگی اور عمل	ڈاکٹر ماڈرن	۱/۵۰
معلومات کا انسائیکلوپیڈیا	علی ناصر زیدی	۳/-
سیف اللہ خالد	ابوزید شبلی	۲/۲۵
سلطان محمد فاتح	محمد مصطفیٰ صفوت	۱/۵۰
عمر بن عبدالعزیز	احمد ذکی	۱/۲۵
شیر شبیر شیر	جم کاربٹ	۳/-
جنس کا جسمانی پہلو	کینتھ واکر	۲/۵۰
جنس کا نفسیاتی پہلو	"	۴/-

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، جے جے اسپتال بمبئی ۳

فارم IV حسب قاعدہ ۸ بابت "کتاب" نمائی دہلی

۱۔ مقام اشاعت:۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

۲۔ طریقہ اشاعت: ماہنامہ

۳۔ پرنٹر کا نام: سید احمد ولی۔ قومیت: ہندوستانی۔ پتہ: جامعہ نگر، نئی دہلی

۴۔ پبلشر کا نام: سید احمد ولی۔ قومیت: ہندوستانی۔ پتہ: جامعہ نگر، نئی دہلی

۵۔ ایڈیٹر کا نام: ریحان احمد عباسی، قومیت: ہندوستانی۔ پتہ: جامعہ نگر، نئی دہلی

۶۔ مالکان کے نام و پتے: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی۔ چیرمین پروفیسر محمد مجیب، جامعہ نگر، نئی دہلی

ڈائرکٹرز: ۱۔ سید مجتبیٰ حسین زیدی، جامعہ نگر، نئی دہلی

۲۔ ڈاکٹر عبدالعلیم ۳ یونیورسٹی روڈ، علی گڑھ

۳۔ مسٹر ایم آر چپائے مہر بلڈنگ۔ چوپاٹی۔ بمبئی ۷

۴۔ مسٹر ایم ایچ ہاشم پریم جی ۵ گھوگا اسٹریٹ، بمبئی ۱

۵۔ ہزہائی نس نواب اقبال محمد خاں آف پالن پور، کف پریڈ، کولابہ۔ بمبئی۔

۶۔ مرزا محمود بیگ۔ پرنسپل دہلی کالج۔ دہلی۔

۷۔ کرنل بشیر حسین زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

کمپنی کے سرمایہ کے ا فی صدی سے زیادہ کے حصہ دار:۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

اسلام جیم خانہ۔ کنیڈی سی فیس، بمبئی۔

شری مالک رام لوتھرا۔ ہندوستانی سفارت خانہ۔ برسلز، بلجیم

میں سید احمد ولی تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

۲۵ فروری ۱۹۶۲ء دستخط احمد ولی پبلشر

کتاب نما

سالانہ چندہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	فی پرچہ دس نئے پیسے

دپرنٹر و پبلشر سید احمد ولی نے کوہ نور پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

بچّوں کے لئے دلچسپ معلوماتی کتابیں

● **بڑ دادا کی کہانی** اِس کتاب میں چار دلچسپ معلوماتی کہانیاں ہیں جن میں ہندوستان کی برسہا برس پُرانی کہانی "بڑ" کے ایک بوڑھے درخت سے کہلوائی گئی ہے۔ قیمت ۵۶ نئے پیسے

● **سونے کی چڑیا** اس معلوماتی کتاب میں مغلیہ عہد کے ہندوستانی تمدن کی ایک رنگین جھلک نظر آئے گی جس کو بنانے میں مسلمان اور ہندو دونوں کا ہاتھ رہا ہے۔ قیمت: ایک روپیہ

● **سمندر کے کنارے** اِس کتاب میں سمندر کے کنارے رہنے والی مخلوق اور طرح طرح کے عجیب جانوروں کی کہانیاں ہیں۔ خوب صورت ٹائیٹل ــ رنگ برنگی تصاویر۔ قیمت: ایک روپیہ ۱۲ نئے پیسے

● **آدمی کی کہانی** اب سے ہزاروں برس پہلے آج جیسی نہ آدمی کی صورت تھی اور نہ آج جیسا رہن سہن۔ یہ سب درجہ بدرجہ کس طرح ہوا، اس کی کہانی اِس کتاب میں پڑھیے۔ قیمت: ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے

● **انوکھا عجائب خانہ** اِس کتاب میں چھوٹی موٹی روزمرہ کی چیزوں کے بارے میں سوال قائم کرکے ان کے جواب دئے گئے ہیں۔ سوال و جواب کا انداز بے حد مزیدار اور دلچسپ ہے۔ قیمت: حصّہ اوّل ۵۰ نئے پیسے۔ حصّہ دوم ۴۰ نئے پیسے

Regd No D.58

March 1962

Kitab Numa

JAMIANAGAR, NEW DELHI. 25

کتاب نما
ماہنامہ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر دہلی

مسٹر سچین سین گپتا بنگال کے مشہور ڈرامانگار اور صحافی ہیں۔ آپ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، غیر سرکاری اداروں میں نجی طور پر تعلیم حاصل کی اور صحافت سے دل چسپی لینے لگے

بعض وقیع اخباروں سے منسلک رہ چکے ہیں۔

۱۹۲۹ء سے بنگلا زبان میں ڈرامے لکھنا شروع کئے جن کی تعداد ۲۴ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ تمام ڈرامے بار بار کھیلے اور شایع کئے جا چکے ہیں۔

سراج الدولہ آپ کا مشہور ڈراما ہے۔ مغربی بنگال اور مشرقی پاکستان میں اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے اٹھارہ ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ اردو میں اس کا ترجمہ اشفاق حسین صاحب نے کیا ہے اور پہلی مرتبہ مکتبہ جامعہ اسے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

نگراں:- غلام ربانی تاباں

ماہنامہ **کتاب نما** نئی دہلی

مدیر:- ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | اپریل ۱۹۶۲ء | شمارہ ۴

اشاریہ

راجندر سنگھ بیدی کا ناولٹ 'ایک چادر میلی سی' اب سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہئے تھا مگر اس کے سرورق اور کچھ فرموں کی طباعت کے خراب ہو جانے کی وجہ سے اس کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی۔ ہمیں افسوس ہے کہ شائقین کو اس کے لئے زحمتِ انتظار برداشت کرنی پڑی۔ یہ بہرحال 'دیر آید درست آید' کے مصداق اب یہ کتاب مکتبہ جامعہ کے روایتی معیار کے مطابق چھپ کر اپریل کے پہلے ہفتے میں آپ کے سامنے آجائے گی۔

۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو جامعہ ملیہ میں ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کی صدارت میں ایک چھوٹا سا مگر نمائندہ ہند پاک مشاعرہ منعقد ہوا۔ شعراء میں پاکستان سے آنے والوں میں جناب حفیظ جالندھری، جناب سید محمد جعفری، جناب شوکت تھانوی، جناب حبیب جالب، جناب اقبال صفی پوری، جناب نظر جعفری، اور ہندوستانی شعراء میں جناب فراق گورکھپوری، جناب روش صدیقی، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب نشور واحدی، جناب مخدوم محی الدین، جناب انور صابری، جناب شاقب ردولوی، جناب واقف امروہوی، جناب فرقت کاکوروی، جناب دلاور فگار، جناب بیکل اتساہی، جناب ملک زادہ منظور احمد، محترمہ شاہجہاں بانو یاد، محترمہ ممتاز مرزا، اور جناب غلام ربانی تاباں نے اپنے اپنے کلام سے نوازا اور حاضرین کو مستفید اور محظوظ فرمایا۔

ہندوستانی رسالوں (ماہناموں) کی فہرست شائع کرنے کا جو سلسلہ ہم نے بعض قارئین کتاب نما کی فرمائش پر شروع کیا تھا وہ نامکمل صورت میں شائع کیا جا سکا۔ بعض ایسے رسائل کے نام آگئے جو اب نہیں نکل رہے ہیں اور بعض ہفتہ وار یا سہ روزہ رسائل کے نام بھی ان میں شامل ہو گئے

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

انیس قدوائی

مرزا غالب ـــــ گپ شپ

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

میرا خیال ہے کہ یہ صرف غالبؔ کا حُسنِ ظن تھا۔ وہ متقی پرہیزگار ہوتے جب بھی حکیم آغا جان عیش یہی کہتے:

کلامِ میر سمجھے اور کلامِ میرزا سمجھے
مگر اپنا کہا وہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اور مشکل پسندی و مہمل گوئی کا خلعتِ ملامت یوں ہی انھیں ملتا رہتا۔ بھلا ان کو قبل از وقت ایک صدی پہلے ہندوستان میں وارد ہو جانے کی ایسی جلدی کیا پڑ گئی تھی۔ خیر سے اب آئے ہوتے تو ہندوستان کیسا سارا ایشیا بلکہ یورپ تک ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتا۔ اور اپنے دیس والے بھی پلکیں بچھاتے۔ اپنے اشعار کو سخن فہموں اور سخن شناسوں کی زبان ہی پر نہیں، شلوار، جامہ، اور ٹیکا پہنے چغتائی آرٹ میں مجسم دیکھتے۔ ان نکیلے سجیلے نقوش، لانبی لانبی شمع جیسی انگلیوں، اور کٹار جیسی آنکھوں کو دیکھ کر غالبؔ کیا کہتے؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ خیال تو یہی ہے کہ اس بانکپن اور رنگ و روپ کو دیکھ کر مارے خوشی کے اپنا زانو پیٹ لیتے۔ ویسے مزاج ان کا بڑا نانا شاہی تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی طبع سلیم پر گراں گزرتا اور گریبان چاک کر بیٹھتے۔

گاندھی جی ٹھیک وقت پر آئے۔ زمانہ سازگار ملا۔ اس لئے قدیم بزرگانِ دین کے ذاتی اور انفرادی عدم تشدد کو اس ٹھاٹھ سے ایجاد بندہ بنا کر اجتماعی شکل میں ملا دنیا کے سامنے پیش کر سکے غالبؔ کی عجلت پسندی نے ایک ایسے دورِ تنزل میں جنم لیا جب پرانی تعمیریں دم توڑ رہی تھیں اور نئی قدریں پرانے نظریوں سے ٹکرا کر سب کچھ توڑ پھوڑ دینے پر آمادہ تھیں۔ اس الٹ پلٹ میں ٹھکانے کی بات کون سنتا۔ اچھے اچھے بھلے مانس ان دنوں زندگی سے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ اور بڑے بڑے

سو رہا اس فکر میں تھے کہ ذرا خیال و تصور کی جنت میں پناہ مل جائے، تو کسی ماہ رو کے آنچل تلے دم لے لیں۔ خود غالب کا یہ حال تھا۔

دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غم ناں شد
زراعت گاہ دہقاں می شود چوں باغ ویراں شد

اپنی اس خانہ ویرانی کو دور کرنے کے لئے انھوں نے عرفان و حقیقت، سیاست و مذہب سب کا چورا بنایا اور "آلودہ بہ مے" کر کے سب کے جام و سبو بنا ڈالے۔

مرزا غالب کو اپنی فارسی دانی اور فارسی گوئی پر بڑا ناز تھا۔ کہا کرتے تھے۔

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگ من است

حالانکہ وہی بے رنگی اس رنگ رنگیلی دنیا کو اتنی پسند آگئی اور ارباب علم و فن نے اُسے یہاں تک اچھالا کہ پرجوش عقیدت مند الہام تک کے قائل ہو گئے اور ملک کے ہر رنگ میں اس بے رنگی کی آمیزش ہو گئی۔

بہرحال اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ فارسی ہو یا اردو غالب نے کہیں بھی خیال و تصور کو حقیقت و واقعیت کا جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ تجربات و مشاہدات کو شعر و سخن کا لباس عطا فرمایا ہے اور ان کی مقبولیت کا بڑا سبب یہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کوئی بات بھی کہنا چاہو، کسی موضوع پر بھی گفتگو ہو رہی ہو، کیسا ہی تذکرہ کیوں نہ ہو۔ غالب کا برمحل اور برموقع شعر زبان پر آ ہی جاتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو پر ان کی نظر پڑی ہے اور ہر منظر کی انھوں نے عکاسی کی ہے۔ اب اس کو چاہئے "ادب برائے زندگی" کہئیے یا "زندگی برائے ادب"، "ناؤ گاڑی پر یا گاڑی ناؤ پر" بات ایک ہی ہے۔ زندگی میں کبھی یہ بھی ہوتا ہے اور وہ بھی۔

ویسے غالب کے کلام کی تو روز ہی بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور آج کل تو یہ فیشن ہو گیا ہے جس نے قلم ہاتھ میں لیا پہلے مرزا غالب پر مقالہ گھسیٹ مارا۔ لیکن "کار دنیا کسے تمام نہ کرد" والا قصہ ہے۔ انکشاف کا دروازہ بند ہونے والا نہیں۔ جب بھی اس جھروکے میں جھانکو "دامان باغبان و کف گل فروش" نظر آتا ہے۔ اور جب کبھی اس سمندر میں ڈبکی لگاؤ، ایک نہ ایک دن موتی مل ہی جاتا ہے۔ اب یہی لیجئے ذرا سا مصرعہ ہے۔

شوقِ فضول و جراَتِ رندانہ چاہیئے

بظاہر معمولی سا عاشقانہ مصرعہ ہے۔ سیدھے سادے لفظ ہیں۔ لیکن جو خیال و تصور کے رسیا ہوں اور جن کے پاس قوت و عمل کا فقدان ہو، وہ اس کا شاعرانہ لطف اٹھائیں۔ مگر حرکت و عمل کے شیدائی کو تو ایک جہان معنی اس مصرعہ میں چھپا ہوا نظر آئے گا۔ مصرعہ کیا ہے "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ" ہے۔ بات سو فی صدی سچی ہے۔ آفرینش عالم کے وقت بھی درست تھی۔ آج بھی اتنی ہی جنچی تلی ہے۔ ایک طرف تو ان چند لفظوں میں طلب و آرزو کا طوفان چھپا ہوا ہے اور دوسری طرف "بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق" والی بے باکی، زندی اور سرمستی بھی ہے۔

غالب فطرت کے راز داں تھے ان کی نظر بھلا انسان کی ان دو عظیم الشان صلاحیتوں پر کیوں کر نہ پڑتی۔ یہ صلاحیت شاید ودیعت ہی اس لئے کی گئی تھی کہ انسان موقع پاکر فرشتہ نہ بن سکے۔ اور اس کا شوقِ فضول دنیا کو "جنت نگاہ و فردوس گوش" بناتا رہے۔ اور شاید در پردہ منشائے قدرت یہ بھی ہوگا کہ جرأتِ رندانہ آپ اپنی موت کا سامان کرتی رہے اور فنا و بقا کا توازن قائم رہے۔

یہ واقعہ ہے کہ انسانیت کے خمیر میں اگر "شوقِ فضول" نہ ہوتا یہ دنیا آج بھی مٹی کا ٹیلہ یا دلدل بنی رہتی۔ اور بقول جوش، اب بھی یہاں آندھیاں ہونکتی رہتیں۔ نہ یہ نظم و ترتیب ہوتی، نہ دل کشی و رعنائی، نہ یہ تنوع ہوتا نہ یہ بوالعجبی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ یہ انسان کا شوقِ فضول ہی تھا جس نے قوموں اور قبیلوں کو جنم دیا سلطنتوں کی بنیاد رکھی۔ تہذیب و تمدن کا ڈھنڈورا پیٹا۔ ذرے ذرے سے یگانگت پیدا کی۔ فطرت سے تال میل بڑھائی۔ "خیابان و گلزار و باغ" آراستہ کئے۔ پرستش و محبت کے زندۂ جاوید نقوش پتھروں پہ ثبت کئے۔ اور کائنات کے ہر تار کو مضرابِ عقل سے چھیڑ کر نغمے پیدا کئے۔ غالب نے اپنے توہم پرست زمانے کو بہتیرا سمجھایا کہ ؎

بگذر ز سعادت و نحوست کہ مرا
ناہید بہ غمزہ کشت و مریخ بہ قہر

لیکن وہ لوگ سعادت و نحوست کے چکر سے نہ نکلے اور اجرام فلکی سے مرعوب ہی رہے یہ سعادت تو ہمارے اور آپ کے زمانے کی قسمت میں لکھی تھی۔ اس دور کے انسان کی جرأتِ رندانہ نے کائنات کے بھید کو چھو لیا اور ماہ و مریخ سے چہلیں ہونے لگیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ صرف اسی شوقِ فضول نے انسان کو دیوتا بننے سے بچا لیا اور حیوان

کی سطح سے اونچا کر دیا۔

شوق فضول نہ ہوتا تو شعرا کے اشعار پھیکے، ادیبوں کی تحریر بے مزہ، فلسفیوں کی کاوشیں نری حماقتیں بن جاتیں، وکیلوں کی وکالت ٹھپ اور ایڈیٹروں کے قلم کی روانی رک جاتی۔ عشرت گاہیں سونی اور خانقاہیں ویران ہوتیں۔ اور بے چارے ٹوائیلٹ کے تاجر مکھیاں مارنے لگتے۔

غالب پرانے زمانے کے وضع دار آدمی تھے۔ ان دنوں ترقی پسندی کی ٹھیکے داری کا دستور نہ تھا۔ نہ آج کل کی طرح ہر شیشی پر لیبل لگایا جاتا تھا۔ سچی اور کھری چیزیں کھلے بندوں بکتی تھیں اور ہر آدمی جنرل مرچنٹ ہو سکتا تھا۔ اس لئے غالب نیتا بن سکے، نہ کامریڈ۔ سیدھے سادے شاعر رہے۔

قوم کا درد، دنیا سنوارنے کی آرزو، اور وطن کی بربادی کا غم ان کے دل میں بھی تھا لیکن کیا کرتے مجبور تھے۔ بوستانِ خیال تو اس زمانہ میں لکھی جا سکتی تھی، مگر کمپنی باغ میں تقریر نہیں ہو سکتی تھی۔ لے دے کر بس ایک ہتھیار ان کے پاس تھا کہ شعر کہہ ڈالو۔ اور جو جا ہو اس میں کہہ دو۔

اب نئے ادب ہی کو لے لیجئے۔ کس کثرت سے رات کی سیاہی اور سورج کے طلوع کا تذکرہ اس میں ملتا ہے۔ لیکن غالب پچھلی صدی میں اس دور کی خبر دے چکے تھے۔

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

بہ ظاہر تو وہ "ساقی و مغنی و شراب و سرود" کے دلدادہ نظر آتے ہیں مگر ساتھ ساتھ یہ نصیحت بھی کرتے جاتے ہیں

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

کیا کیا جائے عوام کا مذاق ہی ایسا تھا جب کبھی وہ دعوتِ نشاط دیتے تھے۔ کہ

نشہ ہا شاداب رنگ و ساز ہا مست طرب
شیشۂ مے سرو سبز جوئبار نغمہ ہے

تو خلقت سر دھنتی تھی۔ واہ واہ کا شور بلند ہوتا تھا لیکن جب ان کی نظر فلک کج رفتار پر پڑتی، اور جھنجھلا کر خالص مارکسی انداز میں نوجوانوں کو للکارتے کہ

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم"

تو یوں کہتیں۔ بڈھا دیوانہ ہو گیا ہے" اور عوام و خواص بول اٹھتے۔ پتہ نہیں کیا بکتے ہوا۔ اپنا کہا تم آپ سمجھو یا خدا سمجھے" اور غالب دل شکستہ و افسردہ ہو کر کہتے۔

تو اے کہ محو سخن گسترانِ پیشینی مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

مرزا کی دور رس اور گہری نظروں نے حال اور مستقبل سب کچھ دیکھا۔ اور جب انگریزوں نے دلی کے باغوں میں اپنے ڈیرے ڈالے اور لال قلعہ پر اپنا پرچم اڑایا تو وہ کلیجہ مسوس کر رہ گئے۔ لیکن نہ جہاد کا دم تھا، نہ سینہ گرہ کرنا آتا تھا، چپکے سے اتنا کہہ کر رہ گئے۔

بہ صبح بال فشانانِ صبح گاہی را
ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

سیدھی سی بات تھی کہ بھیا یہ کلیلیں جاکر اپنے گھونسلوں میں کرو۔ ہماری شاخوں اور پھولوں کو کیوں تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔

غالب کی حسرت ۸۸ سال بعد ان کے اہالیانِ وطن نے پوری کر دی۔ اور ان "بال فشانانِ صبح گاہی" کو ان کے گھر واپس کر دیا۔

مرزا کی سیاسی سوجھ بوجھ بھی کچھ کم نہ تھی۔ ٹھیک وہی بات جو ان دنوں دیس کا ہر بڑا آدمی اور سیاست داں کہتا ہے، کتنے لطیف پیرایہ میں غالب کہتے ہیں:

بجنگ باج ستانانِ شاخسارے را
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

یعنی یہ بین الاقوامی لوٹ کھسوٹ کرنے والے جو لڑ بھڑ کر تمہارے باغوں کو تاراج کرنے آتے ہیں۔ انھیں دروازہ ہی سے خالی ہاتھ لوٹنے پر مجبور کر دو۔

لیکن یہ سب کچھ کہہ کر جب اہالیانِ محفل کے تیور دیکھتے۔ تو معذرت کرنے لگتے اور بذلہ سنجی میں پناہ ڈھونڈ ھتے۔

"بادہ اگر بود حرام بذلہ خلاف شرع نیست
دل نہ تہی بخوب ما طعنہ مزن بزشت ما"

غالب مومن کی طرح جوتشی نہیں تھے لیکن غضب کے قیافہ شناس تھے۔ آدمی کی طوفان خیز صلاحیتوں کو دیکھ کر انھوں نے کہا ؎

زمام گرم است ایں ہنگامہ بنگر شور ہستی را قیامت می دمد از پردۂ خاک انساں شد"

لیکن مرزا کے فرشتوں کو بھی خیال نہ ہوگا۔ کہ کبھی انسانیت کے تیور اتنے تیکھے اور انداز اتنے بھیانک بھی ہو سکتے ہیں کہ حسن و عشق اور رنگ و نور سب پناہ مانگیں گے۔

بہرحال غالب نے فارسی میں بھی خوب خوب جولانی طبع دکھائی ہے۔ بس۔ فارسی دیوان کی یہ بدنصیبی رہی کہ اسے کوئی عبدالرحمٰن بجنوری نہیں ملا۔ اور اتنی خوش قسمتی بھی کہ اسے ڈاکٹر عبداللطیف سے سابقہ نہیں پڑا۔ حالانکہ شاعر نہ کسی کے لئے کچھ کہتا ہے۔ نہ کسی وجہ سے کہتا ہے۔ اس کا شوق اس کا جنوں اور اس کا عشق اُسے ادھر لے جاتا ہے۔ جو کہلواتا ہے' کہتا ہے۔ غالب نے خود اقرار کیا ہے۔

زمام ناقہ بدست تصرف شوق است
بہ سوئے قیس گر آید ز ساربان نبرد

(بشکریہ ہماری زبان علی گڈھ)

(بقیہ مچھیرے کی وصیت ص ۱)

وہ سب سچ ہے!"

بوڑھے نے اپنی بنی ہوئی ٹوپی اتار لی جو پہلے کبھی سرخ رہی ہوگی اور اب بھورے رنگ کی ہوگئی تھی' اپنا پائپ نکالا اور اپنا ننگا گھٹا ہوا سر جھکا کر زور دے کے کہنے لگا:

"ہاں یہ سب سچ ہے' سینیور! لوگ ویسے ہی ہوتے ہیں جیسا آپ انھیں دیکھنا چاہتے ہیں' ان کو لطف اور مہربانی کی نظر سے دیکھئے تو آپ ان کے اور اپنے دونوں کے حق میں بھلائی کریں گے۔ وہ بہتر ہو جائیں گے اور خود آپ بھی۔ سیدھی سی بات ہے' ٹھیک ہے نا؟

ہوا کی تیزی مسلسل بڑھ رہی تھی' موجیں زیادہ اونچی اٹھتی جارہی تھیں اور زیادہ تیز اور زیادہ سفید ہوتی جارہی تھیں' پرندوں کے جھنڈ سمندر کی سطح پہ نمودار ہو کر تیزی سے دور اڑتے جاتے تھے اور تہرے بادبانوں والی دونوں کشتیاں افق کے نیلگوں کنارے کے پیچھے چھپ چکی تھیں۔

جزیرے کے ڈھلوان ساحل جھاگ کی وجہ سے بالکل سفید ہو رہے تھے' گہرے نیلے رنگ کا سمندر ہیجانی کیفیت میں مبتلا معلوم ہوتا تھا اور ٹڈے اپنا ان تھک' پر جوش راگ الاپے جارہے تھے۔

(یہ افسانہ میکسم گورکی کی کتاب "اطالوی کہانیاں" سے لیا گیا ہے۔)

ساحر بھوپالی

غزل

سزاوارِ رشکِ جہاں ہو گئے ہم
ترے عشق میں بے نشاں ہو گئے ہم

فسانہ غمِ ہجر کا کہتے کہتے!
خود عبرت کی اک داستاں ہو گئے ہم

شب و روز بڑھتی گئی سوزشِ غم
یہاں تک کہ آتش بجاں ہو گئے ہم

ترے آستاں تک تو لائی تھی وحشت
خدا جانے پھر گم کہاں ہو گئے ہم

جہاں بھی ذرا ملتفت اُن کو پایا
تو خود سے بھی پھر بدگماں ہو گئے ہم

سرِ رہ غبارِ پسِ کارواں تھے
ہوئے گم تو منزل نشاں ہو گئے ہم

یہاں تک بڑھا اعتمادِ محبت
کہ بے فکرِ سود و زیاں ہو گئے ہم

تھے گویا تو یک سر حقیقت نگر تھے
ہوئے چپ تو اک داستاں ہو گئے ہم

بڑھا دردِ دل بھی تو کب آہ ساحر
کہ جب بے نیازِ فغاں ہو گئے ہم

★

یہ غزل ساحر بھوپالی کے نئے مجموعۂ کلام "تیر بہدف" سے لی گئی ہے۔ تیر بہدف، صفحات ۱۴۰، سائز ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد قیمت ۳ روپے

روسی مطبوعات

ان کتابوں کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں نفیس کاغذ، خوشنما ٹائپ کی عمدہ چھپائی
اور بہترین جلد۔ اس کے باوجود قیمتیں بہت ہی کم

نام کتاب	مصنف	صفحات	سائز	قیمت	
وقت کی اڑان (۸ کہانیاں)	پوستووسکی	۱۶۷	۲۰×۳۰/۱۶	غیر مجلد	۳۷ نئے پیسے
تیمور کی ٹولی (بچوں کا ناول)	ارکادی گیدار	۱۱۲	۱۸×۲۲/۸	"	۳۷ " "
سورج کا خزانہ (۳ کہانیاں)	میخائل پریشوین	۱۴۸	۲۰×۳۰/۱۶	"	۴۴ " "
پائپ (" ")	یوری ناگیبن	۲۰۸	"	"	۵۰ " "
اسنیگرتیس کا ہوٹل (" ")	ماتوے تیولیوف	۲۳۸	"	"	۵۰ " "
ہنستا کھیلتا کنبہ (بچوں کے دلچسپ تجربے)	نوسوف	۹۰	۱۷×۲۷/۸	"	۷۵ " "
داماد (ناول)	تندریاکوف	۲۳۲	۲۰×۳۰/۱۶	"	۵۶ " "
جیالے (" ")	شرف رشیدوف	۳۵۶	"	"	۹۴ " "
پیراکی کا استاد (بچوں کی دلچسپ کہانیاں)	یوری سوتنک	۱۴۲	۱۷×۲۷/۸	مجلد	۸۷ " "
تین سال (ناول)	چیخوف	۲۵۸	۲۰×۳۰/۱۶	"	۹۴ " "
انسان کی پیدائش (ناول)	میکسم گورکی	۱۶۷	۱۸×۲۲/۸	غیر مجلد	ایک روپیہ ۱۲ " "
ایوان بیلکین کی کہانیاں (۶ طویل کہانیاں)	پشکن	۱۴۸	"	مجلد	ایک " ۱۲ " "
تاراس بلبا (ناول)	نکولائی گوگول	۲۴۲	"	"	ایک " ۱۲ " "
بے چارے لوگ (")	دستوئیفسکی	۲۴۲	۲۰×۳۰/۱۶	"	ایک " ۳۷ " "
بچپن (")	میکسم گورکی	۳۵۴	۱۸×۲۲/۸	"	ایک " ۵۰ " "
اتفاقی ملاقاتیں (سیر و شکار سے متعلق ۹ کہانیاں)		۱۹۰	۱۷×۲۷/۸	"	ایک " ۱۹ " "
چڑیا گھر کے ننھے باسی (جنگلی جانوروں اور ان کے بچوں کی دلچسپ کہانیاں)		۲۵۰	"	"	ایک " ۵۰ " "
اطالوی کہانیاں (۲۷ کہانیاں)	میکسم گورکی	۳۶۸	۱۸×۲۲/۸	"	ایک " ۶۹ " "

نام کتاب	مصنف	صفحات	سائز	قیمت
جھونکے بہار کے (۲۴ طویل کہانیاں)	ترگنیف	۴۲۴	۱۸×۲۲/۸	مجلد دو روپے ۹۰ نئے پیسے
چراغ جلتا رہا (ناول)	بورس پولیوائے	۵۵۸	"	" دو " ۶۲ " "
ماں (ناول)	میکسم گورکی	۵۵۸	"	" دو " ۱۹ " "

چھوٹے بچوں کے لئے رنگ برنگی تصویروں والی کتابیں

ایک مونچھوں والی چھوٹی سی بلی	سائز ۱۸×۲۲/۴	غیر مجلد	۳۱ نئے پیسے
بینڈکا	"	"	۳۱ " "
بھونرے کی کہانی	"	"	۵۰ " "
رومی اور ششی	"	"	۶۹ " "

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

(بقیہ جائزہ صفحہ ۲۶)

سانس لے رہے ہیں۔ جوگندر نے اپنے قلم کی ذمہ داری محسوس کی ہے اور فن کے تقاضوں کو برتنے کے لئے ایک بہت مشکل راستہ اختیار کیا ہے۔ اس کی تمام ہمدردیاں اپنے ہم وطنوں انڈین اور ہندوستانی نوآبادیوں ـــ کو چھوڑ کر ان غریب افریقیوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں، جن کا وہ ملک ہے۔ اور جب یہ فن کار فن کی بلندیوں سے یہ کہتا ہے کہ "پیار شکلوں کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ پیار کی ہر شکل پیاری ہوتی ہے" تو اس سے ایک ہمدرد افسانہ نگار کا دل جھانکتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک انسان دوست افسانہ نگار کا دل، جو انسان کی بہتری اور بہبود سے متعلق اپنے قلم کی ذمہ داری سمجھتا ہے۔

(رفیق شاستری)

میکسم گورکی
ترجمہ: صابرہ زیدی

مچھیرے کی وصیت

ٹڈے اپنا راگ الاپ رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہزاروں دھات کے بنے ہوئے تار زیتون کے درختوں کے گھنے پتوں کے درمیان ادھر سے اُدھر تک پھیلے ہوئے ہیں، ہوا پتوں کو ہلاتی ہے، پتے ان تاروں کو چھوتے ہیں اور یہ سبک اور مسلسل لمس فضا کو مخمور کن آوازوں سے معمور کر رہا ہے۔ اسے موسیقی تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ غیر مرئی ہاتھ سینکڑوں غیر مرئی بربطوں کے سر ٹھیک کر رہے ہوں۔ اور آدمی ایک تناؤ کی سی کیفیت میں منتظر ہے کہ کب یہ سُر ٹھیک کرنے کا عمل ختم ہو اور کب ایک تار کے سازوں کا عظیم الشان آرکسٹرا سورج، سمندر اور آکاش کی شان میں ایک ترانۂ فتح کی دھن چھیڑ دے۔

ہوا چل رہی ہے اور درختوں کو اس طرح ہلا رہی ہے کہ ان کی متحرک چوٹیاں پہاڑ سے سمندر کی جانب اترتی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں۔ لہریں ایک تال کے ساتھ بھاری پن سے پتھریلے ساحل سے سر ٹکرا رہی ہیں۔ سمندر سفید جھاگوں سے بھرا ہوا ہے جو چڑیوں کے ایک جھنڈ سے مشابہ ہے جو اس کی نیلی سطح پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ سارے کے سارے جھاگ ایک ہی سمت میں بہتے ہیں اور سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب کر ایک دفعہ پھر ایک خفیف سی آواز کے ساتھ ابھر آتے ہیں۔ اور دو کشتیاں جو خود بھی دو خاکستری چڑیوں سے مشابہ ہیں اپنے بادبانوں کو بلند کئے افق پر اچھل رہی ہیں گویا ان جھاگوں کو اپنے پیچھے آنے کی ترغیب دے رہی ہوں۔ پورا منظر ایک دور دراز، نیم فراموش شدہ خواب کی طرح حقیقت سے شباہت نہیں رکھتا۔

"سورج ڈوبتے تک جھکڑ چل جائے گا!" چھوٹے سے سنگ ریزوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے مچھیرے نے کہا۔

لہروں نے سمندری گھاس پھونس کے بھورے پیلے اور سبز گٹھوں کو ساحل پر لا ڈالا ہے۔

اوراب وہ تپتے ہوئے سورج کے نیچے گرم سنگ ریزوں پر پڑے ہیں اور نمکین ہوا کے آیوڈین کی تیز بو سے بھر رہے ہیں۔ ننھی ننھی لہردار موجیں ساحل پر ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کر رہی ہیں۔

بوڑھا مچھیرا اپنے جھریاں پڑے ہوئے چہرے، اپنے طوطے کی چونچ جیسی ناک اور اپنی گول گول اور بلا شبہ بہت تیز آنکھوں کے باعث، جو اس کی کھال کی تاریک تہوں کے درمیان چھپی ہوئی ہیں، ایک پرندے سے مشابہ ہے۔ اس کی گانٹھ دار اور سوکھی ہوئی انگلیاں اس کے گھٹنوں پر رکھی ہوئی ہیں۔

"سینیور، کوئی پچاس برس پہلے کی بات ہے!" بوڑھے نے ایک ایسی آواز میں کہنا شروع کیا جو لہروں کی سرسراہٹ اور ٹڈوں کے سنگیت سے ہم آہنگ تھی۔ "ایک دفعہ ایک ایسا ہی چمکیلا اور خوبصورت دن تھا جب ہر چیز ہنستی اور گاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت میرا باپ چالیس سال کا تھا اور میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا جیسا کہ ہمارے یہاں کے سے عمدہ سورج کے نیچے ایک سولہ سالہ لڑکے کے لئے بالکل فطری بات تھی۔

"چلو گیدو، "میرے باپ نے مجھ سے کہا" پیزرونی پکڑنے چلتے ہیں"۔ پیزرونی، ایک بڑی مزے دار اور نازک سی، گلابی پروں والی مچھلی ہوتی ہے۔ وہ مونگا مچھلی کہلاتی ہے کیونکہ وہ جہاں مونگے ہوتے ہیں وہیں، بہت گہرے پانی میں، پائی جاتی ہے۔ اور بڑی خوبصورت بھی ہوتی ہے وہ۔ اسے لنگر ڈال کر ایک وزن دار کانٹے سے پکڑا جاتا ہے۔

سو ہم چل پڑے اور ہمیں پوری امید تھی کہ بہت سی مچھلیاں پکڑیں گے۔ میرا باپ بہت مضبوط آدمی تھا اور بڑا مشاق مچھیرا، لیکن اس سفر سے کچھ ہی دن پہلے وہ بیمار پڑ چکا تھا، اسی لئے اس کا سینہ دکھتا تھا اور اس کی انگلیاں گٹھیا کے سبب، جو مچھیروں کی بیماری ہے، مڑی مڑی سی ہو گئی تھیں۔

یہ ملائم ملائم ہوا جو اس وقت سمندر کی طرف سے ہمارے پاس اس قدر تھپکیاں سی دیتی ہوئی آرہی ہے اور گویا ہمیں دھیرے دھیرے سمندر کی طرف دھکیل رہی ہے بڑی دھوکہ باز اور چالاک ہوا ہے۔ وہاں، سمندر پر یہ آدمی کو ایک دم آلیتی ہے اور اچانک اس پر ٹوٹ پڑتی ہے گویا آدمی نے اس کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ وہ فوراً کشتی کو الٹ ڈالتی ہے اور بعض دفعہ اس کا تلا اوپر کی طرف ہوتا ہے اور آدمی پانی کے اندر اور یہ سب کچھ آناً فاناً ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کوسنے پیٹنے یا خدا کا نام لینے کا بھی وقت نہیں ملتا اور وہ بے بس اور مجبور دور فاصلے پر پھینک دیا جاتا ہے۔ اس ہوا سے

زیادہ تو لٹیرا ہی ایمان دار ہوتا ہے۔ لیکن خیر انسان تو فطرت کے عناصر سے زیادہ ایمان دار ہوتے ہی ہیں

ہاں تو ایسی ہی ہوا نے ساحل سے کوئی چار کلو میٹر دور اس دن ہمیں آ لیا۔ اور یہ کوئی ایسا زیادہ فاصلہ نہیں ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہی ہیں۔ اس نے ایک بزدل اور بدمعاش کی طرح بے خبری میں ہم پر حملہ کیا۔

"گیوریدو" میرے باپ نے اپنی ٹیڑھی انگلیوں میں چپو کو پکڑتے ہوئے چلا کر کہا۔ "گیوریدو! قدم جمائے رہو! جلدی، لنگر!"

لیکن ابھی میں لنگر تلاش ہی کر رہا تھا کہ تیز ہوا نے میرے باپ کے ہاتھ سے چپو چھین کر پھینک دیا اور اس کے سینے پر ایسی چوٹ لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر لڑکھڑاتا ہوا کشتی کے اندر جا گرا۔ میرے پاس اس کی مدد کرنے کے لئے وقت نہیں تھا کیونکہ ہمیں کسی بھی لمحے ڈوبنے کا خطرہ تھا۔ ہر چیز چشم زدن میں ہو گئی ہم ہوا کے تھپیڑے کھاتے بہے چلے جا رہے تھے اور چاروں طرف سے ہم پر بوچھار پڑ رہی تھی کیونکہ ہوا لہروں کے اوپر سے کف اور جھاگ اٹھا اٹھا کر اسے ہم پر اس طرح چھڑک رہی تھی جیسے پادری پانی چھڑکتا ہے، بس فرق اتنا تھا کہ وہ پادری سے بہت زیادہ زور شور کے ساتھ یہ کام کر رہی تھی اور اس کا مقصد ہمارے گناہوں کو دھونا نہیں تھا۔

"یہ معاملہ گمبھیر ہے بیٹے میرے!" میرے باپ نے ہوش میں آنے کے بعد کہا۔ اس نے ساحل کی طرف دیکھا "بہت دور ہے، میری جان!" اس نے کہا۔

جب آدمی جوان ہوتا ہے تو اسے آسانی سے خطرے کا یقین نہیں آتا۔ میں نے جان پر کھیل کر کشتی کھینے کی کوشش کی اور ہر وہ احتیاط کی جو ایک ملاح نازک موقعوں پر کرتا ہے، جب ہوا۔ وہ خبیث شیطانوں کا سانس۔ بڑی مہربانی سے اس کے لئے ہزاروں قبریں کھودتی ہوئی ہوتی ہے اور بالکل مفت اس کے لئے فاتحہ خوانی کرتی ہے۔

"نچلے بیٹھو گیوریدو" میرے باپ نے مسکرا کر اپنے سر سے پانی جھٹکتے ہوئے کہا "سمندر کو دیا سلائیوں سے کھودنے کا کیا فائدہ؟ اپنی طاقت بچائے رکھو ورنہ ہمارے گھر والوں کا تمہارے لئے انتظار کرنا بے سود ہی ہوگا۔"

سبز لہریں ہماری کشتی کو اس طرح اچھال رہی تھیں جیسے بچے گیند کو اچھالتے ہیں۔ وہ کشتی کے دونوں پہلوؤں پر چڑھ چڑھ آتی تھیں اور ہمیں بری طرح بھگا رہی تھیں اور خوب نعرے لگا رہی تھیں۔ ہم کبھی منہ پھاڑے ہوئے گڑھوں میں گر پڑتے تھے تو کبھی اونچی سفید چوٹیوں کے

اوپر چڑھ جاتے تھے اور ساحل تیزی سے ہم سے دور ہوتا جا رہا تھا اور ہماری کشتی کے ساتھ ساتھ وہ بھی ناچتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"ممکن ہے تم خشکی پر پہنچ سکو لیکن میں نہیں پہنچ سکوں گا!" میرے باپ نے مجھ سے کہا۔ غور سے سنو اور میں تمھیں مچھلی پکڑنے کے اور کام کے متعلق وہ سب کچھ بتاتا ہوں جو تمھیں جاننا چاہئے ...."

اور وہ مختلف مچھلیوں کے طور طریقوں کے متعلق اور انھیں کب، کہاں اور کیسے پکڑنا چاہئے اس کے متعلق جو کچھ جانتا تھا وہ سب اس نے مجھ سے بتانا شروع کیا۔

"بابا، کیا اس وقت دعا مانگنا بہتر نہ ہوگا؟" میں نے یہ دیکھ کر کہ ہم کس بری طرح پھنس گئے تھے تجویز پیش کی۔ ہم شکاری کتوں کے ایک غول میں پھنسے ہوئے دو خرگوشوں کی طرح تھے اور یہ شکاری کتے ہر طرف سے ہمیں دانت دکھا رہے تھے۔

"خدا سب کچھ دیکھتا ہے،" اس نے کہا" وہ جانتا ہے کہ وہ انسان جنھیں اس نے خشکی پر رہنے کے لئے پیدا کیا ہے اس وقت سمندر پر مر رہے ہیں اور ان میں سے ایک کے لئے جو نجات کی امید کھو چکا ہے، ضروری ہے کہ اپنا تمام علم اپنے بیٹے کو دے۔ کام دھرتی کے لئے بھی ضروری ہے اور انسانوں کے لئے بھی خدا اس بات کو سمجھتا ہے...."

اور جب وہ مجھے اپنے پیشے کے متعلق سب کچھ بتا چکا تو اس نے مجھے وہ باتیں بتائیں جو آدمی کو اپنے ہم جنسوں کے ساتھ صلح سے رہنے کے لئے جاننا ضروری ہیں۔

"یہ کیا وقت ہے مجھے سکھانے کا!" میں نے کہا "دھرتی پر تو تم نے کبھی ایسا کیا نہیں!"

"دھرتی پر میں نے کبھی موت کو اپنے اتنے نزدیک محسوس نہیں کیا تھا۔"

ہوا درندے کی طرح دھاڑ رہی تھی اور موجوں کی گرج اتنی زوردار تھی کہ بابا کو مجھ سے بات کرنے کے لئے چیخنا پڑ رہا تھا۔

"لوگوں سے ہمیشہ اس طرح برتاؤ کرو گویا وہ نہ تم سے بہتر ہیں نہ بدتر۔ اور یہ ٹھیک بات ہوگی نواب، رئیس اور مچھیرے، پادری اور سپاہی۔ سب ایک ہی جسم کے حصے ہیں اور تم بھی جسم کا اسی قدر ضروری حصہ ہو جیسے اور لوگ ہیں۔ کبھی کسی شخص کی طرف یہ سوچ کر نہ بڑھو کہ اس کے اندر بھلائی سے زیادہ برائی ہے۔ یہ سمجھو کہ اس میں بھلائی زیادہ ہے اور تم ہمیشہ ایسا ہی پاؤ گے۔ لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں جیسی ان سے توقع کی جاتی ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس نے یہ سب باتیں ایک ہی دفعہ میں نہیں کہہ دیں۔ ہم لوگ موجوں کے ہاتھوں

اِدھر اُدھر اُچھالے جا رہے تھے، کبھی بہت نیچے جا پڑتے تھے تو کبھی خوب اونچائی پر پہنچ جاتے تھے اور اس حالت میں ہوا اور بہین کے درمیان اس کے الفاظ مجھ تک پہنچ رہے تھے۔ اس نے جو کچھ کہا اس میں سے بہت کچھ مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی ہوا اُڑا کر لے گئی اور بہت کچھ میں سمجھا نہیں کیونکہ سینیور، جب موت سر پر کھڑی ہو تو کوئی کیسے سیکھ سکتا ہے؟ میں ڈرا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے سمندر کو کبھی اتنی غضبناک کیفیت میں نہیں دیکھا تھا اور نہ کبھی اپنے آپ کو اتنا لاچار اور بے بس محسوس کیا تھا۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس وقت کی بات ہے یا بعد میں جب مجھے ان گھڑیوں کا خیال آیا اس وقت کی ہے کہ مجھے ایک کچھ ایسا احساس ہوا جو میں تمام عمر نہیں بھول سکتا۔

میں اپنے باپ کو کشتی میں اندر بیٹھا ہوا دیکھ سکتا ہوں، جیسے کل کی بات ہو۔ اس کے نحیف بازو پھیلے ہوئے ہیں کیونکہ وہ اپنی ٹیڑھی مڑی ہوئی انگلیوں سے کشتی کے پہلوؤں کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے، لہریں اس کی ٹوپی کو بہا کر لے گئی ہیں اور دائیں بائیں آمنے سامنے ہر طرف سے اس کے شانوں اور سر پر تھپیڑے لگا رہی ہیں اور ہر دفعہ وہ اپنے سر کو جھٹکا دیتا ہے، ناک سڑکتا ہے اور مجھ سے چیخ کر کچھ کہتا ہے۔ پانی میں تر اور، وہ کچھ سکڑ کر چھوٹا سا معلوم ہو رہا ہے اور اس کی آنکھیں خوف سے یا شدید تکلیف سے پھیل گئی ہیں۔ شاید تکلیف ہی سے۔

"سنو!" وہ چیخ کر کہتا ہے۔ "تم میری بات سن سکتے ہو؟"

کبھی کبھی میں جواب دیتا ہوں

'ہاں سن سکتا ہوں!'

"یاد رکھو، ساری نیکی، ساری بھلائی کا سرچشمہ انسان ہے!"

"میں یاد رکھوں گا!" میں جواب دیتا ہوں۔

خشکی پر اس نے کبھی مجھ سے اس طرح کی باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ ہمیشہ بہت مہربان اور خوش دل رہتا تھا مگر مجھے وہاں یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجھے بے اعتباری کی نظر سے اور کچھ مذاق اڑانے کے انداز سے دیکھتا ہے اور میں اس کے نزدیک ابھی تک بچہ ہوں۔ بعض دفعہ اس سے میں رنجیدہ ہو جاتا تھا کیونکہ جوانی میں آدمی کے جذبات کو بڑی جلدی ٹھیس لگتی ہے۔

اس کی چیخوں نے میرے خوف کو کچھ کم کر دیا تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ مجھے ہر بات اتنی اچھی طرح یاد ہے۔

بوڑھا مچھیرا خاموش ہو گیا۔ اس کی نگاہیں کف سے بھرے ہوئے سمندر پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر

وہ مسکرایا اور آنکھ مار کر اپنی بات دوبارہ شروع کر دی۔

"سینیور، میں بہت عرصے سے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ کسی کو یاد کرنا اسے سمجھنے کے برابر ہے اور آدمی جتنا زیادہ سمجھتا ہے وہ اتنی ہی زیادہ بھلائی دیکھ سکتا ہے، یقین مانئے، یہ بالکل سچی بات ہے!

"مجھے اس کا پیارا چہرہ یاد ہے، بالکل پانی میں شرابور، اور وہ اس کی بڑی بڑی آنکھیں ٹکٹکی باندھے مجھے محبت اور سنجیدگی سے دیکھتی ہوئی اور اس کی وہ نگاہ کچھ ایسی تھی کہ مجھے اس وقت یہ یقین ہو گیا کہ میں اس دن نہیں مروں گا۔ میں ڈرا ہوا تو ضرور تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ میں مروں گا نہیں۔

آخر کار ظاہر ہے کہ ہماری کشتی الٹ ہی گئی۔ تب ہم دونوں کف نکالتے ہوئے پانی میں پڑے ہوئے تھے اور جھاگ ہمیں اندھا کئے دے رہا تھا، لہریں ہمارے جسموں کو اچھال رہی تھیں اور انھیں ہماری کشتی کے تلے سے ٹکرا رہی تھیں۔ ہم نے کشتی کے کھوریوں والے تختے سے ہر ممکن چیز باندھ دی تھیں اور اب ہم اپنے ہاتھوں میں رسیاں پکڑے ہوئے تھے اور جب تک ہمارے دم میں دم تھا ہم اپنی کشتی سے علیحدہ ہونے والے نہیں تھے لیکن اپنے سر پانی سے باہر رکھنا بہت مشکل تھا۔ کئی دفعہ میں اور میرا باپ دونوں کشتی کے تلے سے ٹکرا گئے اور پھر لہروں نے ہمیں بہا کر الگ ہٹا دیا۔ سب سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ سر چکرانے لگتا ہے، کانوں سے سنائی اور آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، کانوں میں پانی بھر جاتا ہے اور سیروں پانی پیٹ کے اندر بھی چلا جاتا ہے۔

یہ حالت بہت دیر تک رہی، تقریباً سات گھنٹے تک، یہاں تک کہ ہوا کا رخ یک بارگی پلٹ گیا، وہ بہت زور زور سے ساحل کی طرف چلنے لگی اور ہمیں تیزی سے خشکی کی طرف لے چلی۔

'قدم جمائے رہو!' میں خوش ہو کر چلایا۔

بابا نے جواب میں چلا کر کوئی بات کہی مگر میں فقط ایک لفظ سن سکا:

"چٹانیں۔۔۔"

وہ ساحل کی چٹانوں کے متعلق سوچ رہا تھا لیکن وہ ابھی تک خاصی دور تھیں اور میں نے اس کی بات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ لیکن وہ مجھ سے بہتر جانتا تھا۔ ہم پانی کے پہاڑوں کے درمیان بالکل بے بس، شل اور سُن، آگے بڑھے چلے جا رہے تھے اور گھونگھے کی طرح اپنی کشتی سے چمٹے ہوئے تھے

جو بڑی بے دردی سے ہمارے چوٹیں لگا رہی تھیں۔ بہت دیر تک یہی سلسلہ چلتا رہا مگر آخر کار ساحل کی سیاہ چٹانیں نظر آنے لگیں۔ اس کے بعد ہر چیز بہت سرعت کے ساتھ ہو گئی۔ جھومتی ہوئی چٹانیں، پانی کے اوپر جھکی ہوئی ہماری طرف بڑھیں، وہ ہمارے اوپر گر پڑنے کو تیار تھیں۔ سفید موجوں نے ہمارے جسموں کو ایک دفعہ آگے کی طرف اُچھالا، پھر دوسری دفعہ اُچھالا، ہماری کشتی اس طرح چرمرائی جیسے جوتے کی ایڑی کے نیچے بادام یا اخروٹ اور لہروں نے مجھے کشتی سے دور جا پھینکا۔ میں چٹانوں کی چاقو جیسی تیز پسلیاں اپنے سامنے ابھرتی ہوئی دیکھیں، اپنے باپ کے سر کو خود اپنے سر سے بہت اونچا اٹھا ہوا دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ وہ اٹھا کر ان شیطانوں کے پنجوں سے اوپر پہنچا دیا گیا ہے، ایک یا دو گھنٹے کے بعد اسے وہاں سے اٹھایا گیا، اس کی پیٹھ اور کھوپڑی بری طرح ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کے سر کا زخم اتنا بڑا تھا کہ بھیجے کا کچھ حصّہ اس میں سے نکل کر بہہ گیا تھا، اور مجھے زخم کے اندر کا وہ خاکستری سا مادہ ابھی تک یاد ہے جس میں سے سرخ سرخ رگیں اس طرح گزر رہی تھیں جیسے سنگ مرمر یا پانی کے جھاگوں میں خون ملا ہوا ہو۔ اس کا جسم بری طرح کچلا ہوا اور زخمی تھا لیکن اس کا چہرہ صاف اور پر سکون تھا اور اس کی آنکھیں زور سے بند تھیں۔

میں؟ ہاں میں بھی بُری طرح زخمی ہوا تھا اور جب مجھے گھسیٹ کر ساحل پر لایا گیا تو میں بے ہوش تھا۔ ہم خشکی پر امالفی کے اس پار پہنچ گئے تھے جو ہمارے گاؤں سے بہت دور ہے مگر ظاہر ہے وہاں کے لوگ بھی مچھیرے ہی ہیں اور ایسی چیزوں پر انھیں کوئی تعجب نہیں ہوتا بلکہ وہ انھیں مہربان اور ملائم دل بنا دیتی ہیں۔ وہ لوگ جو خطروں سے گھری ہوئی زندگی گذارتے ہیں ہمیشہ نرم دل ہوتے ہیں۔

مجھے خیال ہے کہ میں اس احساس کا اچھی طرح اظہار نہیں کر سکا جو اپنے باپ کے ساتھ آخری گفتگو نے میرے اندر پیدا کیا تھا، وہ احساس جو میں اکاون سال سے اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے ہوں۔ اس کے اظہار کے لئے خاص قسم کے الفاظ کی ضرورت ہے بلکہ شاید الفاظ کی بھی نہیں سنگیت کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم مچھیرے اتنے ہی سیدھے سادے ہیں جتنی مچھلیاں، ہم اتنی اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتے جیسا ہم چاہتے ہیں! ہم جتنا اظہار کر سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ جانتے اور محسوس کرتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ وہ، میرا باپ، اچھی طرح یہ جانتے ہوئے کہ وہ موت سے نہیں بچ سکے گا اپنی موت کی گھڑی سے خوف زدہ نہیں ہوا اور وہ مجھے، اپنے بیٹے کو، نہیں بھولا اور کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے اندر مجھے وہ سب کچھ بتانے کی طاقت پیدا کر لی جو اس کے خیال میں مجھے جاننا چاہئے تھا۔ میں سٹرسٹھ سال سے اس دنیا میں رہ رہا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت اس نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا

(باقی صفحہ پر)

شرابِ کہنہ

تاباںؔ

ولادت ۱۷۰۸ء ——— وفات ۱۷۴۷ء اور ۱۷۵۱ء کے درمیان

میر عبدالحی نام، تاباںؔ تخلّص۔ اساتذۂ دہلی کے طبقۂ متقدمین میں ان کا شمار ہے۔ میر تقی میرؔ سے لے کر رام بابو سکسینہ تک نے شاعرانہ صلاحیتوں کے اعتراف کے ساتھ ان کے حسن و جمال کی بھی غیر معمولی تعریفیں کی ہیں۔ اپنے زمانے کے یوسفِ ثانی کہلاتے تھے تمام خواص و عوام ان کے دید کے شائق اور ملاقات کے آرزو مند رہا کرتے تھے۔ عالمِ شباب میں انتقال کیا، موت کے ظاہری اسباب میں سے کثرتِ مے نوشی بھی بتائی جاتی ہے۔ کلام میں عشق کی شیرینی اور عاشقانہ زندگی کی کیفیتیں نمایاں ہیں زبان صاف اور انداز سادہ و عام فہم ہے۔

کلام کا مجموعہ ۱۹۳۵ء میں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) کی طرف سے مولوی عبدالحق مرحوم نے شائع کیا تھا۔ اس میں بیشتر حصہ غزلوں کا ہے، ان کے علاوہ مخمس، مسدس، مثلث، ترکیب بند، مستزاد، قصیدہ، مثنوی، تضمینیں، قطعات اور تاریخیں شامل ہیں۔

انتخاب

خزاں تک تو رہنے دے صیاد ہم کو　　　کہاں یہ چمن پھر کہاں آشیانا

ہوا جا کے ظالم کے قابو میں بے بس　　　کہا ہائے اس دل نے میرا نہ مانا

تجھے غم سے نسیاں ہوا یاں تک کہ مجکو　　　اِدھر بات کہنا اُدھر بھول جانا

رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہوا　　　میرے غریب دل کو الٰہی یہ کیا ہوا

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح　　　یارب کبھو خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا

ہم بے کسی پہ اپنی نہ روئیں تو کیا کریں　　دل سا رفیق ہائے ہمارا جدا ہوا

آئی بہار شورشِ طفلاں کو کیا ہوا　　اہلِ جنوں کدھر گئے، یاراں کو کیا ہوا
غنچے لہو سے تر نظر آتے ہیں تہ بہ تہ　　اُس رشکِ گل کو دیکھ گلستاں کو کیا ہوا

بچتا ہی نہیں، ہو جسے آزارِ محبت　　یارب نہ کوئی ہووے گرفتارِ محبت
آگے تو بہت دھوم تھی مجنوں کے جنوں کی　　اب گرم مرے دم سے ہے بازارِ محبت
ناصح جو تجھے جی میں ہو سو مجھ سے کہہ لے　　کرنے کا نہیں ایک بھی انکارِ محبت

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر　　بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر

زلف کہاں کہاں یہ رُخ، سنبلِ ارغواں کہاں　　لعل کہاں یہ لب کہاں غنچہ کہاں دہاں کہاں
خانہ بخانہ، دربدر، کوچہ بکوچہ، دشت بدشت　　غم میں ترے پھرے ہیں ہم، روتے ہوئے کہاں کہاں
دونوں جہاں کا بے نصیب روزِ ازل سے میں بنا　　یاں تو مجھے ہے رنج و غم، راحت دین واں کہاں

قبلہ نہ سرکشی کرو حُسن پہ اپنے اس قدر　　تم سے بہت ہیں کج کُلاہ، خانہ بخانہ، کو بہ کو
تیری کمندِ زلف کے ملک بہ ملک ہیں اسیر　　بسمل خنجرِ نگاہ، خانہ بخانہ، کو بہ کو
سینہ فگار و جامہ چاک، گریہ کُناں و نعرہ زن　　پھرتے ہیں تیرے دادخواہ خانہ بخانہ، کو بہ کو

دیکھا جو میری نبض کو کہنے لگا طبیب　　مجنوں مرا تھا جس سے یہ آزار ہے وہی
آئی بہار کیوں کہ گریباں کو کریئے چاک　　ہاتھوں میں ہائے ضعف سے طاقت نہیں رہی

رباعی

ہوتے ہیں ترے جب اشتیاقی ساقی　　بے خود ہو پکارتے ہیں ساقی ساقی!!
ہے ہم کو خمارِ شب کا لا صبح ہوئی　　شیشے میں جو کچھ کہ مے ہو باقی ساقی

رباعی

مے خانے میں کیا پھرے ہو مٹکے مٹکے　　زاہد عابد سے دُور بھٹکے بھٹکے
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے کافر　　یہ دخترِ رز ہے جس سے اٹکے اٹکے

نئی مطبوعات

برف کا گھر	محمد حسین حسان	-/۸۷	ناشر ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ
برف کے تیرتے پہاڑ	مجیب احمد خاں	-/۳۷	جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
موسم کے بارے میں ۱۰۰ سوالات اور ان کے جواب	محمد امین	-/۸۷	ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
ابوالکلام کے افسانے	مرتبہ عبد الغفار شکیل	۱/۲۵	سرسید بک ڈپو، علی گڑھ
نوادر ابوالکلام (ادبی)	" "	-/۴	" " " "
نوادر اقبال (نظم)	" " "	-/۵	" " " "
آسان ہندی ویاکرن (گرامر)	ابو محمد امام الدین	-/۱	" " " "
ملکۂ خواب (جاسوسی)	سبط قبول	۱/۲۵	خیابان، سبزی منڈی، الہ آباد ۳
چیختے اندھیرے (")	شبنم راز	-/۷۵	" " "
اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	۱/۵۰	آزاد کتاب گھر، دہلی ۶
علاماتِ قرأت	سرسید احمد خاں	-/۵۰	" " "
داستان (ناول)	عذرا جمال	-/۵	اے، زیڈ پبلشر، ملکہ گنجی گیٹ، لکھنؤ
غفلت (")	ابن حیات	۵/۰	" " " " "
معصوم (")	رئیس احمد جعفری	۵/۰	" " " " "
پاکستان سے دیارِ حرم تک	نسیم حجازی	۲/۵۰	بھارتی پبلیکیشنز، دہلی
رضیہ کے خطوط (پاکٹ ایڈیشن)	رضیہ سلطانہ جبیں	-/۱	دفتر خاتونِ مشرق، دہلی
اونی کام سلائیوں سے (" ")	مہر زریں نعمانی	-/۱	" " "
امجد علی	عذرا جمال	۹/۷۵	اردو کتاب گھر، دہلی ۶
کلام اصغر	اصغر گونڈوی	۲/۵۰	ملنے کا پتہ: سنگم کتاب گھر، دہلی ۶

افکارِ نو	فیض الرحمن اعظمی	۴/-	اردو مرکز، دہلی ۶
مکاتیب جگر	مرتبہ تسکین میرٹھی	۵/۴۰	ملک اینڈ کو، لاہور
جامِ سرشار	رتن ناتھ سرشار	۹/-	مکتبہ اسلوب، کراچی
نوید سحر	اے این خاتون	۴/۵۰	ظفر احمد قریشی اینڈ سنز، لاہور

زیرِ طبع کتابیں

انداز (مجموعہ کلام)	ہیش چندر نقش	سنگم کتاب گھر، دہلی ۶
کلیاتِ ولی معہ اضافہ جدید	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ
دلی کا دبستانِ شاعری معہ اضافہ	〃 〃	〃 〃
مرثیہ نگاری اور میر انیس	ڈاکٹر احسن فاروقی	〃 〃
اردو ناول کی تنقیدی تاریخ	〃 〃	〃 〃
بابائے اردو عبدالحق (سوانح)	عبداللطیف اعظمی	〃 〃

★

دربارِ اکبری

از:۔ مولوی محمد حسین آزاد
صفحات:۔ ۹۴۲ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد
قیمت:۔ بارہ روپئے
ناشر:۔ مکتبہ کلیاں، لکھنؤ

آزاد کی انشا پردازی مسلّم ہے۔ عبارت کی رنگینی اور بیان کی دل کشی، ان کا خصوصی وصف ہے۔ مناسب تشبیہوں اور استعاروں سے یہ رنگ اور چمک اُبھرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آزاد کی عبارت آرائی تاریخی یا تحقیقی انداز بیان سے میل نہیں کھاتی، نہ ان کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خشک واقعات میں ایسی دل کشی بھر دینا، کہ لوگ مزے لے لے کر پڑھیں اور بار بار پڑھیں، آزاد کے جادو رقم قلم ہی کا کرشمہ ہے۔ وہ حقیقتہً نہ مورخ تھے نہ محقق، اُن کے زمانے میں تحقیق کا یہ معیار بھی نہیں تھا۔ وہ دراصل ایک سچے انشا پرداز تھے۔ اسی معیار پر ان کی تصانیف کو پرکھنا چاہیے۔ وہ واقعات کے لکھنے میں اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ مرقع سجا دیں اور اس میں کامیاب بھی ہوتے تھے۔ لفظوں کی مدد سے پوری محفل کو نگاہوں کے سامنے پیش کر دینا، یا کسی شخص کی اس طرح تصویر کھینچنا کہ وہ مجسم ہو کر ہمارے سامنے آجائے، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ دربار اکبری میں انھوں نے بیسیوں معرکوں کا ذکر کیا ہے، میدانِ جنگ کی منظر کشی، فتح و شکست کے مناظر، پہاڑوں کے دشوار سفر، اور ایسے ہی بے شمار واقعات کو اس خوبی سے لکھا ہے کہ سماں کھنچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب اکبر کے درباریوں کی اچھی خاصی انسائیکلو پیڈیا ہے، اور اس زمانے کے آئین و رواج کا ضخیم روزنامچہ۔

آزاد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ تعریض کے بھی بادشاہ تھے۔ باتوں باتوں میں ایک جملہ ایسا لکھ جاتے ہیں یا معنی آفرینی کا ایسا کمال دکھا جاتے ہیں کہ بہ ظاہر شبہہ بھی نہیں ہوتا اور درحقیقت اُس شخص کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ اس کی مثالیں آبحیات میں زیادہ ہیں۔ اس کتاب میں بھی کہیں کہیں یہ رنگ نظر آجاتا ہے، وہ اپنی پسندیدہ شخصیتوں کو بہر حال بنا سنوار کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور جن سے کسی بھی عنوان سے ناراض ہیں، اُن کی ہر طرح سے خبر لیتے رہتے ہیں۔ ان دونوں فرائض کو ادا کرنے سے وہ

کبھی غافل نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں ایسے مقامات بھی آئے ہیں جہاں ان کے کسی ہیرو نے اتفاقات
کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہی حرکتیں کی ہیں، جن پر وہ اس سے پہلے دوسروں کو نشانۂ ملامت بنا چکے ہیں،
ایسے مواقع پر ان کا پہلو دار اور مرصع اندازِ نگارش بے حد فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ انھوں نے واقعات
یا معائب کے کانٹوں کو لفظوں کے پھولوں میں اس طرح چھپایا ہے کہ واقعے کا رخ ہی بدل گیا ہے۔ آزاد
ملا عبدالقادر بدایونی سے بے حد ناراض ہیں کہ انھوں نے فیضی اور ابوالفضل کی مذمت کی اور حقوق
نعمت کو فراموش کر دیا۔ اس موقع پر محسن کشی سے لے کر تنگ نظری تک کوئی ایسا طعنہ نہیں جو دیا نہ ہو۔
لیکن جب یہی وقت ابوالفضل پر پڑا کہ اس نے خانخاناں کے باب میں اکبر کو وہ باتیں لکھ کر بھیجیں "کہ ہم
شیطان کو بھی نہیں لکھ سکتے" (ص ۶۹۸) تو اس کی تاویل کے لئے پورا ایک صفحہ وقف کیا اور اس طرح
کہ ابوالفضل پر آنچ نہ آنے پائے خانخاناں ہی موردِ الزام رہے۔

انشا پردازی کے لحاظ سے آزاد کی اس کتاب کا شمار اردو ادب کے سرمایۂ عزت میں ہے۔ اس کا
شمار ان کتابوں میں ہے جن کا پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ لکھنے کا سلیقہ اور شادابیٔ تحریر کا انداز سیکھا
جا سکے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو ہر سنجیدہ ادبی ذوق رکھنے والے کی لائبریری میں ہونا چاہیے۔ آج کل
جب کہ عموماً تحریروں میں پریشاں نگاری کا رنگ نمایاں رہتا ہے، اس کتاب کا مطالعہ بے حد فائدہ مند ہوگا۔

کتابت و طباعت کے لحاظ سے یہ بہت معمولی ہے۔ کاغذ بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔ جلد بہت ہی
کمزور ہے۔ کتابت پوری کتاب میں یکساں نہیں ہے کہیں بہت باریک کہیں واضح۔ ایک صفحہ کی طباعت صاف
ہے تو چار صفحے بھدے ہیں، متن میں بھی جگہ جگہ غلط الفاظ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہمارے
ناشرین اعلیٰ ادبی کتابوں کو معمولی جاسوسی ناولوں کا ہم پلہ نہ بنائیں۔ آزاد کی یہ کتاب حسنِ عبارت کے
لحاظ سے بے حد بلند پایہ ہے، اس کو شائع بھی اسی انداز سے ہونا چاہیے تھا۔ ناشرین عموماً شکایت کرتے
ہیں کہ اردو کی اچھی ادبی کتابیں کم بکتی ہیں لیکن اس کے اسباب پر غور نہیں کرتے۔

(رشید حسن خاں)

★

انشائے ماجد

از:۔ عبدالماجد دریابادی

صفحات:۔ ۳۵۰ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد

قیمت:۔ پانچ روپے ۵۰ نئے پیسے

ناشر:۔ نسیم بک ڈپو، لکھنؤ

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کا شمار اُردو کے صاحب طرز انشاپردازوں میں ہے۔ موصوف کی عبارت میں طنز، شوخی، اور شگفتگی کا بے حد لطیف امتزاج ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے، چبھتے ہوئے فقرے، اور دل کشی و تاثیر میں ڈوبی ہوئی عبارت، ان کی خصوصیات ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا اور واقعات کے ایسے پہلوؤں کی طرف توجہ کو مبذول کرا دینا جس کی طرف عام قاری متوجہ نہیں ہو سکتا تھا، خاص انداز ہے۔ مولانا کے مضامین کا ایک مجموعہ اس سے پہلے شائع ہو چکا ہے۔ یہ اس کا دوسرا حصہ ہے جس کو نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے پہلی بار مارچ ۱۹۶۱ء میں شائع کیا ہے قیمت پانچ روپئے آٹھ آنے ہے۔

مضامین میں مرزا رسوا کے قصے، اردو کا واعظ شاعر، سید جالب مرحوم، اور مرزا ثاقب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ رسوا پر مضمون سب سے طویل ہے اور بہت کارآمد ہے۔ اسی طرح حالی کی شاعری پر جو مضمون ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ تشریح شعری کسے کہتے ہیں۔ چند ریڈیو سے نشر شدہ مضامین بھی شامل ہیں۔ اور آخر میں "چند مرثیے" کے عنوان سے کچھ تعزیتی تحریریں بھی ہیں، جو ملک کے بعض اکابر علم و ادب کے انتقال پر لکھی گئی تھیں۔ تاثیر کے لحاظ سے یہ حصہ اس مجموعے کی جان ہے، یہاں مولانا کا اندازِ نگارش اپنے کمال پر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تاثر کی فراوانی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے تاثرات تھے، جنھوں نے لفظوں کا لباس پہن لیا ہے، خصوصاً مولانا نے اپنی والدہ کی وفات پر جو تعزیتی مضمون لکھا ہے وہ بہ لحاظ تاثیر اور بہ لحاظ انشاپردازی معرکہ کی چیز ہے۔ جو لوگ زبان کے صحیح مزاج آشنا ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے بے حد ضروری ہے کہ وہ مولانا کے مجموعہ مضامین کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ بوجھل الفاظ، عجیب الخلقت تراکیب اور عجیب الوضع جملوں کو لکھنا کمال سمجھا جاتا ہے۔

ممکن ہے تنقید یا تحقیق کے کسی طالب علم کو بعض جگہ کچھ اشتباہ ہو، یا وہ بعض راؤں سے اتفاق نہ کرے، جیسے یہ قول کہ "اردو ناولوں میں بجز حسن و عشق کے مضامین اور ہجر و وصل کی داستان کے اور ہوتا کیا ہے" (ص ۱۲) یا مثلاً پریم چند والے مضمون میں یہ رائے، کہ پریم چند کا سب سے اچھا ناول "چوگان ہستی" ہے۔ (یہ مضمون ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا تھا لیکن نظر ثانی ۱۹۵۳ء میں کی گئی ہے) یا یہ کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ خیال رہنا چاہیے کہ مولانا کی تحریریں اس لئے پڑھنا لازم نہیں بلکہ واجب ہے کہ وہ حسن، دل کشی، تاثیر اور ایک رنگِ انفرادیت کی

امین ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ تحقیق یا تنقید کا نصاب ہیں۔
یہ مجموعہ بھی کتابت و طباعت کے لحاظ سے غیر معیاری ہے۔ کیا اچھا ہو اگر ہمارے با ذوق ناشرین تجارتی مصالح کے ساتھ ساتھ ادب کے تقاضوں کا بھی کچھ خیال رکھیں۔ مولانا دریابادی کی کتاب کو اس سے بھی بدتر انداز میں چھاپا جائے تب بھی لوگ خریدیں گے اور آنکھوں سے لگائیں گے لیکن مجبوری کو صبر کا دوسرا نام سمجھ کر۔

(رشید حسن خاں)

★

یادِ ایام

از:۔ اظہر علی فاروقی
سائز:۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات:۔ ۶۸ مجلد
قیمت:۔ دو روپئے ۵۰ نئے پیسے
ناشر:۔ اردو اکیڈمی الہ آباد ۲

اردو زبان کی ترویج اور مقبول عام ہونے میں مشاعروں کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔ ہماری مجلسی زندگی کی یہ قدیم روائت اپنے اندر بہت سی دل چسپیوں اور فائدوں کے علاوہ ایک ادبی اہمیت بھی رکھتی ہے۔

شعر و سخن کی ان محفلوں کا اگر کوئی باقاعدہ رکارڈ مرتب کیا جائے اور مشاعروں کی باضابطہ تاریخ قلمبند کی جائے تو ان سے مختلف زمانوں کی مجلسی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی بعض بہت ہی دل چسپ اور کارآمد باتیں معلوم ہوں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے "دہلی کی آخری شمع" لکھ کر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی دہلی اور یہاں کی معاشرت اور مشغلوں کا کیسا دل کش مرقع آنکھوں کے سامنے لاکر رکھ دیا ہے۔ قریب قریب اسی التزام اور اہتمام سے، چند تاریخی شواہد کی بنیاد پر کچھ ترمیم اور اضافوں کے ساتھ جناب اظہر علی فاروقی صاحب نے بھی غدر کے بارہ برس بعد آگرے میں ایک محفل شعر و سخن آراستہ کی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بقول فاروقی صاحب۔ "ہندوستان برطانوی حکومت کے سائے میں سانس لے رہا تھا" اور "اس پر ایک طرح کی مرعوبیت چھائی تھی۔ ۔ ۔ ۔ وطنیت اور قومیت کے جذبات جل کر خاکستر بن چکے تھے۔ ۔ ۔ ۔" اس کے باوجود شعر و ادب کی محفلیں گرم رکھنے کی روائتی کوششیں جاری تھیں۔ اور ان محفلوں میں قدیم مشاعروں کے لوازمات اور مجلسی آداب و روایات

کا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ جن کا مطالعہ آج بھی لطف اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

ادارۂ بزم ادب اردو (الٰہ آباد) کے اہتمام اور خود فاروقی صاحب کی زیر ہدایت ۱۹۵۶ء میں یہ مشاعرہ نہایت کامیابی کے ساتھ اسٹیج بھی کیا جا چکا ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق خاطر خواہ مشاعرے منعقد نہ کئے جا سکتے ہوں وہاں یہ تمثیلی مشاعرہ بڑی آسانی کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

کسی تمثیل کو پیش کرنے کے لئے جن اشاروں اور ہدایتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب تحریری طور پر موجود ہیں۔

اسٹیج کے علاوہ آٹھ نو شاعروں کی واضح تصویریں، کتاب کی زینت اور افادیت میں نمایاں اضافے کا باعث بن گئی ہیں۔

سید احتشام حسین صاحب کا پیش لفظ تمثیل کی اہمیت اور تمثیل نگار کی لیاقت کا مزید ثبوت اور سند ہیں۔

رشید نعمانی

★

دھرتی کا کال

از:۔ جوگندر پال

صفحات:۔ ۱۷۳، سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

ناشر:۔ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

قیمت:۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے

'دھرتی کا کال' جوگندر پال کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ گیارہ افسانوں کے علاوہ کرشن چندر کے تعارف اور دیوندر ستیارتھی کے تنقیدی جائزے نے اس مجموعے کی قدر و قیمت کافی بڑھا دی ہے۔

ان افسانوں میں پہلی بار اردو دنیا نے سات سمندر پار کی کالی دھرتی کے باسیوں کے دل کی دھڑکن سنی ہے۔ افریقی زندگی کی یہ کہانیاں روایاتی نہیں ہیں اور اس اعتبار سے جوگندر پال اردو کا پہلا افسانہ نگار ہے جس نے افریقی زندگی سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ ان افسانوں میں ہمیں افریقہ کی بیداری کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے اور تہذیب و تمدن کا سبق پڑھانے والے صدیوں پرانے آقاؤں کی بوکھلاہٹ بھی۔

ان افسانوں میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم افریقہ کی دھرتی پر (باقی صفحہ ۲۸ پر)

مرتبہ:۔ ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

ادیبوں کی عزت افزائی

(چنڈی گڑھ) حکومت پنجاب کی طرف سے وارننگ ساہتیہ سماروہ کی تقریب کے موقع پر پروفیسر تلوک چند محروم پروفیسر سیتہ ورت اور شری کرتار سنگھ دگل کو گیارہ گیارہ سو روپے کی تھیلی خلعت اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

اس تقریب کا آغاز بندے ماترم سے ہوا اور اختتام جن گن پر۔ سب سے پہلے اعزاز پنجابی کے افسانہ نگار شری کرتار سنگھ دگل کو دیا گیا۔ اس کے بعد ہندی ادیب پروفیسر سیتہ ورت کو اور آخر میں اردو شاعر پروفیسر تلوک چند محروم کو۔ محروم صاحب کو خلعت ایڈریس اور تھیلی دینے سے قبل علامہ اقبال مرحوم کا ترانہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" پیش کیا گیا۔

جناب محروم نے اپنی تقریر میں حکومت پنجاب کے محکمہ لسانیات کے کام کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ پنجابی زبان کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ اردو اور ہندی کے ادب العالیہ کو پنجابی میں منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے۔ آپ نے اس بات کی امید ظاہر کی کہ پنجاب کا محکمۂ لسانیات اردو کے معیاری شعراء اور نثر نگاروں کو پنجابی زبان میں جلد منتقل کرنے کا کام شروع کر دے گا۔

ہنر کو انعام

شری پورن سنگھ ہنر کے نئے مجموعۂ کلام کے مسودے پر بھاشا وبھاگ پنجاب نے پانچ سو روپے انعام دیا۔ مجموعے کا نام "جام دسنداں" ہے جو ابھی زیر طبع ہے۔

اسلامی ممالک کے متعلق کتاب

(ماسکو) یہاں اکادمی کے رکن واسلی بارتولا کی ایک کتاب شائع ہو رہی ہے جو نو جلدوں میں ہوگی ان کی اس کتاب سے ترکی، اسلامی علوم، عرب خلافت کی تاریخ، ایران اور مشرق قریب و وسطی کے دوسرے علاقوں کے مطالعے میں بہت مدد ملے گی۔ ان نو جلدوں میں ۵۵۰ مقالے شامل ہیں۔

پوری نو جلدیں ۱۹۶۶ء تک تیار ہو جائیں گی۔

تعزیتی قرارداد

انجمن نوجوان مصنفین بمبئی کی ادبی نشست اتوار مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۶۲ء کو ساڑھے چھ بجے دفتر "نوجوان پارٹی" (نیسری منزل گیلا بائی اسٹریٹ، مدن پورہ) میں ہوئی۔ صدارت انیس جلالی صاحب نے کی۔ جلسے میں یوسف ناظم کے انتقال پُرملال پر ایک تعزیتی قرارداد باتفاق رائے منظور ہوئی۔ جس میں اردو کے اس ادیب کی بے وقت موت پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

کراچی میں یوم قلی قطب شاہ

اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کی یاد میں بہادر یار جنگ اکیڈمی کا اجلاس وسط جنوری میں بہادر یار جنگ ہائی اسکول کراچی میں منعقد ہوا۔ کراچی کے اہل قلم اور علم دوست خواتین و اصحاب نے شرکت کی۔ ان میں عبدالصمد، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، جمیل نقوی، سلیم ضیائی، خواجہ حمید الدین شاہد، نظر حیدر آبادی، خاور نگرامی، نذیر دہقانی اور اعجاز حسین کھٹا کے نام خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

سائنس کی دنیا

سوویت یونین نے پانچ برس کی تحقیق کے بعد ایک عظیم الشان مینار کا نقشہ تیار کیا ہے۔ یہ چھ پہلو کا مینار ہوگا، بنیاد کا قطر ڈیڑھ سو گز کے لگ بھگ اور اونچائی سوا سو میل کے قریب ہوگی۔ مینار کے اندر اوپر سے نیچے تک کوئی ۳۵ گز چوڑی پلاسٹک کی ایک نلکی ہوگی۔ اسی نلکی میں لفٹ ہوگا، مشینیں ہوں گی اور ساز و سامان ہوں گے، یوں سمجھئے کہ اس مینار کا دل و دماغ یہیں ہوگا۔

مینار کی عمارت میں سینما گھر، ریستوران، رقص و موسیقی کے کمرے، آرام اور تفریح کے سامان اور چہل قدمی کے لئے کھلے برامدے بھی ہوں گے۔ اس مینار میں ایک لاکھ آدمی ایک وقت میں اکٹھا ہو سکیں گے۔ اور لطف یہ ہے کہ بادل گھرے ہوں یا کہر چھایا ہو، لفٹ کے ذریعہ جب مینار کی چوٹی پر کوئی سوا میل بلندی پر پہنچ جائیں گے تو وہاں سورج چمکتا ہوگا۔

(بقیہ اشاریہ صلہ)

قارئین میں سے کچھ حضرات نے ہمیں مزید فہرستیں بھیجی ہیں۔ اب انشاء اللہ ہم جلد ہی ہندوستانی ماہناموں کی ایک مکمل فہرست آپ کی خدمت میں پیش کر سکیں گے۔

پاکستانی مطبوعات

مذہب۔ احادیث۔ تفسیر

- انسان نے کیا سوچا؟ پرویز ۱۲/-
- فتاویٰ رشیدیہ کامل مولانا رشید احمد گنگوہی ۸/-
- تلبیس ابلیس مولانا ابو محمد عبدالحق ۹/-
- بلوغ المرام حافظ احمد بن علی ۸/-
- ترمذی شریف امام ابو عیسیٰ محمد ترمذی ۸/-
- تقویۃ الایمان علامہ شاہ محمد رشید ۸/-
- کتاب الآثار ترجمہ۔ مولانا ابوالفتح محمد صغیر الدین ۸/-
- کتاب التوحید امام العلامہ محمد بن عبدالوہاب مترجم ابو عبداللہ ۲/-
- اسلام اور تحریک تجدید مصر میں۔ چارلس سی آدم۔ مترجم عبدالمجید سالک ۵/-
- مفتاح القلوب۔ سید ابوالحسن علی۔ مترجم۔ خیال امروہوی ۶/-
- داستانِ عمل ایم عبدالرحمٰن خاں ۶/-
- قرآنی دستور حیات ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ۴/-
- انوار اصفیا ۱۲/-
- تذکرہ غوثیہ مولوی شاہ گل حسن ۵/-
- حکمائے عالم جمال الدین ابوالحسن مترجم غلام جیلانی برق ۱۰/-
- تجرید صحیح بخاری مترجم ابوالفتح صاحب ۱۰/-
- تذکرہ اولیا مفتی ولی حسن ٹونکی ۲/-
- قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے ہم عبیداللہ سندھی ۱/۵۰
- سائنس اور اسلام اشرف علی تھانوی ۸/-
- کتاب الاخلاق مفتی انتظام اللہ شہابی ۲/۵۰
- تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ مناظر احسن گیلانی ۴/۵۰
- خدائی وعدہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین بمعراج محمد بارق ۳/۵۰
- شہدائے اسلام حافظ اخلاق حسین ۲/-
- سیرت پاکؐ بشیر محمد شارق دہلوی ۱/۵۰
- تاریخ قرآن مولانا عبدالقیوم ندوی ۲/-
- کتاب المعاشرت مفتی انتظام اللہ شہابی ۲/۲۵
- شمائل ترمذی حافظ محمد بن عیسیٰ
- صحیح بخاری شریف اول مولانا امجد علی ۱۵/-
- " " " دوم " " ۱۵/-
- مسند امام اعظم ابوحنیفہ مترجم مولانا سعادت حسن
- اسلام کے عالمگیر اصول علامہ فرید وجدی مترجم سید احمد حسن نقوی ۳/-

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ابلیس و آدم	پرویز	۸/-
اسلام اور عقلیات	مولانا اشرف علی تھانوی	۶/۷۵
بہار شریعت	مولانا امجد علی	۱۰/۷۵
اصلاحات کبریٰ	ابوالقاسم رفیق دلاوری	۹/-
مقدمہ ابن خلدون	مترجم مولانا سعد حسن خاں یوسفی	۱۶/-
برق طور	پرویز	۶/-
تزکیۂ نفس مکمل	امین احسن اصلاحی	۶/-
الطبقۃ الناجیہ	مولانا اشرف علی تھانوی	
عمر بن عبدالعزیز	رشید اختر ندوی	۶/-
گلستان حدیث	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی	۲/۵۰
صحابیات	نیاز فتح پوری	۶/-
شعلۂ مستور	پرویز	۶/-
حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی	مولانا مناظر احسن گیلانی	۱۲/-
جوئے نور	پرویز	۶/-
سنن دارمی شریف	ابومحمد عبداللہ دارمی	۸/-
امام احمد ابن حنبل	محمد ابوزہرا، مترجم رئیس احمد جعفری	۱۰/-
تاریخ اسلام حصہ اول	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۱۲/-
حصن حصین	علامہ محمد ابن جزری	۸/-
سفینۃ الاولیاء	شہزادہ دارا شکوہ	۶/۷۵
آئینہ حقیقت نما جلد اول دوم	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۱۴/-
رحمت اللعالمین مع حصے کامل	قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان	۱۲/-

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ریاض الصالحین جلد اول	مولانا عبدالرحمن صدیقی	۱۰/-
〃 〃	〃 〃	۱۰/-
انتخاب صحاح ستہ	مولانا امجد علی	۸/-
اسباب زوال امت	پرویز	۲/-
احکام سلطانیہ	علامہ ابوالحسن ماوردی، مترجم مفتی انتظام اللہ	۶/-
صداقت اسلام	مولانا محمد قاسم نانوتوی	۶/-
فقہ عمر	شاہ ولی اللہ صاحب	۴/۷۵
طاہرہ کے نام اول	پرویز	۲/-
〃 〃	〃	۲/-
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت	حیدر زماں صدیقی	۲/۲۵
شفائے کامل	عبدالقیوم ندوی	۱/۵۰
فاتحہ کا صحیح طریقہ	مولانا قاضی سید اسماعیل	۱/-
امامت عظمیٰ	سید محمد رشید رضا، مترجم ابوالفتح عزیزی	۲/۶۲
مسئلہ خلافت	مولانا ابوالکلام آزاد	۳/۵۰
خلق مسلم	امام غزالی، مترجم عبدالصمد صارم	۵/-
البرامکہ	مولانا عبدالرزاق کانپوری	۱۲/-
سلیم کے نام اول	پرویز	۶/-
〃 〃 دوم	〃	۶/-
〃 〃 سوم	〃	۶/-
مقام سنت	مولانا محمد شاہ جعفری پھلواروی	۱/۵۰

- کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت ۔ مولانا محمد جعفر شاہ صاحب ۱/۵۰
- الادب المفرد اردو ۔ امام بخاری ۔ مترجم خلیل الرحمن نعمانی ۱۲/-
- مسلمانوں کے سیاسی افکار ۔ پروفیسر رشید احمد ۵/۵۰
- میراث اسلام ۔ سر ٹامس آرنلڈ ۔ مترجم عبدالمجید سالک ۹/۵۰
- اسلام اور عدل و احسان ۔ رئیس احمد جعفری ۶/۵۰
- موطا امام محمد ۔ مترجم خواجہ عبدالوحید صاحب ۸/-
- معراجِ انسانیت ۔ پرویز ۲۰/-
- من و یزداں ۔ " ۱۰/-
- تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ۔ مرتبہ سید نذیر نیازی ۸/-
- اسلام کا نظریہ تعلیم ۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۱/۲۵
- اسلام اور حقوقِ انسانی ۔ خواجہ عباد اللہ اختر ۱/۵۰
- اجتہادی مسائل ۔ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ۴/۵۰
- اسلامی طریقہ جنگ ۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں ۷/۵۰
- اسلام پر کیا گذری ۔ علامہ احمد امین مصری ۔ مترجم عمر احمد عثمانی ۵/-
- تبلیغ دین ۔ امام غزالی ۔ مترجم مولانا عاشق الہی میرٹھی ۳/-
- عورت انسانیت کے آئینے میں ۔ ایم ۔ عبدالرحمن خاں ۴/-
- تاریخ مسلمانان عالم اول ۔ مولانا قاری احمد ۵/۲۵
- تاریخ مسلمانان عالم دوم ۔ مولانا قاری احمد ۵/۲۵
- اہم قانونی تجاویز ۔ مولانا محمد جعفر شاہ ندوی ۱/۲۵
- تجدید نسل " " " " -/۷۵
- مقالات قرآنی ۔ علامہ عبداللہ العمادی ۳/-
- اسلامی معاشرت ۔ پرویز ۲/-
- اسلام کی بنیادی حقیقتیں ۔ ڈاکٹر رفیع الدین ۲/۵۰
- قرآن اور علم جدید " " ۶/۵۰
- ریاض السنہ ۔ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی ۱۰/-
- سیاست شرعیہ ۔ رئیس احمد جعفری ۵/-
- زیردستوں کی آقائی ۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۳/۵۰
- ام الکتاب ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۳/۵۰
- الدین یسر ۔ مولانا محمد جعفر شاہ ندوی ۶/-
- تاریخ تصوف اسلام ۔ رئیس احمد جعفری ۳/۲۵
- موازنہ صلیب و ہلال ۔ نکہت شاہجہاں پوری ۲/۵۰
- فجر الاسلام ۔ علامہ احمد امین مصری ۱۰/-
- اسلام اور رواداری اول ۔ رئیس احمد جعفری ۷/۵۰
- " " " دوم " " ۷/۵۰
- " " " سوم " " ۷/۵۰
- منہاج العابدین ۔ امام غزالی ۔ مترجم عابد الرحمن صدیقی ۶/-
- اسلام کا نظریہ حیات ۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۔ مترجم قطب الدین احمد ۸/-
- نظام الملک طوسی ۔ مولوی عبدالرزاق کانپوری ۱۲/-

کتاب	مصنف	قیمت	کتاب	مصنف	قیمت
اسلام اور مذاہب عالم	محمد مظہر الدین صدیقی	۴/۵۰	تارِ پیراہن	شان الحق حقی	۲/۰
			ترانۂ وحشت	رضا علی وحشت کلکتوی	۷/۰

شعری مجموعے

کتاب	مصنف	قیمت	کتاب	مصنف	قیمت
			تلاطم	محمود رجا جالندھری	۳/۰
انجمن	غلام مصطفیٰ صوفی تبسم	۸/۰	ترجمانِ اسرار	شیخ عبدالرحمٰن	۳/۰
رنگ جنوں	منیر جعفری	۲/۲۵	تلخیاں	ساحر لدھیانوی	۴/۰
مثنوی فریادِ داغ	داغ دہلوی	۳/۰	حرف جنوں	بشیر فاروقی	۳/۵۰
فکر و نشاط	جوش ملیح آبادی	۲/۵۰	خرابات	عبدالحمید عدم	۴/۰
آیات و نغمات	" "	۵/۰	خیابانِ ارم	نثار احمد انوار	۳/۰
جنون و حکمت	" "	۴/۰	آویزے	" " "	۳/۰
سیف و سبو	" "	۵/۰	رموزِ فطرت۔ ارمغان حجاز کا ترجمہ		
آتشِ گل	جگر مراد آبادی	۵/۰	علامہ اقبال۔ مترجم عبدالرحمٰن طارق		۳/۰
دیوان جگر مراد آبادی	" "	۱/۵۰	دیوان حالی (جدید ایڈیشن)		
آہِ ناتمام	بہزاد لکھنوی	۲/۰	خواجہ الطاف حسین حالی		۲/۰
نغمۂ روح	" "		زمزمستان	حسن عظیم آبادی	۳/۰
انتخاب سودا	ثاقب کانپوری	۳/۰	زہرِ آرزو	ساغر صدیقی	۳/۰
انتخاب ریاض خیر آبادی	مرتبہ مظفر حسین شمیم	۲/۵۰	سرودِ رفتہ۔ علامہ اقبال		
انتخاب مومن	مرتبہ وقار عظیم	۲/۲۵	مرتبہ غلام رسول مہر		۸/۰
آگ میں پھول	حمایت علی شاعر	۲/۰	سلوٰی	عبدالعزیز خالد	۱/۵۰
انتخاب غالب	مرتبہ ممتاز حسین	۲/۰	غزلیں۔ دوہے۔ گیت		
بادۂ مشرق	ساغر نظامی		جمال الدین عالی		۴/۰

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، ناگ جی جے اسپتال، بمبئی ۳

سالانہ چندہ ایک روپیہ — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی — فی پرچہ دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

انوکھا عجائب خانہ

حسین حسّان

ان معلوماتی کتابوں میں چھوٹی موٹی روزمرّہ کی چیزوں کے بارے میں سوال قائم کرکے اُن کے جواب دیے گئے ہیں۔ سوال و جواب کا انداز اتنا انوکھا، دلچسپ اور مزیدار ہے کہ دلچسپ سے دلچسپ کہانی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ بہترین معلوماتی کتابیں ہیں جو دوسری بار شائع ہوئی ہیں۔

قیمت حصہ اول	حصہ دوم	حصہ سوم	حصہ چہارم
۵۰ نئے پیسے	۴۰ نئے پیسے	۴۴ نئے پیسے	۵۰ نئے پیسے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

Regd No D.58

Kitab Numa April 1962
JAMIANAGAR, NEW DELHI. 25
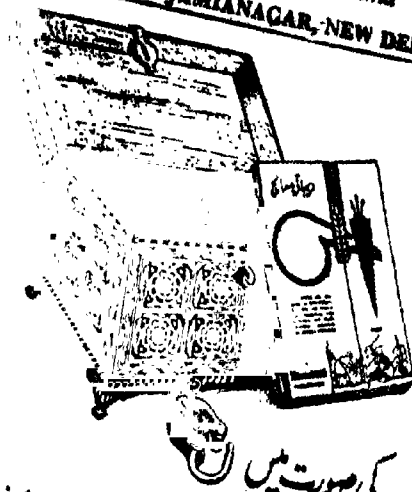
اچھی صحت کا خزانہ

اب ایک انتخاب کی صورت میں

انی میں دیسی جڑی بوٹیوں کی معلومات صرف مخصوص لوگوں کو ہوتی تھیں۔ یہ ایسا راز تھا جو ایک نسل سے دوسری نسل تک سینوں میں محفوظ رہتا تھا۔ ہمدرد نے اب عوام کی معلومات کے لیے ایک آسان، جامع اور مؤثر انتخاب شائع کیا ہے۔ یہ انتخاب اس ریسرچ کا نتیجہ ہے جو ہندوستانی جڑی بوٹیوں پر کی گئی ہے۔ ہر ایک چیز کو تصاویر کے ذریعہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

"دیہاتی معالج" جو دو حصوں (اور تین زبانوں) میں شائع کی گئی ہے، ایسی ۱۹۶ جڑی بوٹیوں اور دواؤں پر مشتمل ہے جو نوّے فی صدی امراض کے لیے آسانی سے استعمال کی جا سکتی ہیں۔ عام نزلہ اور دانت کے درد سے لے کر کنٹھ مالا اور تپ دق، روزانہ ہونے والے حادثات، سانپ کاٹنا، خاندانی اور پیچیدہ امراض تک کا علاج ان چیزوں میں موجود ہے۔ ہر ہندوستانی گھرانے میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

اپنی کاپی آج ہی محفوظ کرا لیجیے

قیمت: حصہ اول تین رُپے —— حصہ دوم دو رُپے پچاس نئے پیسے

(محصول ڈاک علاوہ بذمہ خریدار)

(کتاب ہندی، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہے)۔

ہمدرد

دہلی —— کانپور —— پٹنہ

ماہنامہ
کتاب نما

راجندر سنگھ بیدی کسی تعارف
کے محتاج نہیں۔ آپ صفِ اوّل
کے لکھنے والے ہیں۔ آپ کی کہانیوں
کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں
جن کا ترجمہ ہندوستان کی متعدد زبانوں کے علاوہ انگریزی
فرانسیسی، روسی، جرمن اور چینی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی ۱۹۱۵ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کی پہلی کہانی "بھولا" شائع ہوئی جس کو عام طور سے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ اس کے بعد تین افسانوں کے مجموعے "دانہ و دام" "گرہن" اور "کوکھ جلی" اور دو ڈراموں کے مجموعے "بے جان چیزیں" اور "سات کھیل" شائع ہوئے۔ ان مجموعوں نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دئے۔ آپ کی پہلی ناول "ایک چادر میلی سی" شائع کرنے کا فخر مکتبہ جامعہ کو حاصل ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی

نگراں: غلام ربانی تاباں

مدیر: ریحان احمد عباسی

جلد ۳ — مئی سنہ ۱۹۶۲ء — شمارہ ۵

اشاریہ

مئی کے مہینے سے درسی کتب کا سیزن شروع ہو رہا ہے اور کم و بیش اخیر اگست تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس دوران میں قدرتی طور پر ہماری توجہ درسی کتب کی طباعت اور اشاعت پر مرکوز رہتی ہے کیونکہ اس باب میں کوتاہی یا تاخیر بچوں کے حق میں مضر ہوتی ہے۔

مہاراشٹر، گجرات، راجستھان، پنجاب، دہلی اور مدھیہ پردیش کے اس علاقے میں جو پہلے مدھیہ بھارت کہلاتا تھا، ہماری وہی درسی کتابیں رائج رہیں گی جو گزشتہ سالوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں نئے سال کے لئے ان کتابوں کے تازہ ایڈیشن تیار ہو گئے ہیں۔

آندھرا پردیش میں امسال ہماری تین کتابیں منظور ہوئی ہیں۔ اردو کا قاعدہ۔ اردو کی چوتھی کتاب اور دنیا کے بسنے والے۔ ان کتابوں کی طباعت کا کام شروع ہو گیا ہے۔

محمود گل خاں صاحب جامعی کی کتاب "تذکرۂ جگر" کی طباعت آخری منزلوں سے گذر رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب اب بہت جلد شائع ہو کر شائقین جگر کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

اسی طرح ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب "روح اقبال" کا نظر ثانی شدہ نیا ایڈیشن اور جناب مالک رام ایم اے کی شہرۂ آفاق تصنیف "ذکر غالب" بھی ترمیم و اضافے کے بعد کتابت کی آخری منزلیں طے کر رہی ہیں۔ امید ہے ہم یہ کتابیں بھی بہت جلد شائقین ادب کی خدمت میں پیش کر سکیں گے۔

رسائل و اخبارات وغیرہ کی فہرست شائع کرنے کا سلسلہ ہماری زبان میں [illegible] شروع ہو گیا ہے۔ اس طرح کی فہرست کتب [illegible] شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا [illegible]

[illegible]

راجیندر ناتھ شیدا

اصغر کی شاعری

بادی النظر میں یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ ملک کا جو ماحول اقبال، چکبست اور جوش پیدا کرے وہی اصغر جیسے شاعر کو بھی جنم دے مگر اس دور کے سماجی پس منظر کو سمجھنے سے یہ گتھی خود بخود سلجھتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ موجودہ صدی خصوصاً کوئی پچھلے تیس برس کا زمانہ ہمارے سماج میں ایک زبردست کشمکش کا زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا:۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا!
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

ہاں تو اس زمانہ میں ایک نئی تہذیب کا آفتاب ہمارے ملک کے افق پہ سے طلوع ہوا اور قومی زندگی کے منجمد تودے پگھل کر مختلف سمتوں میں بہنے شروع ہو گئے۔ یہ چھوٹے بڑے، نرم اور طوفانی دھارے قدیم تہذیب کی بوسیدہ دیواروں کے لئے بلائے ناگہانی ثابت ہوئے! ظاہر ہے کہ نئے حالات میں پرانی تہذیب کی صرف وہی تعمیریں اپنی جگہ قائم رہ سکتی تھیں جن کی بنیادیں ٹھوس اور مضبوط ہوں۔

جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے، قصیدہ اور مرثیہ جمہوریت اور ارضیت کے روز افزوں احساسات کے سامنے برقرار نہ رہ سکے۔ گوناگوں محاسن و معائب کی حامل غزل کے ناپائدار عناصر معدوم ہونے شروع ہوئے اور آج بھی یہ تحلیل بدستور جاری ہے۔

غرض اصغر کا دور تنوع کا دور تھا جس میں انفرادی ذوق کے لئے انتخاب کی بہت گنجائش پیدا ہو چکی تھی۔ اس میں نئی چیزیں بھی تھیں اور پرانی بھی اور نئی اور پرانی چیزوں سے مل کر مخلوط چیزیں بھی وجود میں آ رہی تھیں۔ اب یہ اپنے اپنے ذوق پر منحصر تھا کہ کون سی چیز پسند آئے۔

شاعر کے جذبات اپنے اظہار کے لئے خود بخود صنفِ نظم انتخاب یا اختراع کر لیتے ہیں۔ اصغر

اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ان کے فطری میلانات کا جائزہ لیتے وقت ایک دلچسپ تضاد کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بیسویں صدی کے شاعر تھے۔ مگر انھیں اپنے ہنگامی احول کی اقتصادی، سیاسی اور سماجی کشمکش میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ وہ اپنے ذہن کے شیش محل میں تصورات کی شمعیں روشن کرکے چاروں طرف نورانی مناظر کا مشاہدہ کرنے پر صابر تھے۔ ان کے لئے خارجی دنیا سے داخلی دنیا زیادہ سوز و ساز سے معمور اور پرکیف تھی۔ لہذا انھوں نے اپنی روحانی کیفیات ڈھالنے کے لئے جس سانچے کو پسند کیا وہ غزل ہے۔ صدیوں کے کامیاب استعمال سے غزل میں واردات قلب کی لطیف جھلکیاں دکھانے اور ہیجانات کے طوفان سمونے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ غرض اصغر غزل کے شاعر ہیں۔ مگر یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ وقت کی قدرتی رو اصغر کے مذاق شعری کو میر یا غالب کے عہد سے بہت آگے بہا لائی تھی۔ یہ تو حقیقت ہے کہ کوئی بھی چیز کیوں نہ ہو اور کتنی بھی ارتقائی منزلیں کیوں نہ طے کرلے اس میں اپنے ماضی کے کچھ نہ کچھ عناصر ضرور ملتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اصغر کی شاعری میں بھی اپنے پیش رو اساتذہ کے مقبول جذبات کی چاشنی موجود ہے۔ مگر اسے محض روایتی شاعری تصور کرنا قطعی غلط ہوگا۔ کیونکہ ہمیں اس پر جابجا اصغری عہد اور انفرادیت کی مہریں ثبت نظر آتی ہیں۔

اردو شاعری کا زیادہ ارتقاء ایک طرح کے مصنوعی ماحول میں ہوا۔ جس میں فن کار کے ذہن کو اپنے گردوپیش کی عام زندگی سے بہت سطحی تعلق تھا۔ احساسات خلا میں پیدا نہیں ہوتے۔ اس لئے ان حالات کا فن کار کے تاثرات پر بہت گہرا اثر پڑا اور وہ زندگی سے زیادہ فنی روایات سے متاثر ہوتا رہا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں، جب مغربی اثرات کے ماتحت ہم نے اپنی زندگی کو اصلیت اور عقلیت کی نظروں سے دیکھنا شروع کیا تو ہمیں اپنی غزل کے چند نمایاں خد و خال نظر آئے۔ غزل طبیعتوں میں رچی ہوئی تھی مگر اس کے کچھ عناصر مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے۔ اگرچہ اس وقت ہم اپنے محسوسات کو صحیح طور پر تحلیل نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ یہ کام زیادہ معلومات اور وقت چاہتا تھا لیکن پھر بھی اتنا ضرور ہوسکا کہ زندگی اور فن کے نمایاں تضاد کو شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا۔ آزاد و حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" اور شبلی نے "شعر العجم" کے ذریعہ ہمیں اپنی تخلیقات کا بے ڈھنگا پن اور اس کا تدریجی ارتقاء سمجھنے میں مدد دی۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہماری غزلوں میں محبوب کا تصور مجاز اور حقیقت کے روایتی اور حقیقی تصورات کا مبہم خاکہ ہے اور یہ ابہام شاعر میں خلوص کی کمی نے پیدا کیا ہے۔ خلوص کی یہ کمی شاعر کے ذہن کو مبالغہ اور مثالیت کے مفروضہ خلاؤں میں اڑا اڑا کر لے جاتی ہے۔ جس سے حسن کی تصویر مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور عشق محض خیالی محسوس ہوتا ہے

لہذا شاعر کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ نئے حالات میں زندہ رہنے کے لئے وہ شعر کہنے سے پہلے اپنے دل میں خلوص پیدا کرے۔ اور ارضی اور متصوفانہ عشق کے دوراہے سے اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق کسی ایک راستہ پر گامزن ہو۔

تصوف ایک ایسا مشرب ہے جس میں حقیقت اور مجاز کے ڈانڈے مل جاتے ہیں اور سالک مجاز ہی کے زینہ سے حقیقت کی بلندیوں پر پہنچتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصغر بھی اوائلِ شباب میں عشقِ مجازی میں مبتلا ہو گئے، اور آٹھ دس برس حسن کی دل کش رعنائیوں سے لطف اندوز ہوئے۔ ہجر کے صدمے اٹھائے اور وصل سے متمتع ہوئے اور اس کے بعد شاہ عبدالغنی منگلوری سے ارادت حاصل کی۔

افسوس کہ اصغر کا عنفوانِ شباب کا کلام ضائع ہو گیا، ورنہ ان کی طبیعت کا زیادہ کھلا ہوا رنگ نمایاں ہوتا اور ممکن ہے کہ کچھ دلچسپ نفسیاتی نکات روشنی میں آتے۔ اب "نشاطِ روح" اور "سرودِ زندگی" کی شکل میں جو کچھ ہمارے سامنے موجود ہے وہ بعد کا کلام ہے جو کم و بیش چالیس سال کی عمر میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ زندگی کی وہ منزل تھی جس پر فطرتِ شباب کی شورشِ جذبات اور شیب کی سنجیدگی کا ایک خوشگوار امتزاج پیش کرتی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ شدتِ جذبات کے باوجود ان کی شاعری میں والہانہ پن کے بجائے ایک طرح کا ضبط اور ٹھہراؤ موجود ہے۔ اصغر کی زندگی میں نفاست اور سلیقہ مندی تھی۔ جو ان کی شاعری میں طرح طرح سے رونما ہوتی ہے۔ منتخب اشعار، سنجیدہ جذبات، بچے تلے الفاظ، ہیرے کی طرح تراشیدہ ترکیبیں اور لطیف اور اچھوتا اندازِ بیان۔

اصغر کی نظر صحیح معنوں میں فن کار کی نظر تھی جو اپنے ماحول کی ہر شے میں حسن کا مشاہدہ کرتی تھی۔ انھیں شاید تصوف میں اس لئے بھی دلچسپی تھی کہ اس وحدت الوجود کا فلسفہ پیش کر کے ساری کائنات کو حسنِ مطلق کا بوقلموں گلدستہ قرار دیا اور رنگا رنگ مظاہر کو سادی تجلیات کے دل فریب رنگوں میں ڈبونے کی کوشش کی۔ اصغر کو کائنات اور اس کی ہر حسین شے سے عشق تھا وہ ہر جلوۂ حسن کو اپنے مضطرب سینے کے زیادہ سے زیادہ قریب کھینچنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیزیں ان کے لئے غیر محدود لذت کا سرچشمہ تھیں۔ ان کا قلم حسن کی کیفیات بیان کر کے رنگینیوں اور مسرتوں کے ساغر چھلکاتا تھا۔ کیسی دل کش تشبیہ ہے۔

اس عارضِ رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا
محسوس یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی

یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ایک دھڑکتا ہوا دل ضرور محسوس ہوتا ہے۔ لیکن روتی ہوئی آنکھ

کہیں نظر نہیں آتی۔ اسی لئے تو وہ کہتے ہیں:۔

شعر میں رنگینیٔ جوشِ تخیل چاہیے — مجھ کو اصغرؔ کم ہے عادت نالہ و فریاد کی

یا

خروشِ آرزو ہو نغمۂ خاموشِ الفت بن — یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں

اصغرؔ کو جمالیات کی ایک رمز سے حیرت انگیز واقفیت تھی وہ نظارۂ جمال کو ایک داخلی تجربہ تصور کرتے تھے۔

جلوہ ترا اب تک ہے نہاں چشمِ بشر سے — ہر ایک نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے

ان کی نظر میں حسن اور عشق ایک ہی چیز کے دو مختلف پہلو ہیں۔ وہ حسن کے ناز اور عشق کے نیاز کے قائل نہیں بلکہ وہ حسن و عشق کی باہمی کشش پر بہت زور دیتے ہیں اور عشق میں بھی حسن کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

کرشمے حسن کے پنہاں تھے شاید رقصِ بسمل میں — بہت کچھ سوچ کر ظالم نے تیغِ خونچکاں رکھ دی

محو ہے ذوقِ دید بھی جلوۂ حسنِ یار میں — ایک شعاعِ نور ہے اب یہ نظر نظر نہیں

دید کیا، نظارہ کیا، اس کی تجلی گاہ میں — وہ بھی موجِ حسن تھی جس کو نظر سمجھا تھا میں

کتنی پیاری شکل ان پردوں میں ہے جلوہ فروز — عشق کو ژولیدہ مو آشفتہ سر سمجھا تھا میں

کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگِ کمال — چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے

عشق تھا آپ مشتعل، حسن تھا خود نمود پر — میری نظر سے کیا ہوا، تری نظر نے کیا کیا

ہمہ گیر جمال کے اس داخلی تصور نے اصغرؔ میں ایک قسم کی انا پیدا کر دی تھی جس نے ان کی شاعری کو روایتی عشق کی بدعتوں سے محفوظ رکھا۔ ایک تو یہ کہ وہ کبھی محبوب کے در پہ سر زیر بارِ منتِ درباں کئے ہوئے پڑے نظر نہیں آتے۔ عظمتِ عشق کا احساس قدم قدم پر ان کی شاعری کے دھندلکوں سے جھانکتا نظر آتا ہے۔

وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے

اسرار کی بارش ہو انوار کی ریزش ہو ساغر کو جو ٹکرا دوں اس گنبدِ مینا سے

اور پھر ان کا وہ مشہور شعر

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظِ ناداں!
ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھ دی

دوسرے ان کے یہاں رشک رقیب کی خلش اور ناکامی محبت کی نوحہ خوانی ناپید ہے۔ اصغر کے عشق کی نوعیت پر غور کرنے سے ان کے جذبات کا تجزیہ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ان کی دل کشی کے مراکز غیر محدود ہیں جن میں کسی دوسرے کی شرکت ان کے اپنے جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ ایسی صورت میں احساسِ رقابت اور رشک و حسد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کے علاوہ وہ عشق کو تقاضائے فطرت اور عینِ حیات تصور کرتے ہیں جس سے فرار ممکن نہیں۔ اصغر کے عشق کے سامنے مشکل سے حاصل ہونے والے مقاصد نہیں ہیں بلکہ وہ تو عشق کے ہر تجربہ سے لطف اندوز ہونے کو ہی عشق کا مقصد خیال کرتے ہیں۔

حسن کو وسعتیں جو دیں عشق کو حوصلہ دیا جو نہ ملے نہ مٹ سکے وہ مجھے مدعا دیا

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود جُز اس کہ لُطف خلش ہائے نالۂ بے سود

اپنے ماحول سے یہ جذباتی مفاہمت اصغر کی شاعری میں مختلف صورتوں سے رونما ہوتی ہے اور اُن کی تمام تخلیقات کی فضا میں ایک طرح کے صبر و سکون کا جادو جگا دیتی ہے۔ اس مفاہمت اور طمانیت کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

بے تلوّن سے ترے جلوۂ نیرنگ حیات میں تو مر جاؤں جو امید وفا ہو جائے

کیوں شکوہ سنج گردشِ لیل و نہار ہوں اک تازہ زندگی ہے ہر اک انقلاب میں

گر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اُٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے   اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

نہ مدعا کوئی میرا نہ کچھ ہراس مجھے   کہ زندگی ہے فقط بے دلی و بے جگری

اصغر ایک سنجیدہ شخص تھے جنھوں نے زندگی کے چند بہ گیر مسائل کے متعلق بھی غور کیا تھا۔ ان کی شاعری میں ہمیں جا بجا اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔ مثلاً

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو   پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا

ایک اور موقع پر یہی خیال زیادہ لطیف انداز میں پیش کیا ہے جس میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ فقدانِ عمل زوالِ حیات کا موجب بن جاتا ہے

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری   جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

ان خصائص سے اردو شاعری میں اصغر کی جو انفرادیت قائم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے یہاں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کے بغیر کوئی شاعری صحیح معنوں میں بلند مرتبہ حاصل نہیں کر سکتی اور وہ صفت ہے جدّتِ ادا۔ مشرقی شاعری میں وحدت الوجود ایک پامال مضمون ہے مگر وہ اصغر کے یہاں کس کس پیرایہ میں جلوہ گر ہوتا ہے!

ہے ایک ہی جلوہ جو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
آئینہ بھی حیران ہے آئینہ نگر بھی

بس اتنے پر ہوا ہنگامۂ دار و رسن برپا   کہ لے آئینہ کیوں آغوش میں مہرِ درخشاں کو

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے
پردہ پہ مصوّر ہی تنہا نظر آتا ہے

لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا   جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

اسی طرح چند لطیف کنائے بھی قابلِ داد ہیں

جو مجھ پہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری!

جانِ بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی
اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی

کیا مرے حال پہ سچ مچ انہیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

اگرچہ اصغر ان معنوں میں صوفی نہیں تھے جن میں اُردو کے ابتدائی دور کے چند ادیب یا خواجہ میر درد تھے۔ مگر ان کی زندگی کے معلوم حالات اور شاعری کے مطالعہ سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ انھیں تصوف سے گہری دل چسپی تھی. تصوف عہدِ قدیم میں علمائے دین کی بے رُوح نقہ پرستی کے خلاف ایک شدید ردِ عمل تھا جو معرفتِ الٰہی کی تحصیل کے لئے ایک روحانی لائحہ عمل پیش کرتا تھا لہٰذا اس نے ہندوستان میں بھگتی کی تحریک کی طرح شاعری میں اپنے لئے ایک خاص جگہ پیدا کر لی۔ جب تک فارسی اور اُردو شاعری پڑھنے والے موجود ہیں اس کی تاریخی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ آج کی بدلی ہوئی فضا میں اس قسم کی تخلیقات کے لئے زیادہ گنجائش نظر نہیں آتی۔

ہمارا عہد ایک جدید اقتصادی انسانیت کا عہد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ آج کے انسان کو نہ مابعد الطبیعاتی موشگافیوں میں زیادہ دل چسپی ہے اور نہ وہ جذبات کے لئے عقل کو قربان کر سکتا ہے۔ یہ اشعار

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے میں بے خبر ہوں بہ اندازۂ فریبِ شہود

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظامِ کار اس کا
یہ پوچھتا ہے تری نرگسِ خمار آلود

گوشہ گوشہ علم و حکمت کا ہے سب دیکھا ہوا
یہ غنیمت ہے در میخانہ اب تک باز ہے

قدیم جذباتی ماحول میں تو بے حد دل چسپی کا سامان بن سکتے تھے لیکن اس زمانہ میں جب کہ ہم جذبات کا تجزیہ کرنے لے بھی عقل کے استعمال کو ناگزیر تصور کرنے لگے ہیں۔ زیادہ مقبول نہیں ہو سکتے۔

عہد حاضر اپنے فن کار سے اجتماعی حیاتِ انسانی کے گہرے مطالعہ اور موجودہ زندگی کے پیچیدہ مسائل میں بصیرت کی توقع رکھتا ہے اور ساتھ ہی عام زندگی کو زیادہ خوشگوار بنانے میں اس سے اشتراکِ عمل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس حیثیت سے اصغر کی شاعری رُوحِ عصر سے زیادہ ہم آہنگ نظر نہیں آتی۔

اخترالایمان

دُعا

اب نہ شوریدہ سری ہے نہ امنگوں کا ہجوم
لب پہ فریاد نہ تھراتے ہیں پلکوں پہ نجوم
اب نہیں اٹھتا مرے سینے میں آہوں کا دھواں
اب نہیں پڑتا سرِ راہ کوئی ایسا مکاں
جس کی دیوار کے سائے میں سحر گاتی ہے
گوشہ گوشہ میں جہاں بوئے چمن آتی ہے
اب نہیں نظریں بھٹکتیں کسی صورت کے لئے
اب نہیں رکتے قدم کسی در پہ عبادت کے لئے
کوئی بیٹھا ہے پسِ پردہ نہیں ہوتا قیاس
میں بگولہ ہوں مجھے اب نہیں ہوتا احساس
میرے پہلو میں دھڑکتے ہوئے دل کا مفہوم
گردشِ خون ہی باقی ہے ہر اک شے معدوم
میری وہ آنکھیں تڑپتا تھا کبھی جن میں شباب
جو رہا کرتی تھیں اک درد کے مارے بےخواب
آج اس واسطے چہرے پہ ہیں بنیا کھلاؤں
آج اس واسطے بیٹھا ہوں کہ سب دیکھنا جاؤں
تم نے میرے لئے جس دن کی دعا مانگی تھی
یہ وہی روزِ قیامت ہے مبارک ہو تمہیں

(یہ نظم اخترالایمان کے مجموعۂ کلام "یادیں" سے لی گئی۔ یادیں: صفحات ۲۲۲ [illegible] مجلد قیمت چھ روپے)

برکت علی فراق

نئی سڑک

"یہ نئی سڑک کیا بن گئی روزی کا ایک بہانہ تھا، وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا..... بڑے زور کی بھوک لگی ہے، منگیا، کچھ بنایا دنایا ہے؟" النگو نے کھاٹ پر اپنے آپ کو پٹکتے ہوئے کہا۔

"آج بھی کچھ نہیں ملا کیا؟" منگیا نے جو بیمار جگو کو گود میں لئے النگو کا انتظار کر رہی تھی، پوچھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ آئیں گے تو ذرا بچے کو بہلا لیں گے، میں اتنے میں دو روٹیاں ڈال لوں گی۔

"ملتا کہاں سے رے، دن میں ایک بار تو کھیڑا ڈیہہ میں بس آتی ہے، وہ بھی دن چھپے اگر کسی کو یہاں سے کہیں جانا بھی ہو تو رات کو کون جاتا ہے۔ ہاں آس پاس کا کوئی جانے والا ہوا اور اس کے پاس کچھ سامان بھی ہوا تو چار چھ آنے مل گئے۔ دو دن سے ایسا بھی کوئی مسافر نہیں ملا۔ کھیڑا ڈیہہ پہنچتے پہنچتے بس خالی ہو جاتی ہے۔ رحیم خاں بھی اسی طرح ہاتھ جھلاتا ہوا واپس آگیا۔" النگو نے خالی ہاتھ گھر لوٹنے کی صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تو اب میں کیا کروں۔ ٹھاکر صاحب کے یہاں بھی جگو کی وجہ سے نہ جا سکی کہ دو چار سیر گیہوں ہی پیس لیتی۔ دو روٹیوں کا سہارا تو ہو ہی جاتا۔"

منگیا کی یہ بات النگو کو تیر کی طرح لگی۔ اس کی بھوک ختم ہو گئی، اس لئے نہیں کہ آج وہ پسونی کر کے کھانے بھر کو آٹا کیوں نہیں لائی، بلکہ اس احساس سے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی جوان چہیتی بیوی کو دوسروں کے گھر آٹا پیسنے جانا پڑتا تھا۔ وہ چپ ہو گیا جیسے اب کبھی اس کی زبان سے آواز ہی نہ نکلے گی۔ منگیا تھوڑی دیر اس کی طرف تکتی رہی، پھر اسی نے چھیڑا۔ "لو ذرا جگو کو تھوڑی دیر کے لئے تھام لو، میں ٹھاکر صاحب کے یہاں ہو آؤں۔"

* * * * * * * *

"ارے کون منگیا! کہاں جا رہی ہے رے!" ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے اسے ٹوکا۔

"ہاں بھیا! ارے میں ہی ہوں۔ ڈیوڑھی پہ جا رہی تھی۔ کئی دن سے نہیں آئی۔ جگو بیمار ہو گیا

تھا وہ صبح منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل جاتے ہیں۔ میں اُسے لئے پڑی رہتی ہوں۔ اب وہ آگئے تو میں نے سوچا کہ آٹا ختم ہو رہا ہوگا، چلوں دو چار ہی سیر پیس آؤں!" گنگیا نے اپنی غرض کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تو آٹا پینے آئی ہے! مگر اب تو میں نے اکٹھا ہی ڈھائی من کی بوری چکی پر پسوا لی ہے، کل ہی آیا ہے پس کر گیہوں! تجھے اور گاؤں کی دوسری عورتوں کو آٹا پیستے دیکھتا تھا تو جی کڑھتا تھا کہ اس آزادی کے زمانے میں غلامی کے زمانے کا دستور کچھ اچھا نہیں لگتا ...... جانے کو چلی جا تیرا گھر ہے، مگر اب پسونی کا کام نہیں ملے گا، میرا دل دُکھتا ہے۔" ٹھاکر صاحب نے بے زمین مزدوروں اور مزدورنیوں کے روزگار کا جو تسمہ لگا رہ گیا تھا، اسے بھی کاٹ دیا۔ گنگیا اُس جگہ سے آگے نہیں بڑھی، الٹے پاؤں گھر کا راستہ لیا۔

"لو اور بولو آگے بڑھ بڑھ کر ٹھاکر صاحب کی جے!" گنگیا پکے ہوئے پھوڑے کی طرح پھوٹ پڑی: "گھر میں ایک وقت کی روٹی کا ٹھکانہ تو تھا نہیں، عورت کی کمائی پر چلے تھے گاؤں کی بھلائی کے لئے شرم دان کرنے۔ اب دیتی کیوں نہیں یہ سڑک پیٹ بھر روٹی! کہتے نہیں ٹھاکر صاحب ...."

"دیکھو گنگیا، ٹھاکر صاحب کو تو کوسے نہیں، وہ دیوتا ہیں۔ اپنے بھاگ ہی خراب ہیں تو وہ کیا کریں، اور کیا کرے گاؤں! رہی یہ سڑک، تو وہ دن تجھے یاد نہیں ہیں جب تو دُلہن بن کر بیل گاڑی میں آرہی تھی اور بیلوں نے جواب دے دیا تھا تو تجھے بھی کیچڑ اور پانی میں شپا شپ پیدل چلنا پڑا تھا!" الگو نے گنگیا کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ٹھاکر صاحب کا بھگت تھا اور اُن کے اشارے پر جان تک دینے کو تیار رہتا تھا۔

"دیوتا ہوں گے اپنے گھر کے لئے تمہارے ٹھاکر صاحب" گنگیا اپنے شوہر کی خاطر بھی انہیں معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ تھی تو ایک غریب مزدور کی بیٹی ہی، مگر شادی سے پہلے بارہ تیرہ برس کی عمر تک اپنے باپ کے ساتھ جو ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتا تھا کلکتے میں رہ چکی تھی اور مزدوروں کی مجبوری اور سرمایہ داروں کے ہتھکنڈوں سے کسی قدر واقف تھی۔ جس وقت ٹھاکر رگھو ناتھ سنگھ نے بانس بازار کے روڈ جنکشن سے کھیرا ڈیہہ کو پکی سڑک کے ذریعے ملانے کی غرض سے شرم دان کی تحریک چلائی تھی اور الگو اور جھنو خاں بانس بازار میں اپنے لگے ہوئے کام کو چھوڑ کر کندھے پر پھاؤڑا رکھے سینہ تانے اس میں دل و جان سے شریک ہو چکے تھے تو اسی وقت گنگیا کا ماتھا ٹھنکا تھا اور اس نے دبے لفظوں میں الگو کو کام چھوڑنے سے منع بھی کیا تھا۔ اس کا شبہہ آج اس کے سامنے متشکل ہو کر موت کا ناچ ناچ رہا تھا۔

اُس کا خون کھول رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"مگر اُن کے دیوتا ہونے سے ہمیں کون سا سورگ مل گیا! جان کھپائی گاؤں والوں نے مزے کر رہے ہیں ٹھاکر صاحب اور سونا لال ساہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساہو جی تو پھر بھی چار پانچ من چنے بانٹ کر اپنے منافعے کو حلال کر لیا تھا۔ تمہارے ٹھاکر صاحب تو ننگے بھوکے شرم دانیوں کا بس باتوں سے پیٹ بھرتے رہے۔ زمینداری ختم ہونے کے بعد پلنگ چھوڑ کر زمین پر سونے کیا لگے کہ تم لوگوں نے انھیں دیوتا بنا لیا۔ ۔ ۔ ۔ بڑے آئے دیوتا کہیں کے"!

"یہ آج تجھے ہو کیا گیا سنگیا!" الگو نے اس کی بات پوری بھی نہیں ہونے دی۔ اسے اس وقت بھوک کی اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی سنگیا کی زبان سے ٹھاکر صاحب کی بُرائی سُن کر ہو رہی تھی۔

* * * * * * * *

ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ گھیرا ڈیہہ کے علاقے کے سب سے بڑے زمیندار تھے' اور بڑے عاقبت اندیش ہوا کا رُخ بہت جلد پہچان لیتے تھے! چنانچہ ۳۰-۱۹۳۲ء تک تو وہ آزادی کی تحریک سے نہ صرف الگ رہے بلکہ چوری چھپے تحریک میں حصہ لینے والوں کو جیل بھجوانے میں مدد بھی کرتے رہے تھے، لیکن ۱۹۴۲ء میں انھوں نے اپنا خیال بدل دیا تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب انگریزی اقتدار بہت دنوں تک ہندوستان میں نہیں رہے گا چنانچہ اب وہ سرکاری افسروں، تھانے داروں اور سرکار پرستوں کو منہ نہیں لگاتے تھے۔ کھدّر تو شروع نہیں کیا تھا لیکن اپنے ولایتی ریشمی کپڑے اور صافے وغیرہ اتار ڈالے تھے اور گاؤں کے جولاہوں کے بنے ہوئے کپڑے پہننا اور ننگے سر رہنا شروع کر دیا تھا۔

دراصل وہ کانگریس کے آزادی کے نعرے سے اتنے خوف زدہ نہیں تھے جتنے گرم دل کی انقلابی اسکیموں سے گھبرا گئے تھے۔ آدمی پڑھے لکھے تھے اور فرانس اور روس وغیرہ کے انقلابوں سے واقف تھے اس لئے ۱۹۴۲ء ہی میں انھیں اپنی زمینداری بھی خطرے میں نظر آ گئی تھی۔ اس خطرے کو پہچان کر انھوں نے کھیتی باڑی اور تجارت کی طرف توجہ کی تھی! اور اس دھندے کو آڑ بنا کر خام اور شکمی کاشت کاروں کے پاس جتنی زمینیں تھیں، انھیں اپنی خود کاشت میں لے لیا تھا۔ چنانچہ جب یو۔ پی کی آزاد سرکار نے زمینداری کے خاتمے کا قانون جاری کیا تو ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کے پاس بہت کچھ کھو دینے کے بعد بھی کئی ہزار ایکڑ زمین بچ رہی تھی، جو خود ان کی اپنی جوت کے اندر تھی۔ اقتدار کا لالچ چودھری کے لالچ سے کم شدید نہیں ہوتا۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے زمینداری ختم ہونے کے بعد سمجھ لیا کہ اب حکم چلا کر اپنا سکہ بٹھانے کے دن بیت گئے تو سوچا کہ اب اخلاق

اور سیوا کے میدان میں مورچہ جانا چاہئے۔ اتفاق سے بانس بازار میں جب ڈیولپمنٹ بلاک قائم ہوا اور کھپراڈیہہ اس میں شامل ہوا تو انھیں راستہ بھی ترپٹ مل گیا۔ ڈیولپمنٹ افسر ابھی کم عمر ہی تھا۔ اس لئے اس نے بھی دیکھا کہ ایک پڑھا لکھا سادہ مزاج اور بااثر بزرگ مل رہا ہے کیوں نہ اس سے مل کر اپنا کام ہلکا کیا جائے چنانچہ اگرچہ بانس بازار سے کھپراڈیہہ تک آنے جانے کے لئے جیپ وغیرہ کا کوئی معقول راستہ نہیں تھا، پھر بھی وہ زیادہ تر ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کے گھر ہی پڑا رہتا۔ گاؤں والوں کو اور کیا چاہئے تھا! انھوں نے دیکھا کہ ڈیولپمنٹ افسر ٹھاکر صاحب کا دھرم پتر بنا ہوا ہے، اور وہ جس کسی کا کچھ بھلا کرانا چاہتے ہیں، افسر بے چون وچرا اس کا کام کر دیتا ہے' تو ان کے نزدیک ٹھاکر صاحب کی دیوتائیت میں کیا کمی ہو سکتی تھی! ٹھاکر صاحب نے مورچہ سر کر لیا تھا۔ اور اب وہ کھپراڈیہہ گاؤں کے دیوتا بن چکے تھے۔

اسی زمانے میں بھودان کے نعرے کی آواز بھی کانوں میں پڑنے لگی تھیں۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے دیکھا کہ ایک حادثے سے تو معمولی چوٹ کھا کر بچ نکلے تھے اب یہ دوسری مصیبت آنے والی ہے اور یہ وہ مصیبت تھی جو قانون کو چونا لگانے سے بھی نہیں ٹل سکتی تھی۔ بھودانیوں نے گاندھی جی کے سیاسی اکھاڑے میں تربیت پائی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ خاتمۂ زمینداری کا قانون ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ اسے چونا لگانے والے پیدا ہو کر جوان ہو چکے تھے۔ انھوں نے طے کیا کہ وہ ہتھیار ہی نہ اٹھاؤ جسے کند کیا جا سکے۔ ایسا حربہ اختیار کرو کہ اسے کند کرنے والا خود ہی کند ہو کر رہ جائے۔

ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے اس تحریک کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا؛ اور اس کے اتنے والہ و شیدا ہوئے کہ بانس بازار کے علاقے میں سب سے پہلے جس شخص نے بھودانیوں کی سنگت اختیار کی، وہ یہی تھے۔ ذہین تھے ہی، اس کے ساتھ بااثر بھی تھے تحریک میں شامل ہوتے ہی ایسے مقبول ہوئے کہ بانس بازار کا علاقہ ان ہی کے سپرد کر دیا گیا بانس بازار ہی نہیں پورے صوبے کے معاملے میں ان کی یہ دلیل تھی کہ لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، اس لئے بھودان کے فلسفے کو فی الفور قبول نہیں کریں گے۔ لہٰذا انھیں پہلے دان کے آدرش کی مشق چھوٹے چھوٹے منصوبوں کے ذریعے کرانی پڑے گی۔ وہ اپنی جہالت کے سبب خود غرضی کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہئے کہ ان کے اندر اجتماعی فلاح کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہو، ان کی روح اونچے قسم کے آدرش اسی وقت قبول کر سکتی ہے جب وہ اس قسم کی آلائشوں سے پاک ہو چکی ہو۔ حالات وواقعات کی اس سے زیادہ منطقیانہ تحلیل اور کیا ہو سکتی تھی! . . . .

. . . . . . اور جب انھوں نے کھپراڈیہہ بانس بازار روڈ کی تعمیر کے لئے شرمدان کی تحریک

بھودانی بابا سے افتتاح کرایا اور بابا نے اس کے لئے گاؤں والوں کا جوش و خروش دیکھا تو وہ بھی ٹھاکر گھونا تھ سنگھ کی دور اندیشی کے قائل ہو گئے تھے۔ پھر تو یہ تحریک ایسی چلی کہ شرم دان کے آگے بھودان کا نعرہ دب کر رہ گیا اور اس کا سیلاب جو بڑی تیزی سے اُمنڈتا ہوا اس علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا چپ چاپ اپنا رُخ بدل کر دوسری طرف مڑ گیا۔

* * * * * * * * * *

"تو آخر ٹھاکر صاحب کے یہاں سے واپس کیوں چلی آئی منگیا، کسی نے کچھ کہہ تو نہیں دیا!" الگو کچھ عجیب کشمکش میں پڑ گیا تھا۔ وہ شرم دان کی تحریک کے معاملے میں منگیا کے طرزِ عمل سے واقف ضرور تھا لیکن اس میں اتنی شدت آج ہی محسوس کی تھی۔ پھر منگیا کا ٹھاکر صاحب کے یہاں سے اس قدر جلد واپس چلے آنا بھی کچھ کم معنی خیز بات نہ تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھا گویا اسی دم اس معمّے کو حل کر لینا چاہتا تھا۔

"کیا کروگے یہ سب کچھ پوچھ کر۔ میں ٹھاکر صاحب کا نام لوں گی تو تمھیں غصّہ آئے گا بس لیٹے رہو چپ چاپ اور اسی طرح لیٹے لیٹے سو جاؤ۔ میں گوبردھن بھیا کے گھر جاتی ہوں، جگّو کے لئے پاؤ بھر آدھ پاؤ دودھ تو مل ہی جائے گا۔ وہ جگّو کے لئے انکار نہیں کریں گے۔ وہ اُسے بہت پیار کرتے ہیں، اور وہ بھی انھی کے پاس دن بھر کھیلتا رہتا ہے۔" منگیا نے یہ کہا اور کٹورا لے کر تیر کی طرح گھر سے باہر نکل گئی۔

"ٹھاکر صاحب نے کام دینے سے انکار کر دیا کیا؟" اب الگو بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ "لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتے۔ ضرور کوئی بات ہوگی۔ منگیا ہی نے کوئی یاچی پن کیا ہوگا!! اس لئے کہ ابھی تک تو انھوں نے کبھی انکار کیا نہیں تھا! اور انھیں تو غریبوں کی سیوا کر کے خوشی ہوتی ہے۔ یہ ایسا ہوا کیوں۔ کیوں!!"

"منگیا! بات کیا ہوئی، آخر تو بتاتی کیوں نہیں! ابھی تین ہی چار دن تو ہوئے تو پسوائی کر کے ان کے یہاں سے ڈھائی سیر بجھڑ لائی تھی۔ یہ آج کام کیوں نہیں ملا؟"

"اب انھیں پسنہاریوں سے آٹا پسوانے میں دکھ ہونے لگا ہے۔ انھوں نے اکٹھا ڈھائی من کی بوری بانس بازار کی چکی سے پسوا کر منگوائی ہے۔ پسنہاریوں کو اب ان کے یہاں کام نہیں ملے گا۔ انھیں دُکھ ہوتا ہے دیتا جو ٹھہرے اُس لیا کیا ہوا!!"

الگو کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ منگیا بچے کو دودھ پلانے لگی۔ مکمل خاموشی تھی۔ ... میں آواز آئی منگیا! ابھی سے سو گئے کیا تم لوگ۔ ابھی چراغ نہ بجھی ایک پیسا ملتا ہے؟

"کون' پارس بھیا!" الگو نے آواز پہچان لی' اور کھاٹ سے اٹھ' پارس سے لپٹ گیا۔ "تم کب آئے بھیا؟ اسی بس سے اترے ہو گے نا! میں بھی تو وہیں تھا، پر تم کہیں نظر نہیں آئے!"

"بھیا!" منگیلا نے بھائی کی آواز سنی تو غم کی مورت تو پہلے ہی سے بنی بیٹھی تھی' اس کی چیخ نکل گئی اور پارس کے پاؤں سے لپٹ کر جو رونا شروع کیا ہے تو چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ پارس نے بہتیرا سمجھایا، پر اس کی سسکیاں نہ رکیں۔ وہ تو کہو کہ گوبردھن نے آکر اسے ٹوکا تب کہیں اس نے پارس کے پاؤں چھوڑے

گاؤں کی ریت ہے کہ کسی کے یہاں مہمان آتا ہے تو پاس پڑوس کے لوگ سلام دعا کے لئے آکر اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں، گوبردھن تو وہیں رہتا تھا وہ سب سے پہلے آگیا تھا، اس کے بعد ایک ایک کرکے دھنو، گھورے، چھنو خاں اور دوسرے بہت سے لوگ بھی آگئے۔ الگو تمباکو لینے کے بہانے منگیلا سے مل کر میزبانی کے اس نئے مسئلے کو سلجھانے کی غرض سے اندر چلا گیا تھا۔ بڑا سالا آیا تھا آخر، اور ابھی کھانے کا وقت گذرا نہیں تھا۔

منگیلا نے اپنے ہاتھ اور پاؤں کے کڑے پہلے ہی سے اتار لئے تھے۔ الگو جو پہنچا تو زیور اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی، "ابھی سونا مل ساہو کی دکان بند نہیں ہوئی ہوگی' لپک کر جاؤ اور آٹا دال اور چاول لیتے آؤ۔ جگو سو رہا ہے' میں چولہے میں آگ جلاتی ہوں۔ بھیا بھوکے ہوں گے۔"

"آج کل تو آپ لوگوں کی چاندی ہی چاندی ہو گی دھنو کاکا، بڑی بہار آرہی ہے گاؤں میں! مجھے تو اس نئی سڑک سے بڑی خوشی ہوئی' یہ نہ ہوتی تو کل کہیں دوپہر تک گرتا پڑتا یہاں تک پہنچتا۔۔۔۔"

"بھگوان کی دیا ہے بیٹا' اس سڑک سے سچ مچ بڑا فائدہ ہو گیا، کچیا میں تو بیلوں کی مرن ہو جاتی تھی۔۔۔۔"

"ہاں' ان کو تو فائدہ ہی فائدہ ہے پارس بھیا،" چھنو خاں نے بات کاٹی "لیکن ان کو چراغ کی روشنی تو نظر آتی ہے' پر اس کے تلے کا اندھیرا انھوں نے شاید نہیں دیکھا۔۔۔۔"

"چپ رہ بدتمیز کہیں کا!" دھنو نے اپنے اوپر چھینٹا پڑتے دیکھا تو اس سے رہا نہیں گیا۔

"چپ کیوں رہوں دھنو کاکا! جھوٹ بولوں تو زبان کاٹ لو۔ سچ بولنے میں کیوں جھجکوں؟ یہیں بغل ہی میں تو رہتے ہو الگو کے۔ پورے دو دو دن فاقہ کرتے ہو گئے غریب کو' کبھی آکے خبر لی؟ جب سڑک بننے کے لئے شرمدان ہو رہا تھا تو ٹھاکر صاحب' سونا مل، تم کسی نہ کسی بہانے روز ہی ہم لوگوں کی خیریت پوچھنے آجاتے تھے۔ لیکن جب سے سڑک کا کام ختم ہوا، کسی نے جھانکا تک نہیں۔ جب تک سڑک نہیں بنی تھی

ہم جیسوں کو اور کچھ نہیں تو بانس بازار سے موٹر کے مسافروں کا سامان ڈھونے کا کام ہی مل جاتا تھا، تنگی ترشی سے گذر ہو جاتا تھا۔ اب جب موٹر یہاں تک آنے لگی، یہ سہارا بھی جاتا رہا۔"

دھنوا کا کچھ کہنے ہی کو تھے کہ گوبردھن نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی اور بولا "غلط کیا کہتا ہے جھنو، میری آنکھوں دیکھی بات ہے، آج سونا مل ساہو کے یہاں نہ جانے کب سے گڑگڑا رہا تھا، دو دن کے فاقے کی دہائی دی، بھگوان کا واسطہ دیا، پر سونا مل پگھل کر نہیں دیئے۔ زیادہ بھی کچھ نہیں، کل دو سیر بجھرا ادھار مانگ رہے تھے، پر اس بے درد نے اسے دھتکار دیا۔ اپنا سا منھ لے کر چلا آیا۔ نہ جانے بے چارے نے کچھ کھایا پیا یا نہیں۔ وہی تو ہیں سونا مل ساہو، جب تک سڑک نہیں بنی تھی، یہیں گھر پر ایک کوٹھری میں چھوٹی سی دکان لئے مکھیاں مارا کرتے تھے۔ اب بانس بازار میں بڑی لمبی سی سجی سجائی دکان ہے، روزانہ ہزاروں کے وارے نیارے کرتے ہیں اور دولت بٹور کر رات گئے گھر لوٹتے ہیں۔"

"یہ الگو چپکے سے کہاں سرک گیا!" پارس نے اسے مجلس سے غیر حاضر پا کر دریافت کیا۔

"آج منگیا میں اور اس میں کچھ کہاسنی ہو گئی تھی۔" گوبردھن بولا۔ "بچو بیمار تھا، شاید اس نے کچھ بنا یا دنا یا نہیں تھا۔"

"عورت ذات، وہ کہاں سے کچھ بناتی گوبردھن بھیا!" الگو گھر میں سے نکلتے ہوئے بولا۔ "میرے ہاتھ کچھ لگا نہیں، وہ ٹھاکر صاحب کے یہاں پسونی کر کے سیر آدھ سیر اناج لاتی تھی، آج اسے بھی کام سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ٹھاکر صاحب نے جواب دے دیا، کہنے لگے "عورتوں کا میرے گھر کا آٹا پیسنا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ میں نے بانس بازار کی چکی پر ڈھائی من کی بوری اکٹھا پسوا کر منگائی ہے۔"

"ہاں صاحب پہلے ایک چھوڑ تین تین چار چار پسنہاریاں لگی رہتی تھیں تب ٹھاکر صاحب کو دکھ نہیں ہوتا تھا، اب ٹرک ہے، جیپ ہے، وہ تو ڈھائی من بھی پسوا کر انھوں نے غلطی کی۔ آٹے میں سُرسُری لگ جائے گی۔ چاہیں تو دونوں وقت تازہ آٹا پسوائیں اور تازے آٹے کی روٹی کھائیں۔" جھنو خاں کی بھوک کو آج معلوم ہوتا تھا خدا نے آج زبان عطا کر دی تھی۔ "مجھے تو اچنبھا اس بات کا ہے کہ انھوں نے سواری کے لئے جیپ ہی کیوں منگوائی۔ ابھی گنے کی فصل میں خدا جھوٹ نہ بلوائے، تو کچھ نہیں تو ٹرک کے دس دس بارہ بارہ پھیرے ہوتے تھے۔ اب بانس بازار کی دھن کٹی مشین کے لئے دھان لدلد کر جاتا ہے۔"

پارس بھیا نے تو چاندی کی بات کہی تھی، میں کہتا ہوں، اُن کے اور سونا مل ساہو کے یہاں سونا برس رہا ہے، یہ لوگ چاہیں تو سواری کے لئے ہوائی جہاز خرید لیں۔"

"ہوائی جہاز بھی آ جائے گا جھنو، مگر اس سے پہلے ہوائی اڈہ بنوانے کے لئے شریمان کی

ضرورت ہے" گزبرد هن نے بچل لی۔
اور الگو اور جھنو خاں کندھے پر بھا ڈنڈا تھے اور ٹھاکر صاحب کی جے بولتے آگے آگے چلیں گے"
گھورے ..... بجایا۔
"پارس بھیا کھانا تیار ہے، اٹھو ہاتھ دھولو" جھنو خاں نے پارس سے دل لگی اور طنز کے ملے جلے لہجے میں کہا "جاؤ پارس بھیا، بہن کے زیوروں سے خریدا ہوا کھانا کھالو" جھنو خاں اپنے دوست پر نہیں تو کیا ٹھاکر پر گھونا تو سنگھ پر وار کرتا۔

* * * * * * * * * *

"الگو، یہ لو روپئے، جا کر بہن کے زیور چھڑا لاؤ، اور چلو میرے ساتھ کلکتہ۔ جب سے بابو سورگ کو سدھارے میرا بھی وہاں اکیلے جی نہیں لگتا" پارس الگو کے ہاتھ میں نوٹوں کی ایک گڈی دیتے ہوئے بولا، اس سے بہن بہنوئی کی مصیبت دیکھی نہیں گئی۔

"پر بھیا باپ دادا کا گھر کیا اُجاڑ دوں؟" الگو کے لہجے میں غیرت، مجبوری اور حسرت کے جذبات نے باہم ترکیب پا کر عجب دردناک کیفیت پیدا کر دی تھی۔ پارس کے بچپن اور جوانی دونوں نے شہر کی فضا میں پرورش پائی تھی، وہ الگو کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا، لیکن اس کہانی کا پلاٹ صرف الگو کی ذات تک تو محدود نہیں تھا، پارس کے نزدیک اُس میں ٹنگیا کا پارٹ زیادہ اہم تھا، بولا "میں اب ہرگز تم کو کچھراڈیہہ میں رہنے نہیں دوں گا، آدمی ہے تو گھر کبھی ہے الگو، پاگل مت بنو، جاؤ جلدی کرو۔ اور ٹنگیا تو بھی اپنے کپڑے لتے سنبھال لے، بس کے روانہ ہونے میں بس گھنٹے ہی ڈیڑھ گھنٹے کی دیر ہے"

"پارس بھیا، اور کیا مجھے یہیں اکیلا چھوڑ دو گے! الگو ہی کے ساتھ تو ذرا دل لگتا تھا ورنہ اب یہاں کیا رکھا ہے؟" جھنو خاں نے کہا۔

"لیکن بھیا، کیا کلکتہ جاتے ہی کام مل جائے گا؟" الگو کھڑا ہوتے ہوتے بیٹھ گیا۔

پارس کو الگو کی اس بات سے تکلیف ہوئی "الگو کیا تو مجھے بڑا بھائی نہیں سمجھتا؟" اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ جھنو نے پارس کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو الگو کو بازو سے پکڑ لیا، اور گھسیٹتا ہوا سونا مل کے یہاں لے گیا۔

تھوڑی دیر میں بس کنڈکٹر نے سیٹی دی اور کچھراڈیہہ بانس بازار بس دو خانماؤں کو اپنی آغوش میں لئے نئی سڑک پر ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

(بشکریہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ)

شراب کہنہ

میرزا مظہر جانِ جاناں

۱۷۰۱ء ـ ۱۷۸۳ء

والد کا نام میرزا جان ۔ اورنگ زیب کے دربار سے متوسل تھے۔ امارت کی زندگی سے کنارہ کش ہو کر آگرے چلے آئے اور فقر و درویشی اختیار کر لی۔

میرزا مظہر کالا باغ (واقع حدود مالوہ) میں پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے "جانِ جاں" نام تجویز کیا جو بعد میں "جانِ جاناں" بن گیا۔ مظہر تخلص اور شمس الدین حبیب اللہ لقب تھا۔ بڑے خوش خلق، شگفتہ طبیعت اور نفیس مزاج لوگوں میں سے تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت والد بزرگوار سے حاصل کی۔ درسی اور متداول علوم کے علاوہ اسلحہ کے استعمال، سپہ گری کے فن، خاص طور سے خنجر زنی اور مدافعت کے طرح طرح کے طور طریقوں اور جامہ تراشی کے متعدد اصولوں سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ۱۸ سال کی عمر سے بیعت و ریاضت باضابطہ سلسلہ شروع کر کے صرف چار سال میں ان مدارج و مراتب پر پہنچ گئے جس کے لئے لوگ عمریں گزار دیتے ہیں۔

شعر و شاعری کا ذوق خمیر میں شامل تھا۔ جوں جوں ان کی توجہ تربیت باطنی کی طرف بڑھتی گئی اس شغل اور شوق میں کمی آتی گئی۔ میرزا صاحب زیادہ تر فارسی میں کہتے تھے، ایک بار ان کے احباب اور ارادت مندوں نے منتشر کلام یکجا کیا تو اشعار کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ان میں سے خود انتخاب کر کے صرف ایک ہزار شعر باقی رکھے اور انیس ہزار قلم زد کر دیئے۔ اس کے مقابلے میں اردو کلام بہت کم ہے۔ مولوی عبدالرزاق صاحب قریشی نے بڑی جستجو اور تحقیق کے بعد ان کا جو اردو کلام فراہم کیا ہے اس میں کل ۴۱۲ شعر اور ۱۲ شعروں کی ایک نظم ہے۔ اس کے باوجود میرزا صاحب کا نام اردو کے قدیم اور ممتاز ترین شعرا میں لیا جاتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مرزا صاحبؒ اردو شاعری کے "اولین مصلحوں" میں ہیں۔ صنعت ایہام کی کثرت اور گرم بازاری نے ہماری شاعری کو اس قدر بے لطف کر رکھا تھا کہ اگر اس سے اجتناب اور اس کی اصلاح کی طرف قدم نہ اٹھایا جاتا تو اس کی ترقیاں مسدود اور ولی آذریا محدود ہو کر رہ جاتیں اس سلسلے میں حاتم، سودا، میر اور قائم کی بھی کوششوں کا بڑا دخل ہے مگر پیش روی کا سہرا مرزا مظہر جان جاناں کے سر رہے گا۔

ترکِ ایہام کے علاوہ مرزا صاحب کا اردو شاعری پر یہ بھی ایک احسان ہے کہ انھوں نے تغزل کے معیار کو بلند کیا۔ بوجھل، غیر مانوس، صوتی اور تحریری اعتبار سے غلط لفظوں کی جگہ رواں، آسان اور صحیح الفاظ کو مستعمل اور رائج کیا۔

۷ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۲ء کی رات کو ایک بدبخت اور سنگ دل کے طمنچے سے سخت مجروح ہو کر ۱۰ محرم کو شہادت کے مرتبے پر پہنچ گئے۔ کرب وجاں کنی کے عالم میں اپنا ہی ایک شعر زبان پر تھا۔ لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے جیسا یہ شعر خود ان پر صادق آیا ہے شاید ہی کسی شاعر کو یہ رتبہ اور اس کے شعر کو اتنی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی ہو ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن		خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دلّی جیسے عرصے سے اپنا مسکن قرار دے رکھا تھا اسی شہر کے محلہ چتلی قبر کی ایک حویلی میں مدفون ہوئے اور لوحِ مزار پر بھی انھیں کا یہ شعر کندہ کیا گیا جو پڑھنے والوں کو ان کی سیرت اور شخصیت کی یاد دلاتا رہے گا ؎

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے		کہ ایں مقتول را جز بے گناہے نیست تقصیرے

انتخاب

گئی آخر جلا کر گل کے ہاتھوں آشیاں اپنا		نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا

یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزوں سے زندگی کرتے		اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

مرا جلتا ہے دل اس بلبلِ بے کس کی غربت پر		کہ گل کے آسرے پر جن نے چھوڑا آشیاں اپنا

جو تو نے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے		غلط تھا جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن، ایسے کو ہے ظالم		یہ دولت خواہ اپنا، مظہر اپنا، جانِ جاں اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا — اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
لوگ کہتے ہیں موا ظہیر بے کس افسوس — کیا ہوا اُس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار — ہائے کچھ چلتا نہیں! کیا مفت جاتی ہے بہار

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہولیں اے صیاد ہم — مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

مجھ پر ہوا ہے تنگ سخن، عرصۂ سخن! — بولوں نگہ کو تیغ، تو ابرو کو کیا کہوں
مدت سے اس خیال کے آیا ہوں پیچ میں — گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں

رشتۂ جاں ہی اگر ہو ترا تارِ دامن! — آہ اس پر بھی سمجھتا ہے تو بارِ دامن
دیکھ کر گل نے کہا تجھ پہ نزاکت ہے ختم — کس ادا سا تہ جھکتا ہے یہ بارِ دامن

آتش کہو، شرار کہو، کوئلا کہو — مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

اُس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ — اس واسطے پڑا ہوں چمن میں ہوا کے ساتھ
برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل مرا! — شاید کبھی تو جا کے لگے دل ربا کے ہاتھ

کبھو اس دل نے آزادی نہ جانی — یہ بلبل تھا قفس کا آشیانی
خدا کو اب تجھے سونپا ارے دل — یہیں تک تھی ہماری زندگانی

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے — ایسی نگاہِ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

الٰہی مت کسو کے پیش، ہو رنج و انتظار آوے — ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تک بہار آوے

بکو کے ہاتھ میں کتنے ہو اکیلے — کیا راج بہائند ہو سجن روپ نگر کے

نئی مطبوعات

نئی مطبوعات اور "زیر طبع کتابیں" کے عنوانات کے تحت معلومات شائع کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ناشرین ہمیں اپنے صحیح اشاعتی منصوبوں سے آگاہ فرمائیں

جھوٹا لڑکا (نیا ایڈیشن) بچوں کے لئے ڈرامہ عبدالغفار مدھولی ۲۵/- ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵

بچوں کا تحفہ (" ") " " نظمیں محمد شفیع الدین نیر ۷۵/- نیز کتاب گھر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

دلچسپ نظمیں (" ") " " " " " " ۸۵/- " "

چاند کی کہانی (بچوں کے لئے) محمد اسحاق صدیقی ۱/۵۰ احباب پبلشرز، گولہ گنج، لکھنؤ

اصناف سخن (ادبی) ممتاز الرشید ۲۵/- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۶

اسلامی زندگی (مذہبی) مولانا احتشام الحسن ۲۵/- " " "

جلائی (ناول) رئیس احمد جعفری ۶/۷۵ ادبی دنیا، دہلی ۶

اندھیرا (") موہن کرشن ۴/۵۰ " " "

مرجھائے پھول (") مسافر لائل پوری ۵/- چمن پبلشرز، دہلی ۶

کرخنداری اردو کا لسانیاتی مطالعہ (بزبان انگریزی) } ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ۷/۵۰ منشی رام منوہر لال دہلی ۶

لسانیات اور اردو (ادبی) سید محمود الحسن رضوی ۱/- ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ

ماضی کی کہانیاں آفتاب اختر ظہری ۱/۵۰ " " "

بت کافر (ناول) عارف مارہروی ۴/- کتابی دنیا، لکھنؤ

کاروان آزادی (سیاسی) مرتبہ حسین علوی ۳/۵۰ " " "

ادھورے خواب (ناول) نجمہ صفی ۳/- نیو بک اسٹال، بھاگلپور

گاندھی اور نہرو کی راہ (سیاسی) ڈاکٹر سید عابد حسین ۵/- انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ

ثریا در ثریا (نظم) نیاز جعفری ۴/- ادارہ ادب و ثقافت، بمبئی

گورا (ناول) ٹیگور مترجم سجاد ظہیر ۱۰/- ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی
ایک سو ایک نظمیں مرتبہ فراق گورکھپوری ۴/۵۰ " " "
شعلے (ناول) واجدہ تبسم ۳/- ادبی اکیڈمی، کراچی
سعدیہ (") قیسی رام پوری ۸/- اعوان پبلشرز، کراچی
ارمانوں کی بستی (") مجاہد لکھنوی ۵/۵۰ " " "
معتوب (") زبیدہ سلطانہ ۵/۵۰ ظفر احمد قریشی اینڈ سنز، لاہور

زیر طبع کتابیں

عکس اور آئینے (تنقیدی) سید احتشام حسین ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ
تعارف تاریخ اردو (ادبی) ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی " " "
برامکہ اوران کا عروج و زوال حبیب حسین ایم۔ اے " " "
آئینہ تبلیغ (مذہبی) مولانا حسن خاں گنگوہی کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۶
کتاب الکبائر (") شمس الدین " " "
کشکول باطن حصہ دوم مولانا عبدالباطن ۱/۵۰ " " "

جائزے

اردو مرثیہ

از: اظہر علی فاروقی
صفحات: ۳۴۴ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد
قیمت: پانچ روپئے
ناشر: اظہر علی فاروقی، ایونگ کرسچین کالج، الٰہ آباد

اس کتاب میں "ٹکنیکل نقطۂ نظر" سے اردو مرثیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور افادیت کے لحاظ سے ایک قابل قدر کوشش ہے۔

فہرست ہی پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہونے لگتا ہے کہ مرثیے کی تاریخ، ترویج، ہیئت، محرکات تکنیک، عناصر مخصوص موضوعات، افراد مرثیہ ان کے مختصر حالات اور کردار۔ ان میں کسی چیز کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اور پھر ان ابواب کو پڑھنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نہ صرف عنوان کی خاطر بلکہ واقعی ایک ایک بات کو کہنے کے لئے لکھنے والے نے کتنا وسیع اور بسیط مطالعہ کیا ہوگا اور جستجو اور تحقیق کے سلسلے میں کتنی گہری فکر اور عرق ریزیوں سے کام لیا ہوگا۔

عربی، فارسی، بنگلا، پشتو، کشمیری ان کے علاوہ ڈھے عوامی مرثیے) ان سب زبانوں کے مرثیوں کی تلاش اور ان کا پڑھنا ہی کوئی آسان کام نہیں نہ کہ ان کا تنقیدی اور تقابلی نظر سے مطالعہ اور پھر ان میں سے اپنی ضرورت اور کام کے اقتباسات اور انتخاب۔ اس کے بعد قلی قطب شاہ سے لے کر میر انیس اور مرزا دبیر تک کے مرثیوں کو بڑی چھان بین کے ساتھ دیکھنا اور ان بسیط اور عمیق سمندروں میں سے خاطر خواہ موتی ڈھونڈھ کے لانا بلا شبہ ایک بہت بڑی کاوش ہے ایک کارنامہ ہے۔ جس کے لئے مصنف کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ بہر کیف اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھ لینے کے بعد پھر مرثیے کے بارے میں مزید معلومات کی بہت کم گنجائش اور طلب باقی رہ جاتی ہے۔

مرثیوں کے بہترین انتخابات، مرثیہ نویسوں کے حالات اور ان پر مستند رائیں یا تبصرے تو بہت سی کتابوں میں مل جائیں گے مگر کوئی ایسی کتاب جس سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ اردو مرثیوں

میں عام طور سے اس کے اہم عناصر (بین اور درجز وغیرہ) اس کے اور مخصوص موضوعات (رزم، گھوڑا تلوار) کا فی صدی اوسط یا فی ہزار (بند) تناسب کیا ہے اور کتنا ہے؟ تو اس کے بارے میں یہ اعداد و شمار ہم کو بجز اس کتاب کے اور کہیں نہ مل سکیں گے۔ بظاہر اس قسم کی کاوشیں ریاضی کا ایک گورکھ دھندا معلوم ہوتی ہیں لیکن کیا کیا جائے آج کل کے سائنٹفک زمانے میں کسی چیز کا صحیح طور پر جائزہ لینے کے لئے ایسی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سے عناصر مرثیہ کا تدریجی ارتقا اور تناسب کا گرافک چارٹ اور کئی ایک نہایت ضروری نقشے اور میدانِ کربلا کا خاکہ اس کتاب کی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن کی طرف کبھی کسی نے اتنی باضابطگی کے ساتھ توجہ نہیں دی تھی۔

اب رہ جاتا ہے تجزیہ، تبصرہ اور لکھنے والے کی متعدد موقعوں پر واضح اور صداقت آمیز رائے اس میں بھی ایک مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے واقفیت کا سامان اور فکر و فہم کے نکتے موجود ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہل قلم حضرات متوجہ ہوں اور تمام اصناف سخن پر اسی قسم کی کتابیں ترتیب دی جائیں تاکہ اردو زبان میں اس نوعیت کے ادبی سرمائے کی کمی کا ازالہ ہو سکے۔

کتاب کی پہلی جلد میں جب یہ تنوع، اہتمام اور فنی خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہے تو کیوں نہ اس کی توقع کی جائے کہ دوسری جلد اس سے بھی زیادہ خوبیوں اور خصوصیات کی حامل ہوگی۔

رشید نعمانی

جدید تنقیدی زاویے

از: ڈاکٹر عزیز احمد
صفحات: ۳۰۴
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد
قیمت: چار روپئے ۵، نئے پیسے
ناشر: شاہین بک اسٹال، سری نگر

ہماری زبان میں تنقیدی ادب کی کمی ہمیشہ سے محسوس کی جاتی رہی ہے اس سلسلے میں کوششیں بھی ہوتی رہی ہیں مگر اس کے باوجود اردو میں تنقید اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل نہیں طے کر پائی ہے۔

ڈاکٹر عزیز احمد قریشی نے اردو ادب کی کم مائگی کو اس وقت محسوس کیا جب وہ خود

طالب علم تھے۔ اس کے بعد جب انھوں نے خود معلمی کا کام شروع کیا تو اپنے طالب علموں کی دشواریوں نے اس احساس کو اور شدید کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی و معلمی میں جو مواد اکٹھا کیا تھا اُسے از سرِ نو ترتیب دے کر رفاہِ عام کے لئے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے ان کے اس فعل میں کوئی ذاتی منفعت کارفرما نہیں ہے بلکہ اُردو زبان کی خدمت اور علم دوست اصحاب کے اصرار پر انھوں نے اس مشکل کام کو اپنے ذمّے لیا اور اپنے تمام "نوٹ ہا" (غالباً انگریزی کے لفظ NOTE کی جمع بنائی گئی ہے) منضبط کر کے "اس حقیر تحفے" کو قارئین کے سامنے پیش کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے مگر اندازِ تحریر زبان اور غیر ملکی زبانوں کے شعری و تنقیدی ادب کے لاتعداد حوالوں نے کتاب کو بے پناہ غیر دلچسپ اور خشک بنا دیا ہے۔ ویسے کتاب کا آغاز بڑے شاعرانہ انداز سے کیا گیا ہے: "تھوڑے دن ہوئے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم چشمہ ہاروں کی سیر کے لئے چل نکلے۔۔۔۔۔ اس حسین و جمیل پانی کے نیچے کو بڑے بڑے جنگلی درخت چاروں طرف سے تھامے کھڑے ہیں یہاں۔۔۔۔۔ آپ کو۔۔۔۔ کنول کے وہ سُرخ سُرخ پھول جو شراب کی مستی میں پانی سے سروں کو اونچے کئے جھومتے ہیں دکھائی دیں گے۔ شکاروں کے جھلملاتے ریشمیں پردے۔۔۔۔ ہر طرف خاموشی ہے البتہ اس تمام ندی کا شور ضرور سنائی دے گا جو چشمہ سے نکل کر پتھروں پر سے لڑھکتی ہوئی دوڑتی چلی جاتی ہے!" یہ سماں دیکھ کر سفر در سفر بات شروع ہوتی ہے اور تنقید کی ایک کتاب کا اردو ادب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

الجھی عبارت ثقیل الفاظ اور گنجلک اندازِ بیان ایک طرف، کتابت کی غلطیوں اور خراب طباعت نے ڈاکٹر صاحب کی محنت کو اور زیادہ بے ثمر بنا دیا ہے۔

بہر حال تنقید پر ڈاکٹر صاحب کی اگلی نو کتابیں جن کا مواد ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود ہے بلکہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں، امید کہ اپنی افادیت کے لحاظ سے زیر تبصرہ کتاب سے بہتر ہی ہوں گی۔

مسعود الحق

●

مہینوں کی کہانی

از: حبیب ابراہیم
صفحات: ۴۸ سائز: ۲۲×۱۸/۱۶
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
ناشر: ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

اردو میں بچوں کے لئے معلوماتی کتابوں کا قحط دور تو ہوتا جا رہا ہے لیکن واپسی کی رفتار
بہت سست ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے لئے لکھنے والوں کی ہمارے ہاں بہت کمی ہے۔
زیر تبصرہ کتاب کے مصنف کے متعلق یہ بات بہت امید افزا ہے کہ آپ ابھی طالب علمی کی منزل میں
ہیں۔ اس وقت سے لکھنے لکھانے کا شوق اس اعتماد کا حامل ہے کہ مستقبل قریب میں بچوں کے
ادیب اس کمی کو پورا کرنے میں نمایاں نظر آنے لگیں گے۔

"مہینوں کی کہانی" لکھ کر حبیب ابراہیم صاحب نے بہت آسان مگر دلکش زبان میں
انگریزی مہینوں کی وجہ تسمیہ اور اُن کا تاریخی پس منظر بچوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ کتاب کو
یونانی دیوتاؤں کی تصاویر سے مزین کر کے اسے مزید دلچسپ بنایا گیا ہے۔ راقم کا ذاتی
تجربہ ہے کہ بچے اس کتاب کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور اُسے یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہمیں
یقین ہے کتاب مقبول ہوگی۔ البتہ ناشرین کو ہمارا مشورہ ہے کہ بچوں کی کتابوں کے کاغذ اور
ان کی کتابت پر زیادہ توجہ دیا کریں تو کتابوں کی افادیت بڑھ جائے گی۔

ولی شاہ جہان پوری

●

ماہنامہ صبح امید
مہاراشٹر نمبر

مدیر: عبدالحمید خاں بوہیرے
سالانہ چندہ: چھ روپے
مہاراشٹر نمبر کی قیمت: دو روپے
پتہ: بلاسس روڈ۔ بمبئی ۸

صبح امید کے لائق مدیر مستحق مبارک باد ہیں کہ مہاراشٹر نمبر نکال کر سب سے پہلے انھوں نے
ہی اس شاہراہ پر قدم رکھا جو گجرات نمبر کی اشاعت کے ذریعہ دوسروں کو دکھائی تھی۔ ۲۲×۱۸/۴
کے ۱۷۰ صفحات پر مشتمل اور بہت سی تصاویر سے مزین یہ خاص نمبر صحیح معنوں میں مہاراشٹر کا
انسائیکلوپیڈیا کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ تاریخ و سیاست، تعلیم و ثقافت، صنعت و حرفت اور
علم و ادب غرض کہ ہر شعبے کے متعلق مفید اور مستند مواد فراہم کر کے لائق مدیر نے اردو ادب
کی خدمت کے [illegible] طالب علموں پر بھی احسان کیا ہے جو اس نئی ریاست کے متعلق معلومات
کے خواہشمند ہیں۔ مہاراشٹر نمبر میں نظمیں اور افسانے بھی اچھے ہیں۔ البتہ طباعت میں نگینی پیدا

کرنے کا اثر رسالے کے حصہ نظم پر بہت خراب پڑا کہ بعض نظمیں پڑھی ہی نہیں جا سکتیں ہیں تو سنجیدہ رسالوں کے صفحات کی ایسی رنگینی بجائے خود غیر سنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔

بہر کیف مہاراشٹر نمبر پڑھنے کی چیز ہے اور اس کی پذیرائی کی جانی چاہیے۔

ولی شاہجہاں پوری

●

ماہنامہ دولت کی بارش

مدیر: نرائن داس دھمیجہ
صفحات: ۱۱۶ - سائز: ۲۰×۳۰/۸
زر سالانہ ۵ روپے اِس سالنامے کی قیمت:
دو روپے ۵۰ نئے پیسے
پتہ: ماڈل ٹاؤن، پانی پت

اس رسالے میں گھریلو ضرورتوں کی چیزیں بنانے کے طریقوں اور نسخوں کے علاوہ کم مایہ اور بےروزگار لوگوں کے لئے گھریلو صنعتوں کے بارے میں بھی مفید معلومات اور طریقے شائع کئے جاتے ہیں۔ کچھ صفحات انگریزی طبی اور آیورویدک مجربات کے لئے بھی مخصوص ہیں۔ غالباً اپنی نوعیت کا یہ واحد ماہنامہ ہے جس کی مدد سے معمولی استعداد رکھنے والے حضرات بھی تھوڑی سی کوشش اور معمولی سرمایہ لگا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ زیرِ نظر شمارہ "صنعت و حرفت و طبی مجربات نمبر" کے نام سے بطور سالنامہ شائع ہوا ہے۔

●

ماہنامہ آیوروید سماچار (صحت نمبر)

مدیر: کوی راج وید پرکاش
صفحات: ۳۲ سائز: ۲۰×۳۰/۸
زرسالانہ: پانچ روپے
پتہ: ۲۴ اکالی مارکیٹ، امرتسر

اس رسالے میں قدیم و جدید طبی معلومات کے علاوہ طب سے متعلق اہم خبریں شائع کی جاتی ہیں۔ یوں تو یہ خالصتاً طبی معالجین کے واسطے ہے لیکن اس کے مطالعے سے عام حضرات بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس رسالے میں شائع ہونے والے اصولِ صحت اور حفظانِ صحت کے بارے میں مستند اطبا کے مضامین چھوٹی موٹی بیماریاں اور ان کے علاج، طبی چٹکلے یقیناً ہر صحت مند اور صحت پسند شخص کے لئے

مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

●

ماہنامہ

آج کا ادب (خاص ایڈیشن)

صفحات: ۵۶ سائز ۲۰×۳۰/۸

قیمت ۵۰ نئے پیسے۔ سالانہ ایک روپیہ

پتہ: پنجابی پستک بھنڈار، دریا گنج، دہلی ۶

یہ ماہنامہ پنجابی پستک بھنڈار سے شائع ہوتا رہا ہے جس کا اصل مقصد اشار پاکٹ بکس سیریز کی تشہیر ہے۔ اشار پاکٹ بکس سیریز کی سو کتابوں کی تکمیل اشاعت پر اس کا یہ خاص ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔ اس ایڈیشن میں اردو ادب کے نمایندہ فن کاروں کی تصویریں مع ان کے عکسی خطوط کے شائع کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ "یادِ رفتگاں" کے عنوان سے بعض ایسے شاعروں اور ادیبوں کی بھی تصویریں اور ان کے خطوط کے عکس بھی شائع کیے گئے ہیں جو آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر رسالے کے کارکنان تصویروں کی بہتر طباعت اور ترتیب پر اور زیادہ توجہ دے سکتے۔

مجیب احمد خاں

ایجنسی کی چند ادبی کتابیں

آشفتہ بیانی میری — پروفیسر رشید احمد صدیقی — ۲/۵۰
اردو خطوط — شمس الرحمٰن — ۲/۵۰
ادبی رجحانات کا تجزیہ — راجندر ناتھ شیدا — ۳/۰
اردو میں قصیدہ نگاری — ابو محمد سحر — ۲/۵۰
ادبی تجزیے — پروفیسر مبشر علی صدیقی — ۱/۷۵
اردو تنقید کی تاریخ — پروفیسر مسیح الزماں — ۲/۰
ادبی مقالات — پروفیسر مبشر علی صدیقی — ۱/۵۰
بیاد ہند — ڈاکٹر علی اصغر حکمت — ۴/۰
باپ کا خط بیٹی کے نام — پنڈت جواہر لال نہرو — ۱/۰
تلامذہ غالب — مالک رام ایم اے — ۶/۵۰
جنوبی ہند میں گرد سفر — جگن ناتھ آزاد — ۱/۰
حرف آشنا — صفیہ جاں نثار اختر — ۴/۰
صرف غزل — پروفیسر مسیح الزماں — ۲/۵۰
شخصیات اور واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا — ۵/۰
شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں — عبد اللطیف اعظمی — ۳/۰
صبح امید — مولانا ابوالکلام آزاد — ۶/۰
فردوسی ہند — ڈاکٹر صفدر آہ — ۲/۰
فکر غالب — پرتھوی چند — ۳/۵۰
فانی — پروفیسر عبد الشکور — ۲/۰
کشمیری زبان اور شاعری — عبد الاحد آزاد — ۵/۰
مضامین رشید — رشید احمد صدیقی — ۷/۵۰

مضامین عابد — ڈاکٹر سید عابد حسین — ۴/۰
مکاتیب غالب — مرتبہ امتیاز علی عرشی — ۴/۰
مرد آزاد — مرتبہ نقوش لاہور — ۱/۵۰
میر کی آپ بیتی — مرتبہ نثار احمد فاروقی — ۲/۵۰
میرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام — ۶/۰
نقش پارسی بر احجار ہند — ڈاکٹر علی اصغر حکمت — ۸/۰
نوائے آزادی — مرتبہ ادبی پبلشرز — ۵/۰
ولی گجراتی — ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی — ۳/۰
نیا ادب — ۱/۰

نظم

آتشِ گل — جگر مراد آبادی — ۶/۰
اردو شاعری کا انتخاب — مرتبہ ڈاکٹر زور — ۷/۵۰
اردو — جگن ناتھ آزاد — ۰/۵۰
انتخاب حالی — سید سفارش حسین — ۲/۲۵
بیکراں — جگن ناتھ آزاد — ۴/۵۰
تلخیاں — ساحر لدھیانوی — ۶/۰
جوئے شیر — آنند نرائن ملا — ۵/۰
جاوداں — جاں نثار اختر — ۳/۰
حرف تمنا — مکیش اکبر آبادی — ۳/۰
شکستِ زنداں — غلام ربانی تاباں — ۳/۰

مرتبہ:۔
ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

گیتانجلی کا پشتو زبان میں ترجمہ

ٹیگور کی مشہور کتاب گیتانجلی کا پشتو میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اس کتاب کا نہ صرف ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ...... بلکہ دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے، پشتو ترجمہ آقائے محمد عبدالرؤف بے نوا ڈائرکٹر کابل ریڈیو نے کیا ہے۔ یہ کتاب کابل کے سرکاری مطبع میں طبع ہوئی ہے۔

مہاراشٹر میں اُردو کتابوں پر انعام

مہاراشٹر میں ہر سال مرہٹی کے ساتھ اردو کی اچھی کتابوں پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اردو کی جن کتابوں کو انعام دیا گیا وہ یہ ہیں:

(۱) "یادیں" (نظموں کا مجموعہ) اخترالایمان (۲) "دیوان میر" مرتبہ سردار جعفری (۳) "اردو غزل ولی تک" ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی (۴) "مرزا مظہر جانِ جاناں" از عبدالرزاق قریشی۔

ساہتیہ اکیڈمی کا انعام

ساہتیہ اکیڈمی ہر سال ہندوستان کی مختلف زبانوں کی بہترین کتابوں کے مصنفوں کو انعام دیتی ہے امسال اردو میں مولانا امتیاز علی عرشی کے مرتب کردہ دیوان غالب پر مصنف کو پانچ ہزار روپے کا انعام دیا گیا ہے۔

بیدل بیکانیری کو ابھینندن پتر

محمد عبداللہ صاحب بیدل ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج بیکانیر شاگرد رشید بیخود دہلوی مرحوم کو ۳۱ مارچ ۱۹۶۲ء کو ہندی وشو بھارتی کی طرف سے ابھینندن پتر دیا گیا۔ موصوف نے ایک راجستھانی ہوتے ہوئے اردو شاعری میں جو کمال پیدا کیا ہے یہ پتر اس کے اعتراف میں دیا گیا ہے۔

اردو ہندی اور ہندی اردو لغات مکمل

حیدرآباد میں حکومت ہند کی امداد سے ۱۹۵۶ء سے اردو سے ہندی اور ہندی سے اردو کی لغات کی تیاری کا کام ایک خصوصی کمیٹی کے زیر اہتمام ہو رہا تھا وہ اب مکمل ہو گیا ہے حکومت ہند کی اجازت ملتے ہی دونوں کی طباعت کا کام شروع ہو جائے گا۔ ہر لغت تقریباً بیس ہزار الفاظ کے

معنی اور تشریح پر مشتمل ہے۔

آغا محمد اشرف کا انتقال

یہ خبر اردو کے ادبی حلقوں میں رنج و افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ آغا محمد اشرف (نبیرۂ آزاد) بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ریڈیو پر "آدابِ عرض" کے عنوان سے آپ کا پروگرام ہوا کرتا تھا مرحوم کی تقاریر کا مجموعہ بھی اسی نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ایک لاکھ روپئے کا انعام

بھارتیہ گیان پیٹھ نے اعلان کیا ہے کہ وہ دستورِ ہند کی تسلیم کردہ زبانوں میں جو کتابیں لکھی جائیں گی ان میں سے ایک بہترین کتاب پر ہر سال ایک لاکھ روپئے کا انعام دیا جائے گا۔ گیان پیٹھ ایک ثقافتی ادارہ ہے جس کا صدر دفتر کلکتہ میں ہے۔

اردو کہانی پر چیک زبان میں انعام

اردو کے مشہور افسانہ نگار غلام عباس کی مشہور کہانی "آنندی" کو چیک زبان میں ترجمہ ہونے والی بہترین کہانی کی حیثیت سے پہلا انعام ملا ہے۔ یہ ترجمہ نعیر احمد زبیری نے کیا تھا جو چیکوسلاواکیہ میں اردو کے استاد ہیں۔

فورسٹر کی اردو دوستی

اردو کے ادبی حلقوں میں خاص طور سے یہ خبر بے انتہا باعث مسرت ہوئی ہے کہ انگلستان کے صفِ اول کے ناول نویس ای۔ ایم فورسٹر نے ایک ہزار پونڈ کا گراں قدر عطیہ حیدرآباد کے اردو ہال کی تکمیل کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔

روس میں مشرقی مخطوطات

روس کے ایک مشہور مستشرق پروفیسر یوسف براگنسکی نے بتایا ہے کہ روس میں مشرقی مخطوطات کا نایاب ذخیرہ موجود ہے جس میں مصری ابتدائی تحریروں سے لے کر ۱۹ ویں صدی کے عرب مورخین تک کی تصنیفات شامل ہیں۔ مشرق کی ۷۰ زبانوں کے ایک لاکھ قلمی نسخے موجود ہیں۔

جشنِ محروم

مارچ کے آخر میں بزمِ سخن موتی باغ نئی دہلی کی طرف سے جناب تلوک چند محروم کی اعزاز یابی کی خوشی میں جشنِ محروم بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ صدارت جناب مہرچند کھنہ وزیر حکومتِ ہند نے کی۔ آخر میں ایک مختصر سی بزمِ مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

سالانہ چندہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	فی پرچہ دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

Regd No D 58 — May 1962

Kitab Numa

JAMIA NAGAR, NEW DELHI - 25

کتاب نما
ماہنامہ

محمود علی خاں صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ بہت سی عمدہ کتابوں کے مترجم اور مؤلف کی حیثیت سے ادبی دنیا آپ کو عرصے سے جانتی ہے۔

محمود صاحب سنہ ۱۹۰۱ء میں ضلع فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں اور پھر ایم لے او کالج علی گڑھ میں حاصل کی۔ سنہ ۱۹۲۰ء کی تحریکِ ترکِ موالات کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے منسلک ہو گئے۔ آزادی سے قبل ڈاکٹر انصاری کے پرائیویٹ سکریٹری اور مکتبہ جامعہ کے شعبۂ تالیف کے انچارج رہے ہیں۔

تقسیم سے قبل ہندوستان میں کئی معزز عہدوں پر فایز رہے ہیں —— آج کل پاکستان میں مقیم ہیں۔

آپ کی تازہ تصنیف "تذکرۂ جگر" کے شایع کرنے کا فخر مکتبہ جامعہ کو حاصل ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی

نگران:- غلام ربانی تاباں

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی

مدیر:- ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | جون ۱۹۶۲ء | شمارہ ۶

اشاریہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور ادارۂ کتاب نما اپنے دیرینہ محسن اور سرپرست ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی خدمت میں جمہوریہ ہند کے نائب صدر منتخب ہونے پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ ہندوستانی پارلیمنٹ بھی مبارک باد کی مستحق ہے کہ اُس نے اس عہدۂ جلیلہ کے لئے ایک سچے محبِ وطن، اور ایسے ماہرِ تعلیم کا انتخاب کیا جس پر اب سے بہت پہلے مہاتما گاندھی کی نظرِ انتخاب پڑ چکی تھی اور جس نے نیشنل بورڈ آف ایجوکیشن کے صدر کی حیثیت سے گاندھی جی کے بنیادی تعلیم کے نظریے کو عملی شکل دینے میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ذاکر صاحب کا تعلق اتنا پرانا اور گہرا ہے کہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ناممکن ہے۔ تحریکِ عدم تعاون کے زمانے میں ذاکر صاحب قوم پرستوں کے اس گروہ میں شامل تھے جس نے علی گڈھ یونیورسٹی سے نکل کر جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس کے بعد سے آپ برابر اس ادارے سے وابستہ رہے۔

یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں جب وہ جرمنی سے اعلیٰ تعلیم ختم کر کے واپس آئے تو جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ منتخب ہوئے اور ۲۲ برس تک شدید اور مہیب طوفانوں میں قومی تعلیم کی اس چھوٹی سی کشتی کی ناخدائی کرتے رہے۔

اگرچہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۶ء تک علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور پھر ۱۹۵۷ء سے ۱۱ مئی ۱۹۶۲ء تک بہار کے گورنر کی حیثیت سے ذاکر صاحب دہلی کے باہر رہے لیکن جامعہ ملیہ

نے آپ کو اور آپ نے جامعہ ملیہ کو نہیں چھوڑا۔

۱۹۲۲ء میں مکتبہ جامعہ بھی ذاکر صاحب کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب کہ اس کا لاکھوں روپئے کا اثاثہ نذر آتش ہوگیا تھا تو ذاکر صاحب ہی کی ہمت تھی جس نے اسے لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں دوبارہ قائم کیا اور عرصہ تک اس کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے چیرمین رہے۔ اس کے بعد بھی مکتبہ آپ کے مفید مشوروں سے فیض یاب ہوتا رہا اور امید ہے کہ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

ذاکر صاحب کی ذات نہ صرف جامعہ ملیہ اور مکتبہ جامعہ کے لئے بلکہ بے شمار علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے لئے شمع ہدایت ہے ؎

یک چراغے ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

خدا اس چراغ کو سالہا سال روشن رکھے۔

(بقیہ خبریں ص ۳۲)

شکسپیر کی ۴۰۰ ویں سالگرہ
۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو شیکسپیر کی ۴۰۰ ویں سالگرہ منانے کے لئے ایک کونسل قائم کردی گئی ہے، یہ کونسل تمام تقریبات کی تفصیل طے کرے گی۔ اسی سال جون میں ایک مرکز کا سنگ بنیاد بھی رکھا جانے والا ہے۔

ترجمہ کرنے والی مشین
سائنس کے عجائبات میں یہ ایک اضافہ سمجھنا چاہئے کہ انھوں نے مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے والی ایک مشین تیار کرلی ہے، ایک نسل پہلے تو اس کا کوئی تصور تک نہیں کرسکتا تھا، حال ہی میں ایک مشین کا مظاہرہ کیا گیا جس نے آٹھ ہزار الفاظ پر مشتمل ایک مضمون کا ترجمہ آٹھ منٹ میں کردیا اگرچہ ترجمہ میں صرف ونحو کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں مگر امید ہے کہ یہ خامی بھی تجربہ کے بعد دور کی جاسکے گی۔

سید محمود طرزی کا انتقال
افسوس ہے کہ اردو کے مشہور شاعر اور ناول نگار سید محمود طرزی ایک طویل علالت کے بعد ۱۱ اپریل ۱۹۶۲ء کو انتقال فرماگئے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

نائب صدر جمہوریۂ ہند
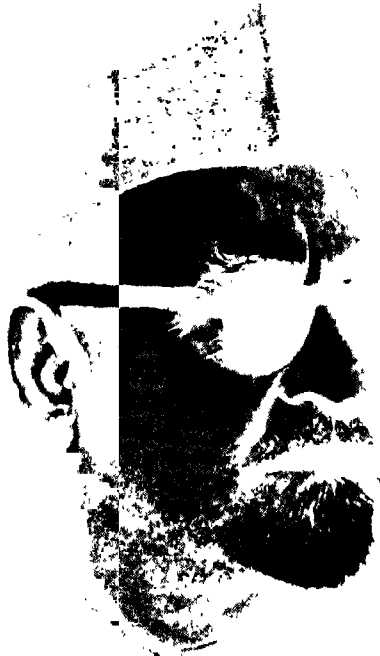
سابق چیرمین بورڈ آف ڈائرکٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

ڈاکٹر سید عابد حسین

ذاکر صاحب

اس مضمون کا بڑا حصہ اس آرٹیکل سے لیا گیا ہے جو نقوش لاہور کے شخصیات نمبر جنوری ۱۹۵۵ء میں چھپا تھا۔ ہم اسے اپنے ہم عصر کے شکریے کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ — ادارہ

ذاکر حسین ۱۸۹۷ء میں حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد فدا حسین خاں صاحب ضلع فرخ آباد (یو پی) کے مشہور قصبے قائم گنج کے رہنے والے تھے اور حیدر آباد میں وکالت کرتے تھے۔ قائم گنج کے پٹھان صدیوں سے سپہ گری کا پیشہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ذاکر حسین کے خاندان کے بھی بہت سے لوگ فوج میں ملازم تھے۔ ان کے والد کا مشرقی علوم کی اعلیٰ تعلیم پانا اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنا، قائم گنج والوں کے نزدیک بدعت سے کم نہ تھا۔

ذاکر حسین کا بچپن حیدر آباد میں گزرا لیکن وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں پلے اور بڑھے اور ریاست کی جاگیردارانہ آب و ہوا سے متاثر نہیں ہوئے۔ اس زمانے میں سب سے گہرا اثر ان کی سیرت پر اپنے پیر حسن شاہ صاحب کا پڑا جن کے وہ بہت کم عمری میں مرید ہو گئے تھے۔ یہ بزرگ ذاکر حسین کے عزیزوں میں سے تھے اور حضرت شاہ طالب حسین فرخ آبادی سے ارادت رکھتے تھے۔ حسن شاہ صاحب پر ایک واردات ایسی گزری تھی جس سے ان کی روحانی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔ ابتدا میں وہ ہندوؤں سے تعصب رکھتے تھے اور شاید انھیں بُرا بھلا بھی کہتے تھے۔ جب ان کے مرشد حضرت شاہ طالب حسین کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے ان کی تادیب اور تہذیب کے لئے یہ حکم دیا کہ چوٹی رکھو اور پیدل جاؤ اور واپس آؤ۔ اس تادیب نے حسن شاہ صاحب کو آزادہ روی اور صلح کل سکھانے کے علاوہ جہانیاں جہاں گشت بنا دیا اور ان کا یہ شعار ہو گیا کہ ایک گٹھری کپڑوں اور کتابوں کی ساتھ لئے دنیا بھر میں پھرا کرتے۔ جب کبھی حیدر آباد میں آ کر کچھ دن رہتے تو ذاکر حسین کی ہدایت

ارشاد کا کام زیادہ تر ان دو طریقوں سے انجام دیتے ایک تو وہ کم سن مرید سے علم دین یا سلوک و معرفت کی کسی کتاب کی نقل کراتے دوسرے اسے روپیہ دیتے اور پھر حاجت مندوں کو اس کے پیچھے لگا دیتے کہ خیرات وحسنات کی مشق سے اُس کا دل بھی کھل جائے اور ہاتھ بھی۔

۱۹۰۷ء میں ذاکر حسین تعلیم کے لئے اٹاوہ کے اسلامیہ ہائی اسکول میں بھیج دیئے گئے جسے سید احمد خاں کے ایک دور کار رفیق مولوی بشیر الدین نے قائم کیا تھا۔ ان بزرگ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اُنھیں ایک ہی دُھن تھی اور وہ اپنے دھن کے پکے تھے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر سید الطاف حسین ان سچے معلّموں میں سے تھے جو اس راز سے واقف ہوتے ہیں۔

درسِ ادب اگر بود زمزمۂ محبتش
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

ذاکر حسین کے حسّاس دل پر مولوی صاحب کی ایک صفت اور سید صاحب کی بہت سی صفات کا بڑا گہرا نقش بیٹھا جو کبھی مٹ نہ سکا۔ ۱۹۱۳ء میں ذاکر حسین ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ انٹرمیڈیٹ انھوں نے سائنس میں پاس کیا اور ۱۹۱۵ء میں بی۔ ایس۔ سی۔ کا امتحان دینے کے لئے لکھنؤ کرسچین کالج میں داخل ہوئے تاکہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے سکیں۔ لیکن شدید علالت کی وجہ سے اس ارادہ کو ترک کر کے پھر علی گڑھ واپس آنا پڑا۔ اس طرح ان کا ایک سال بے کار گیا۔ اس بار انھوں نے آرٹس کا کورس لیا۔ ۱۹۱۸ء میں بی اے اور ۱۹۱۹ء میں اقتصادیات کے مضمون میں ایم اے پریویس پاس کیا۔ ایم اے کی تیاری کے ساتھ ساتھ ذاکر حسین اقتصادیات کے شعبے میں جونیر لکچرار کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ علی گڑھ میں ترکِ موالات کا زلزلہ آیا جس سے سید احمد خاں کا ایم اے او کالج زیر و زبر ہو کر ڈاکٹر ضیاء الدین کی مسلم یونیورسٹی بن گیا۔ کچھ لوگوں نے گرتی ہوئی عمارت سے نکل کر ایک خیموں کی بستی میں پناہ لی اور اس کا نام جامعہ ملیہ اسلامیہ رکھا۔ ان پناہ گزینوں میں ذاکر حسین بھی تھے جو اب ذاکر صاحب کہلانے لگے تھے۔ علی گڑھ کالج کی تعلیم کے دوران میں ذاکر حسین یونین کے اور عام طور پر طالب علموں کی اجتماعی زندگی کے روحِ رواں تھے۔ انھوں نے اپنے بہت سے ساتھیوں پر گہرا اثر ڈالا۔ لیکن خود سب سے گہرا اثر ڈاکٹر ضیاء الدین کا قبول کیا۔ گو وہ مثبت نہیں منفی اثر تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین کی ذات ان سب صفات کا مجموعہ تھی جن سے سرکار برطانیہ کا تقرب اور صنادید قوم میں مقبولیت حاصل ہوتی تھی۔ ذاکر صاحب نے شعوری یا غیر شعوری طور پر ڈاکٹر ضیاء الدین کی پیروی معکوس کو اپنی زندگی کا

اصول بنا لیا۔ ۱۹۲۰ء میں جب گاندھی جی اور مولانا آزاد نے علی گڈھ کے طلبا کو ترکِ موالات کی دعوت دی تھی اور مولانا محمد علی نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم کے دست مبارک سے جامعہ ملیہ کا افتتاح کرایا تھا تو ذاکر صاحب کے لئے ایم اے او کالج کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں شریک ہونے کا فیصلہ کرنا نہایت دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ کئی روز شدید کشمکش میں مبتلا رہے مگر ایک دن جب ڈاکٹر ضیاالدین نے انھیں بلا کر بڑی محبت سے زندگی کے نشیب و فراز سمجھائے اور یقین دلایا کہ ایم۔ اے۔ او کالج میں رہ کر تم کو ایک ہی سال کے اندر ڈپٹی کلکٹری مل جائے گی تو ذاکر صاحب کی مشکل آسان ہو گئی۔ وہ فوراً ایم۔ اے۔ او کالج کو خیرباد کہہ کر جامعہ ملیہ پہنچ گئے۔

دو سال تک جامعہ ملیہ کی تعمیر میں مولانا محمد علی کا ہاتھ بٹانے کے بعد ۱۹۲۲ء میں ذاکر صاحب معاشیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے برلن پہنچے۔ میری ملاقات ان سے ایک مرتبہ علی گڈھ میں ہو چکی تھی۔ لیکن اب سوا تین برس تک میرا ان کا ہر وقت کا ساتھ رہا۔ میں نے انھیں ہر رنگ میں دیکھا اور ہر رنگ میں چوکھا پایا۔ سب سے زیادہ مجھ پر اس بات کا سکہ بیٹھا کہ ذاکر صاحب "در ایام جوانی چناں افتد دانی" کی وادیٔ پرخار سے بڑی پامردی سے گذرے۔ گھبرا کر بھاگنے کی کوشش میں کانٹوں میں اُلجھے نہیں بلکہ اوسان قائم رکھے دامن بچائے قدم بڑھائے چلے گئے۔ برلن میں ذاکر صاحب کے اُستادوں میں پروفیسر زمبارٹ اور دوسرے بڑے پائے کے عالم تھے جن سے انھوں نے بہت فیض اُٹھایا مگر فیضان تھوڑا بہت اگر کسی سے پایا تو شاید میرے اُستاد اشپرنگر سے جو خبر کے ساتھ ساتھ نظر بھی رکھتے تھے۔

۱۹۲۶ء میں ذاکر صاحب جرمنی سے ڈاکٹر ذاکر حسین بن کر لوٹے تو ملک کی یہ کیفیت دیکھی کہ ترک موالات اور خلافت کی تحریکیں ٹھنڈی پڑ چکی ہیں اور لوگوں پر خصوصاً مسلمانوں پر ایک عام افسردگی چھائی ہوئی تھی۔

گلشن میں کہیں بوئے دمساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

مگر ایک آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی اور وہ خود ان کے دل کی آواز تھی۔

بے گانہ ہوئی دنیا رسم و رہِ الفت سے
اک میری طبیعت ہے جو باز نہیں آتی

یہ سخت جان طبیعت باز نہیں آئی۔ اس نے جامعہ ملیہ کی سوکھتی ہوئی بیل کو خونِ جگر سے

پہنچا اور پروان چڑھایا۔ ۱۹۲۷ء کے آخر میں حکیم اجمل خاں کے انتقال کے بعد جامعہ ملیہ کا چلنا قریب قریب دشوار نظر آرہا تھا۔ جن لوگوں نے ان دنوں ذاکر صاحب کے ساتھ کام کیا ہے وہ جانتے ہیں وسائل کے فقدان، اپنوں کی مخالفت، غیروں کی شماتت، حکومت کے عتاب کے باوجود جامعہ ملیہ چلانا ہر ایک کا کام نہیں تھا۔ یہ وہی کر سکتا تھا جسے خدا پر، انسان پر خاص کر اپنے آپ پر سچا، پورا اور گہرا بھروسہ ہو۔ جو ایثار ذاکر صاحب نے جامعہ ملیہ کے لئے کیا اس میں تن، من، دھن کی قربانی تو سب کو نظر آئی مگر ایک قربانی جو حوصلہ مند طبیعتوں کے لئے ان سب سے مشکل ہے بہت کم لوگوں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ پبلک لیڈری کے موقعے جن کے لئے ذاکر صاحب کے ہم چشم ہزاروں جتن کرتے تھے ان کو بے مانگے مل رہے تھے مگر انھوں نے بے تامل چھوڑ دیئے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تعلیم کا کام یوں بھی یک سوئی چاہتا ہے اور ان دنوں جامعہ ملیہ کو جوئے شیر لانے کے لئے خاص طور پر اپنے آپ کو پوری طرح کھپانے اور بتّہ مار کر کام کرنے کی ضرورت تھی۔ ان دنوں ذاکر صاحب کو قریب قریب سبھی قومی اور ملّی لیڈروں سے سابقہ رہا لیکن ان کی شخصیت پر قابل ذکر اثر صرف مہاتما گاندھی اور حکیم اجمل خاں کا پڑا۔ گاندھی جی کی حق بینی، حق شناسی، حق کوشی اور ہمہ گیر انسانیت کی آنچ نے اگر کچّے سونے کو کندن بنایا تو حکیم اجمل خاں کے خلق و مروت، صبر اور حلم نے اس پر جلا دی۔

بزرگانِ قوم میں سوا ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے سب اس بے دلی کی فضا میں جو خلافت اور سوراج کی تحریک کے ناکام ہونے کے بعد چھا گئی تھی، اس ادارے کی کشتی کو حکومت کی مدد کے بغیر پار لگانے سے ہمت ہار چکے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے وہ کام کر دکھایا جو انگریزی تعلیم پائے ہوئے مسلمانوں کے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آیا تھا۔ انھوں نے گاندھی جی کے مشورے سے جامعہ کے استادوں میں سے ان لوگوں کو ساتھ لے کر جنھوں نے بیس سال برائے نام معاوضے پر جامعہ ملیہ کی خدمت کا عہد کیا، انجمن تعلیم ملی کی بنیاد ڈالی۔ اس انجمن نے جامعہ ملیہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چلایا۔ اربابِ حکومت روڑے اٹکاتے رہے۔ بزرگانِ قوم را لا ماشاء اللہ دور سے تماشا دیکھتے رہے اور خود دارانِ قوم ذاکر صاحب کی سرکردگی میں روکھی سوکھی کھا کر موٹا جھوٹا پہن کر ایک آزاد تعلیم گاہ کی تعمیر کرتے رہے۔

۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ ذاکر صاحب کے لئے بڑی سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ یوں تو ہندوستان کے خون میں تحریک آزادی نے ۱۹۱۸ء سے ہیجان پیدا کر رکھا تھا۔ لیکن ۱۹۳۷ء

میں حکومتِ خود اختیاری ملنے کے بعد ہندو مسلمان اہلِ غرض کی اغراض کے تصادم سے فرقہ واری زہر اتنی شدت سے پھیلنے لگا تھا کہ ہیجانِ خون نے زہر باد کی صورت اختیار کر لی۔ ذاکر صاحب اور ان کی جامعہ ملیہ اس زمانے میں دوگونہ رنج وعذاب میں مبتلا تھی۔ فرقہ پرست ہندو اور مسلمان چاہتے تھے کہ دونوں کو نفرت کی آگ میں لپیٹ لیں یا جلا کر خاک کر دیں۔ قوم پرور ہندو اور مسلمان چاہتے تھے کہ دونوں کو محبت کی زنجیروں سے سیاست کی جنگ میں گھسیٹ لیں۔ ذاکر صاحب کو پورا احساس تھا کہ اس وقت جب ملک کی موت اور زندگی کا فیصلہ ہونے والا تھا، سیاست سب سے اہم چیز ہے۔ لیکن معلم کی روح مجاہد کی روح نہ بن سکی۔ دشمنوں کی عداوت اور دوستوں کی محبت دونوں ان کو عملی سیاست میں کھینچنے میں ناکام رہے۔ البتہ ذاکر صاحب نے اپنی سی کوشش کی کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں مصالحت کرانے اور ملک کی تقسیم کو روکنے میں گاندھی جی کا ہاتھ بٹائیں اور انھیں آخر تک یہ آس رہی کہ اس کوشش میں کامیابی ہوگی۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں جب معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا کہ ذاکر صاحب کو پہلی قومی کابینہ میں رکھنے کی تجویز ہے تو انھوں نے اس امید پر کہ ایک دن کانگریس اور لیگ کی مشترک کابینہ متحد ہندوستان کا اصول مان کر رہے گی اس وقت وزارت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ وہی کر سکتا تھا جو اقبال کی اصطلاح میں مردِ فقیر ہو۔ مگر ظاہر ہے ساحل پر رہ کر طوفان کو روکنے کی سعی کیا کامیاب ہوتی۔ فرقہ وارانہ فساد کی آگ بھڑکتی ہی چلی گئی۔ ہندوستان کو تقسیم کرنا ہی پڑا جس کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کے جسم در روح تین ٹکروں میں تقسیم ہو گئے ـــــ بھارت، مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان، ذاکر صاحب کے جگر پر آرے چل گئے۔ ان کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ مگر اس اندھیرے میں انھیں اپنے فرض کی راہ صاف نظر آتی رہی۔ انھوں نے پاکستان کو دعائے خیر دی اور اپنے آپ کو تن من سے ہندوستان (بھارت) کے حوالے کر دیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد تین سال ذاکر صاحب کے لئے سخت روحانی کرب اور شدید جسمانی اور دماغی محنت کے تھے۔ اس عرصے میں انھیں دہلی کے مسلمانوں کی تباہی، اضطرار، مایوسی، ہراس، وہلی میں آتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کی بے سروسامانی، ہیبت، آزردگی، طیش کے جگر خراش منظر دیکھنے پڑے اور ان سب کی یکساں خدمت کرنے والے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ان تھک کام کرنا پڑا۔ گاندھی جی کی شہادت کا جانکاہ صدمہ اٹھانا پڑا، جامعہ کو اپنے معتمد ساتھیوں کے سپرد کر کے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو اندر اور باہر کے بے شمار خطروں سے بچانے کی جدوجہد کرنی پڑی اور اسی زمانے میں یونیورسٹی کمیشن کے ساتھ سارے ملک کی خاک چھاننی پڑی۔ روح، دماغ اور جسم تینوں پر مسلسل بوجھ

پڑتا رہے تو انسان کہاں تک سہہ سکتا ہے۔ آخر جسم کی قوتِ برداشت نے جواب دے دیا۔ ۱۹۴۹ء کے آخر میں شدید قلبی مرض (THROMBOSIS) کا حملہ ہوا جس سے جان کے لالے پڑ گئے۔ مگر خدا کو ذاکر صاحب سے کچھ اور کام لینا تھا اس لئے چار پانچ مہینے صاحبِ فراش رہ کر اچھے ہو گئے۔

۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں ذاکر صاحب نے اپنا سارا وقت اور توجہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت میں صرف کی اور جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا ناامیدی میں امید، بے دلی میں ولولہ، بدنظمی میں نظم پیدا کر کے علی گڑھ کو ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں بہت اونچی جگہ پر پہنچا دیا۔

۱۹۵۲ء سے ان کی مصروفیتوں کا دائرہ بڑھ گیا۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور اس طرح کی بے شمار عارضی اور مستقل مجلسوں کی رکنیت، انجمن ترقی اردو (ہند) اور عثمانیہ یونیورسٹی کی تنظیم نو کمیٹی کی صدارت ان کے وقت کا بہت سا حصہ لیتی رہیں۔ ۱۹۵۷ء میں حکومتِ ہند نے انھیں بہار کا گورنر بنا کر بھیجا۔ جہاں مقامی سیاست میں ایسی گتھیاں پڑ گئی تھیں جن کے سلجھانے میں ملک کے بڑے بڑے رہنما ناکام رہے تھے۔ ذاکر صاحب کے ناخنِ تدبیر نے جس طرح اس عقدۂ مشکل کو جہاں تک ممکن تھا حل کیا، اس کی تاریخ اپنے وقت پر لکھی جائے گی مگر اتنا تو آج بھی نظر آ رہا ہے کہ حکومتِ ہند نے نائب صدرِ جمہوریہ کا منصبِ جلیل سپرد کر کے اُن کی خدمات کا کھلا اعتراف کیا ہے۔

اب ذاکر صاحب کے سامنے ملک و ملت کی خدمت کا اور بھی زیادہ وسیع میدان اور اُن کے گرد شہرت اور عزت کا اور بھی زیادہ سازگار ماحول ہے۔ مگر جو لوگ ذاکر صاحب کی طبیعت کو جانتے ہیں اور اُن کے مزاج کو سمجھتے ہیں انھیں ذاکر صاحب یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے — جو کچھ ہوگا، ترے کرم سے ہوگا

تسکین قریشی

غزل

اب تو یہی ہیں دل سے دعائیں　　بھولنے والے بھول ہی جائیں
بات تو جب ہے یوں وہ رلائیں　　داغ بھی دل کے دھلتے جائیں
وجہِ ستم، کچھ ہو، تو بتائیں　　ایک محبت لاکھ خطائیں
دردِ محبت، دل میں چھپائیں　　آنکھ کے آنسو کیسے چھپائیں
ہوش، اور ان کی دید کا دعویٰ　　دیکھنے والے ہوش میں آئیں
دل کی تباہی بھولے نہیں ہم　　دیتے ہیں اب تک تم کو دعائیں
رنگِ زمانہ، دیکھنے والے　　ان کی نظر بھی دیکھتے جائیں

شغلِ محبت اب ہے یہ تسکیںؔ
شعر کہیں اور جی بہلائیں

یوری سوتنک مترجم: نفیس حسن نقوی

سپنولیا

ڈبے کی کھڑکی کے سامنے سے روشنی کا خاموش اور اُداس کھمبہ گزرا اور گاڑی رک گئی۔ پلیٹ فارم پر گھبرائی ہوئی اور تیز تیز آوازیں آنے لگیں۔

"اچھا۔ خدا حافظ! ۔ دیکھو کھڑکی سے باہر سر نہ نکالنا۔"

"نہیں نانی جان، نہیں نکالوں گا۔"

"پہنچتے ہی تار بھیجنا، بھول مت جانا۔ . . سنا تم نے یوریا؟ ایسی چیز تم اپنے ساتھ کیسے لے جاؤ گے؟"

گاڑی چل پڑی۔

"تسلیم نانی جان!"

"اپنی اماں کو میری طرف سے پیار کرنا۔ جیب میں رومال ہے نا۔ . ."

چٹائی کا ہیٹ پہنے ایک بوڑھے آدمی نے آہستہ سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ منٹ بھر میں یوریا ہمارے ہی پاس بیٹھے گا۔"

ڈبے کا دروازہ کھلا اور یوریا داخل ہوا۔ وہ بارہ برس کا موٹا تازہ اور گلابی گالوں والا لڑکا تھا۔ اس کی بھورے رنگ کی ٹوپی سر پر ترچھی ٹکی ہوئی تھی اور اس کی جیکٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی اور دوسرے ہاتھ سے جالی کا ایک تھیلا پکڑے ہوئے تھا جس میں شیشہ کا ایک مرتبان تھا۔ تھیلا اپنے کپڑوں سے دور کئے ہوئے اور اس پر نظریں جمائے ہوئے وہ ڈبے میں دھیرے سے داخل ہوا۔

ڈبہ پورا بھرا ہوا تھا۔ کچھ مسافر تو سامان رکھنے والی برتھوں پر بھی چڑھ گئے تھے۔ یوریا ڈبے کے بیچ ہی رک گیا۔

"ہم ایک ذرا سا ادھر کو کھسک جائیں تو یہ لڑکا کنارے پر بیٹھ جائے گا۔" چٹائی کے

ہیٹ والے بوڑھے نے کہا۔

بوریا نے اپنا سامان بنچ کے نیچے گھسایا بہت آہستہ سے "شکریہ" کہا اور بیٹھ گیا۔

چٹائی کے ہیٹ والے بوڑھے نے اپنا بڑا ہینڈ بیگ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور بوریا کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا "کیوں میاں صاحبزادے کیا ماسکو جا رہے ہو؟"

بوریا نے سر ہلا کر ہاں کہا۔

"گرمی گزارنے دیہات گئے تھے کیا۔"

"میں اپنی نانی کے پاس گاؤں گیا تھا۔"

"اچھا، اچھا، گاؤں میں تھے۔۔" بوڑھا کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا "تمہارے لئے یہ سامان زیادہ نہیں ہے؟"

"یہ ٹوکری؟ جی نہیں — ہلکی سی ہے" بوریا نے جھک کر ٹوکری کو چھوا اور یونہی کہہ دیا "اس میں جل تھلی کیڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"جل تھلی کیڑے کیا؟"

"میں نے کہا کہ اس میں صرف زمین پر رینگنے والے اور جل تھلی کیڑے مکوڑے ہیں اس لئے یہ بالکل ہلکی ہے۔"

منٹ بھر تک ڈبہ میں خاموشی رہی — اور پھر سیاہ مونچھوں والا ایک چوڑا چکلا مزدور بھاری آواز میں گرجا "جل تھلی کیڑے مکوڑوں سے تمہارا کیا مطلب ہے۔"

"یہی مینڈک، ہینگ، چھپکلیاں، گھوڑا، سانپ وغیرہ وغیرہ۔۔۔"

"ارے باپ رے باپ کیسی خوفناک چیزیں ہیں" کونے میں بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا۔

بوڑھے آدمی کی انگلیاں اپنے ہینڈ بیگ پر تھرک رہی تھیں "بہت دلچسپ .... ہاں یہ تو بتاؤ تمہیں ان کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔"

"ہم اسکول کا کیڑہ گھر بنا رہے — دو لڑکے تو کیڑہ گھر تیار کر رہے ہیں اور میں کیڑے وغیرہ پکڑ رہا ہوں۔"

"کیا چیز بنا رہے ہیں؟" اوپر کی بنچ پر لیٹی ہوئی ایک کسان عورت نے سوال کیا۔

"کیڑہ گھر" بوڑھے آدمی نے سمجھایا۔ "کیڑا گھر شیشہ کا ایک صندوق ہوتا ہے جیسے مچھلی گھر یعنی وہ بکس جہاں یہ سب کیڑے رکھے جاتے ہیں۔"

"یہ زہریلے کیڑے؟"

"ہاں یہ کیڑے زہریلے نہیں کہے جا سکتے۔ سائنسی زبان میں ان کو جل تھلی اور زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے کہتے ہیں" بوڑھا آدمی پھر بوریا کی طرف مخاطب ہوگیا۔ "تمہارے پاس کیا بہت سے ایسے جل تھلی کیڑے ہیں؟"

بوریا نے نظریں اٹھائیں اور انگلیوں پر گننے لگا۔

"چار گیہواں سانپ۔ دو بنیگ، آٹھ چھپکلیاں اور گیارہ مینڈک۔"

کیسی پھریری آتی ہے سن کر!" تاریک کونے سے آواز آئی۔

بوڑھی عورت کہنیوں کے سہارے اٹھ بیٹھی اور گھور گھور کر بوریا کو دیکھنے لگی۔

"تو یہ سب کیڑے تم اسکول لئے جا رہے ہو؟"

"نہیں — آدھے مینڈکوں اور گیہواں سانپوں کے بدلے ہم پڑوس کے اسکول سے گھونگے اور مچھلیاں لے لیں گے۔"

"اور ماسٹر تمہاری خبر نہیں لے گا؟"

بوریا نے کندھے ہلائے اور مسکرا دیا۔

"خبر کیوں لیں گے؟ خبر لینے کی کیا بات ہے؟ الٹا ہمارا شکریہ ادا کیا جائے گا۔"

"پڑھائی کے لئے اس کی ضرورت ہوگی تو ان کی کوئی خبر نہیں لی جائے گی" مونچھوں والے مزدور نے کہا۔

دوسرے مسافر بھی ان باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔ دھوپ میں جھلسا ہوا ایک نوجوان لفٹنٹ دوسرے ڈبے سے ادھر چلا آیا۔ وہ اوپر کی برتھ سے کہنی ٹکا کر کھڑا ہوگیا۔ دو کسان لڑکیاں زور زور سے اخروٹ توڑتی وہاں آگئیں ... گنجے سر والا ایک لمبا سا آدمی آنکھوں پر عینک جمائے آ پہنچا۔ حرفتی اسکول کے دو طالب علم بھی آگئے۔ اتنے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن کر بوریا دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔ اب وہ لوگوں کے سوالوں کا انتظار کئے بغیر خود ہی مزے مزے کی باتیں طلانے لگا۔

"معلوم بھی ہے، ہم اپنے اسکول کے لئے کتنا بڑا کام کر رہے ہیں؟ دکان پر ایک گیہواں سانپ کی قیمت پچاس روبل ہوتی ہے۔ آپ خود کوشش کر کے دیکھئے۔ مینڈک بھی کچھ کم نہیں تو پانچ پانچ روبل کے حساب سے ملتے ہیں۔ اس حساب سے کل مینڈک پچپن روبل کے ہوتے .... پھر

خود کیڑا گھر کو لے لیجئے۔ ایک کیڑا گھر خریدنے میں پانچ سو روبل خرچ ہوں گے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ ہماری خبر لی جائے گی ۔"

مسافر ہنسنے لگے اور ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

"واہ کیا پتے کی بات کہی ہے!"

"کون جانے ان چیزوں سے واقعی بہت فائدہ پہنچے"

"ان کے پکڑنے میں تمھارا بہت وقت لگا؟" لفٹنٹ نے پوچھا۔

"پورے دو ہفتے لگ گئے۔ ہر صبح ناشتہ کے بعد میں شکار کو نکل جاتا۔ دوپہر کا کھانا کھانے آتا اور شام تک کے لئے پھر باہر نکل جاتا۔" بوریا ٹوپی اتار کر اس سے پنکھا کرنے لگا اور کہنے لگا "جہاں تک مینڈکوں اور مینگوں کا تعلق ہے اُن کا پکڑنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ اور چھپکلیاں بھی مل ہی جاتی ہیں لیکن سانپ کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ ایک سانپ دیکھا اور اس پر جھپٹا۔ وہ غوطہ مار کر تالاب میں غائب ہو گیا۔ میں بھی رکا نہیں، اس کے پیچھے پیچھے تالاب میں گھس گیا۔ سچ کہتا ہوں خاصا خطرناک کام ہے۔"

"واقعی کام خطرناک ہے" لفٹنٹ نے کہا۔

اب پورا ڈبہ اِن باتوں کو سُن رہا تھا۔ ہر کمپارٹمنٹ سے مسکراتے ہوئے چہرے جھانک رہے تھے۔ بوریا بولتا تھا تو ہر شخص سننے لگتا۔ وہ خاموش ہو جاتا تو دبی دبی ہنسی اور مدھم مدھم آوازیں سنائی دینے لگتی تھیں۔

"کیسا زوردار لڑکا ہے۔"

"ہے تو بالشت بھر کا مگر دنیا زمانے کی باتیں جانتا ہے۔"

"جی ہاں" چٹائی کے ہیٹ والے بوڑھے نے رائے دی "سماج کے لئے بہت مفید کام ہے۔ دوستو میرے زمانے میں ایسے بچے نہیں ہوا کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔"

"نانی جان نہ روکتیں تو میں تو اور زیادہ پکڑ لیتا" بوریا نے کہا "ان چیزوں کو دیکھ کر ان کی جان نکلنے لگتی ہے۔"

"بے چاری نانی جان۔"

"سنپولئے کے بارے میں تو میں نے انھیں بالکل بتلایا ہی نہیں۔"

"کاہے کے بارے میں؟"

"سنپولئے کے بارے میں ۔ میں چار گھنٹے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ یہ رینگ کر ایک پتھر کے نیچے دبک گیا اور میں اس کا انتظار کرتا رہا ۔ جب یہ باہر آیا تو میں نے اسے دبوچ لیا"

" تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے پاس سنپولیا بھی ہے" مزدور نے ٹوکا۔

" ہاں ۔ ہاں ۔ وہ الگ مرتبان میں ہے"۔ بوریا نے بنچ کے نیچے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" بس اب حد ہو گئی" تاریک کونے میں بیٹھی ہوئی عورت نے بسورتے ہوئے کہا۔

مجمع کچھ خاموش اور سنجیدہ ہو گیا۔ لیکن لفٹنٹ مسکراتا رہا۔

"شاید یہ سنپولیا زہریلا نہیں ہو گا؟" اس نے کہا۔

"کیا کہا؟ زہریلا نہیں ہے؟" بوریا نے تاؤ میں بھر کر دہرایا "تو پھر آپ کے خیال میں کیا بلا ہے یہ؟"

"کسی دوسری قسم کا سانپ ہے"۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ میں ان دونوں کا فرق ہی نہیں سمجھتا"۔

" اچھا تو دکھاؤ ہمیں"۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں "بس اس بحث کو ختم کرو۔ بس بہت ہو گیا۔

"دکھانے تو دو بھائی ۔ ذرا دلچسپ چیز ہے"

" اس میں کیا خاک دلچسپی دھری ہے ۔ اتنی گھناؤنی چیز ہے "۔

"تم نہیں چاہتے تو مت دیکھو"۔

بوریا نے بنچ کے نیچے سے تھیلا گھسیٹا اور پالتی مار کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ راستہ کے لوگ ذرا ذرا سا دب گئے۔ بنچ پر بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہو گئے اور گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔

عینک والے صاحب بولے "میری عمر چالیس سال کی ہو چکی ہے لیکن میں ابھی تک زہریلے سانپ اور گیہواں سانپ میں فرق نہیں کر سکتا"۔

" دیکھئے" بوڑھے آدمی نے جھٹ سے کہا "آپ کے اسکول میں کیڑا اگر ہوتا تو آج آپ بھی تمیز کر سکتے"۔

"گیہواں سانپ کے سر کے قریب زرد داغ ہوتے ہیں" بوریا مرتبان میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اور زہریلے سانپ کے نہیں ہوتے"۔ یہ کہتے کہتے وہ یکبارگی رک گیا۔ اس کے چہرے پر

گہری فکر کے آثار نمایاں ہو گئے ۔ ۔ ۔ "ایک زہریلے سانپ ۔ ۔ ۔ ایک زہریلے سانپ کے نہیں ہوتے" ۔ ۔ ۔ وہ پھر رک گیا اور مرتبان کو دوسری جانب سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بنچ کے نیچے جھانک کر دیکھا پھر اس کی نظریں اپنے پیر کے قریب فرش پر کچھ تلاش کرنے لگیں۔

"کیا مرتبان میں نہیں ہے ؟" کسی نے پوچھا۔

بوریا کھڑا ہو گیا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر غور سے مرتبان تکتا رہا۔

"وہ ۔ ۔ ۔ ابھی ابھی تو اسی میں تھا ۔ ۔ ۔ بالکل ٹھیک اسی جگہ"

کوئی کچھ نہیں بولا۔ بوریا نے پھر بنچ کے نیچے جھانک کر دیکھا۔

"کپڑا کھل گیا۔ میں نے بہت اچھی طرح باندھا تھا اور اب یہ ۔ ۔ ۔"

کسی نے کپڑے کی طرف توجہ نہیں کی، ہر شخص چوکنا ہو کر فرش پر دیکھ رہا تھا۔ ہر شخص گھبرا گھبرا کر پہلو بدل رہا تھا۔

"یہ تو بڑے جھنجھٹ کی بات ہو گئی" عینک والے آدمی نے دانت بھینچ کر کہا "تمھارا مطلب ہے وہ یہیں کہیں رینگ رہا ہو گا"

"اچھی گڑبڑ مچی ۔ ۔ ۔"

"اندھیرے میں کسی کے بھی کاٹ سکتا ہے۔"

بوڑھی کسان عورت اٹھ کر اپنی بنچ پر بیٹھ گئی اور بوریا کو گھورنے لگی۔

"کیوں رے چھوکرے کچھ سمجھتا ہے، یہ تو نے کیا حرکت کی ؟ مجھے تیسرے اسٹیشن پر اترنا ہے۔ اور میری سب چیزیں بنچ کے نیچے رکھی ہیں۔ اب میں انھیں کیسے نکالوں گی ؟"

بوریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے کان سرخ ہو گئے اور چہرے پر پسینہ کے قطرے آ گئے۔ وہ بے چارہ کبھی بنچ کے نیچے جھکتا، کبھی سیدھا ہو جاتا۔ اس کے بازو ڈھیلے ڈھیلے پڑے ہوئے اس کی رانوں کو تھپتھپا رہے تھے۔

ڈبہ میں غل مچنے لگا۔ ایک کنڈکٹر لڑکی نیند میں آنکھیں جھپکاتی اپنے کمپارٹمنٹ سے نکل آئی۔ ایکبارگی اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

حرفتی اسکول کے دو طالب علم ایک بوڑھی عورت کو اوپر کی ایک برتھ کے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔

"بڑی بی۔ تم اوپر جاؤ۔ اب یہاں سے بھاگ جانے کا وقت آ گیا ہے"

نچلی برتھوں پر بہت بھیڑ تھی، لیکن اب کچھ جگہیں خالی ہوگئی تھیں اور سامان رکھنے کی برتھوں سے بہت سی عورتوں کے پیر لٹک رہے تھے۔ جو مسافر نیچے بیٹھے رہ گئے تھے انھوں نے اپنے اپنے پیر اٹھا کر سامنے کی بنچوں پر رکھ لئے۔ بہت سے آدمی ڈبہ میں دیا سلائی اور ٹارچیں جلا جلا کر سانپ ڈھونڈھ رہے تھے۔

کنڈکٹر گیلری سے گزرتی ہوئی ڈبہ میں جھانک جھانک کر دیکھ رہی تھی۔

"قصہ کیا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟"

کسی نے جواب نہیں دیا۔ کچھ خفگی اور کچھ ہنسی کی درجنوں آوازیں ایک ساتھ آنے لگیں:

"ایک لڑکے کی وجہ سے یہ سب مصیبت آئی"

"میشا! میشا! اٹھو۔ یہاں زہریلا سانپ ہے"

"کیا۔ آپ نے کون سے اسٹیشن کا نام لیا؟"

یکایک ایک عورت چیخ پڑی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی اور پھر کسی نے بہت نرمی سے آواز دے کر اس خاموشی کو توڑا "ڈریئے نہیں۔ یہ تو میری بیٹی ہے"

بوریا اپنی زرد زرد پلکیں ایسے مجرمانہ انداز سے جھپکانے لگا کہ کنڈکٹر کی نظر فوراً اس کو تاڑ گئی اور اس نے اس سے دریافت کیا "ہوں... تو تم نے یہ کیا شرارت کر رکھی ہے؟"

"کپڑا کھل گیا... میں نے تو اچھی طرح باندھ دیا تھا، ورنہ معلوم کیسے..."

"میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ استاد کس قسم کا ہے جو بچوں سے زہریلے سانپ اِدھر اُدھر لئے پھرنے کو کہتا ہے" عینک والے آدمی نے کہا۔

"کسی نے بھی مجھ سے نہیں کہا..." بوریا دھیمی آواز میں بولا "مجھے تو... مجھے تو خود ہی اس کا خیال آیا تھا"

"گویا تم نے اپنی کچھ اُپج دکھلائی تھی" لفٹنٹ ہنسا۔

کنڈکٹر اصل صورتِ حال سمجھ گئی۔

"اچھا تو تمھاری اپنی کارستانی ہے یہ" وہ غرائی "اچھی بات ہے۔ اب بنچ کے نیچے گھس کر پکڑو اسے۔ جلو جاؤ پکڑ کر لاؤ"

بوریا چاروں ہاتھ پیروں کے بل گھسٹتا ہوا بنچ کے نیچے گھس گیا۔ کنڈکٹر نے اس کا جوتا پکڑ لیا اور پہلے سے بھی بلند آواز میں شور مچانے لگی "یہ کیا کر رہے ہو؟ تم کچھ پاگل ہوگئے ہو کیا؟ میں کہتی ہوں

نکل آؤ!"

بوریا بنچ کے نیچے رینگنے لگا۔ اس نے دھیرے سے اپنے پیر کو جھٹکا دیا۔

"میں... اس کو... جانے... دیا۔ نہیں نہیں میں اس کو... ضرور... پکڑوں گا۔"

"بس بس بہت ہوگیا۔ دوست۔ بس اب ختم کردو" لفٹنٹ اس شکاری کو بنچ کے نیچے سے گھسیٹتے ہوئے بولا۔

کچھ دیر تک کنڈکٹر گھبرائی گھبرائی سی چاروں طرف تکتی رہی اور پھر دروازہ کی طرف چل دی۔

"میں جاتی ہوں، اپنے سینیر کو اطلاع کردوں" اس نے کہا۔

وہ بہت دیر تک واپس نہیں آئی۔ مسافر پریشان ہوتے ہوتے تھک گئے۔ اب باتیں بھی بہت کم ہوگئی تھیں۔ اور پھر کچھ سکون سا ہوگیا۔ لفٹنٹ، حرفتی اسکول کے دونوں طالب علم اور کچھ اور لوگ نہایت احتیاط سے بنچوں کے نیچے سے سوٹ کیس اور تھیلے کھینچ کھینچ کر سنپولئے کو ڈھونڈھ رہے تھے۔ باقی لوگ کبھی کبھی پوچھ لیتے کہ سنپولیا ملا یا نہیں اور پھر زہریلے سانپوں کے متعلق عام گفتگو کرنے لگتے۔

"آپ کن کالے ناگوں کا ذکر کر رہے ہیں؟ ناگ تو صرف جنوب میں ہوتے ہیں۔"

"... ذرا ہاتھ کو مضبوطی سے باندھ دیجئے، خون چوس لیجئے اور جلتے ہوئے گرم لوہے سے داغ دیجئے۔"

"جلتے ہوئے گرم لوہے سے، شاباش ہے بھائی، کیا نسخہ بتایا ہے!"

بوڑھی کسان عورت کسی خاص شخص کو مخاطب کئے بغیر شکایت کر رہی تھی:

"بہر حال میں اپنی چیزوں کے لئے بنچ کے نیچے تو گھسوں گی نہیں۔ ۱۹۴۴ء میں میری نند کے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ اسے دو ہفتہ شفاخانہ میں رہنا پڑا تھا۔"

چٹائی کا ہیٹ والا بوڑھا آدمی تیسری برتھ پر پہنچ گیا تھا۔

"تمھاری نند خوش قسمت تھی۔ زہریلے سانپ کے کاٹے سے انسان مر بھی سکتا ہے" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"یہ ہے۔ یہ ہے" حرفتی اسکول کا ایک طالب علم یکا یک چلانے لگا۔

پورے ڈبے نے اطمینان کی سانس لی اور گاڑی کے پہیوں کی گھڑ گھڑ زیادہ خوشگوار

معلوم ہونے لگی۔

"مل گیا؟"

"کہاں ہے؟"

"جلدی سے مار ڈالو!"

بہت سے لوگ چاروں طرف سے جمع ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈھکیل ڈھکیل کر بنچ کے نیچے اس طرف جھانکنے لگے جہاں لفٹنٹ اپنی ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا۔

"تم کہتے ہو کہ بنچ کے نیچے ہے؟"

"جی ہاں۔ بالکل کونے میں ہے۔"

"کیسے پکڑو گے؟"

"میں نہیں جانتا۔ اس کا پکڑنا ذرا دشوار ہے۔"

"کھڑے منہ کیا تک رہے ہو؟ وہاں سے بھاگ جائے گا!"

کنڈکٹر لڑکی اپنے سینیر کے ساتھ آ پہنچی۔ سینیر کنڈکٹر نیچے جھکا اور بنچ کے نیچے اس اندھیرے کونے پر نظریں جمائے ہوئے اس نے ہاتھ سے لڑکی کو اشارہ کیا۔

"سلاخ ... سلاخ لے آؤ" اس نے کہا۔

کنڈکٹر چلی گئی۔ ہر شخص انتظار کرنے لگا کہ اب کیا ہوگا۔

بوریا آہستہ آہستہ اپنی گرد آلود ہتھیلیوں کو رگڑ رہا تھا اور تھکا ماندہ ایک طرف الگ تھلگ کھڑا تھا۔

"دوست۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری ساری محنت رائگاں جانے والی ہے۔" لفٹنٹ نے کہا "تم نے تو اتنے دنوں تک شکار کیا، اپنی نانی کو پریشان کیا، لیکن اب ایک آدمی سلاخ سے تمھارے نظری طریقۂ تعلیم کو برباد کرنے جا رہا ہے۔"

بوریا نے ہتھیلی منہ کے سامنے کر لی اور انگلی کے ناخن سے اس کا میل نوچنے لگا۔

"کیوں میاں شکاری ۔ تمھیں افسوس نہیں ہو رہا ہے؟" حرفتی اسکول کے طالب علم نے پوچھا

"تمھاری کیا رائے ہے؟" بوریا نے دھیرے سے کہا۔

مسافر خاموش تھے۔

"یہ بات کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ کیوں بھائی کیا خیال ہے؟" مونچھوں والا مزدور ایکدم گرج کر بولا۔ وہ گھٹنوں پر گھٹنا رکھے اپنی جگہ خاموش بیٹھا ہوا اپنے مٹی سے لتھڑے ہوئے جوتوں کے پنجے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ٹھیک نہیں ہے؟" سینیر کنڈکٹر نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"یہ لڑکا سپنولئے کو محض تفریح کے لئے تو لا نہیں رہا تھا۔ اس کو مار ڈالنا غلط معلوم ہوتا ہے۔ سوچ لو۔"

"پھر آپ ہی بتائیے کیا کریں؟" عینک والے آدمی نے پوچھا۔

"پکڑ لیجئے، یہی ہونا چاہئے" حرفتی اسکول کے طالب علم نے جواب دیا "پکڑ لیجئے اور شکاری کو واپس کر دیجئے۔"

کنڈکٹر سلاخ لے آئی۔ وہ اس وقت بہت جوش میں تھی۔

"کیا ابھی نہیں ہے؟ کہیں کھسکا تو نہیں؟ کوئی آدمی روشنی دکھاؤ۔"

لفٹنٹ نے نہایت نرمی سے اس کے ہاتھ سے سلاخ لے لی۔

"دوستو۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ کیوں نہ ہم اس زہریلے سانپ کو زندہ پکڑ لیں۔"

حیران و پریشان مسافر خاموش بیٹھے رہے۔ سینیر کنڈکٹر نے لفٹنٹ کو گھورا اور غصے سے سرخ ہوگیا۔

"آپ کے لئے تو یہ محض مذاق ہے" اس نے کہا "لیکن اگر اس نے کسی کو کاٹ لیا تو؟"

ہر شخص دل کھول کر ہنسنے لگا اور ایک دوسرے سے بحث کرنے لگا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اسکول کسی صورت سے بھی زہریلا سانپ نہیں رکھے گا۔ دوسرے کہنے لگے کہ ضرور رکھے گا مگر محض بیالوجی کے ماسٹر کی نگرانی میں رکھے گا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سانپ بوریا کو پھر دیدینا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ پھر اُسے ٹرام میں کہیں اور کھودے گا۔

"اب نہیں کھوؤں گا۔ قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب نہیں کھوؤں گا۔" بوریا نے ایسی رحم طلب نظروں سے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ بوڑھی کسان عورت تک کو اس پر رحم آگیا۔

"وہ اب دوبارہ نہیں کھوئے گا!" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ "اب وہ زیادہ چوکنا ہوگیا ہے۔ آپ کو کچھ نہ کچھ ہمدردی تو ضرور کرنا چاہئے۔ دوسرے بچے تو صرف کھیلتے ہی رہتے ہیں اور اپنی جیبوں میں محض تفریح کرتے ہیں اور اس لڑکے نے سانپوں کے شکار کرنے میں اپنے دو ہفتے صرف کر دیئے۔"

"ہاں۔ہاں۔بھئی۔آپ لوگوں کو دوسرے آدمی کی قدر کرنا چاہئے۔" چٹائی کے بیٹھنے والے آدمی نے کہا۔

"کہو بھئی شکار کھیلنے والو۔کیا تم نے اُسے مار ڈالا؟" ڈبہ کے آخر سے کسی نے پوچھا۔

"نہیں۔ہم نے اسے معاف کر دیا" حرفتی اسکول کے طالب علم نے جواب دیا۔

سینیر کنڈکٹر نے شکاریوں پر ایک قہر آلود نظر ڈالی "تم سب بچوں سے بدتر ہو" وہ کنڈکٹر لڑکی کی طرف مڑ کر کہنے لگا "کوئلہ اٹھانے کا چمٹا لے آؤ۔"

"بچوں سے بھی بدتر" لڑکی چمٹا لینے کے لئے بڑبڑاتی چلی گئی۔

دس منٹ میں سانپ مرتبان میں پہنچ گیا۔مرتبان خوب مضبوطی سے کسا ہوا،بہت احتیاط سے لفٹنٹ کے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔بوریا لفٹنٹ کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔وہ خاموش تھا مگر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

ماسکو تک راستہ بھر سب مسافر اپنے اسکول کا زمانہ یاد کر کر کے خوش ہوتے رہے۔

(یہ کہانی کتاب "پیراکی کے استاد" سے لی گئی)

شرابِ کہنہ

سودا

سنہ ۱۷۱۳ء[1] ــــــ سنہ ۱۷۸۰ء

مرزا محمد رفیع نام اور سودا تخلص، ان کے والد میرزا محمد شفیع اپنا خاندانی پیشہ سپہ گری اور آبائی وطن کابل چھوڑ کر تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے نعمت خاں عالی کی بیٹی سے شادی ہوئی اور انھیں کی کوکھ سے مرزا کا جنم ہوا۔

رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی بچپن اور نوجوانی کا زمانہ بڑی فراغت اور عیش و عشرت میں گزرا، کچھ دنوں فوج میں بھی ملازم رہے تھے اور جب وہاں سے الگ ہوئے تو شاعرانہ حیثیت سے اس مرتبے تک پہنچ چکے تھے کہ ہر امیر کی محفل میں ان کا رسوخ تھا اور ہر فرماں روا تک ان کی رسائی۔

شاہ حاتم کے شاگرد تھے پہلے فارسی میں کہتے تھے، خان آرزو کی تحریک یا مشورے سے اردو میں کہنا شروع کیا اور زیادہ دن نہیں لگے کہ اپنے وقت کے مسلّم الثبوت استاد مان لئے گئے۔ ان کی زندگی سے لے کر آج تک اردو شاعروں کا کوئی تذکرہ، اور کوئی تاریخ ایسی نہیں لکھی گئی جس میں سودا کی شاعرانہ عظمت اور ان کی قادر الکلامی کا بہتر سے بہتر لفظوں میں ذکر نہ کیا گیا ہو۔

کوئی صنفِ سخن ایسی نہیں ہے جس میں طبع آزمائی نہ کی ہو، غزل میں بجز میر کے باقی اپنے دور کے تمام شاعروں میں نمایاں۔ قصیدے میں اُن کی ٹکر کا کوئی دوسرا اردو شاعر ملتا ہی نہیں۔ اسی طرح ہجو گوئی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے مرثیہ لکھنے میں جس اسلوب اور جدت سے کام لیا اس کی بنا پر اپنے سے پہلے کے تمام مرثیہ نویسوں میں منفرد اور بعد کے لوگوں کے لئے قابلِ تقلید ثابت ہوئے مختصر یہ کہ اُردو زبان کو نکھارنے اور جاندار بنانے میں مرزا سودا کا بہت بڑا ہاتھ اور حصّہ ہے۔

---

[1] آب حیات کے حوالے سے سنہ ۱۱۲۵ھ = ۱۷۱۳ء مشہور ہوگیا ہے مگر اس کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔

۴۴ سال دلّی میں رہے۔ ۱۰ سال فرخ آباد میں اس کے بعد ۶۰ سال کی عمر میں پہلے فیض آباد پھر لکھنؤ پہنچے، شہرت، مقبولیت اور قدر افزائیاں آخر دم تک ساتھ رہیں۔ ۴ رجب ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں وفات پائی آغا باقر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے۔

انتخاب

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا　　پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہو شراب کا
دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر　　لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکشِ عشق کا دماغ　　یارب برا ہو دیدۂ خانہ خراب کا

جوں شمع تن جلا شبِ ہجراں میں صرفِ اشک　　پر جس قدر میں چاہوں تھا اتنا نہ رو سکا
سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن　　بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روزِ ہجر کو　　پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار　　خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنسِ گراں کا

نالہ سینے سے کرے عزمِ سفر آخرِ شب　　راہ رَو باندھے ہے چلنے پہ کمر آخرِ شب
سانس ٹھنڈی کسی مایوس کی ہے ورنہ نسیم　　کر سکے ہے ترے کوچے سے سفر آخرِ شب
روکوں نالے کو نہ لب پر تو کروں کیا اے دل　　شام تاثیر نہ اس میں نہ اثر آخرِ شب

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں　　اب دیکھنے کو جن کی آنکھیں ترستیاں ہیں
برسات کا تو موسم کب کا نکل گیا پر　　مژگاں کی یہ گھٹائیں اب تک برستیاں ہیں

پاسِ ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل　　ورنہ یاں کون سا اندازِ فغاں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

کیوں میں تسکینِ دلِ یار کروں یا نہ کروں
نالہ جا کر پسِ دیوار کروں یا نہ کروں

ناتواں مرغ ہوں میں اے رفقائے پرواز
اتنا آگے نہ بڑھو تم کہ رہا جاتا ہوں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب ہی یہ راتیں
دو چار گھڑی رونا، دو چار گھڑی باتیں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی
اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لختِ جگر بھی
تنہا ترے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش
رہتا ہے سدا چاک گریبانِ سحر بھی

اتنا لکھ آئیو مری لوحِ مزار پر
یاں تک نہ ذی حیات کو کوئی خفا کرے
فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا، کیا کرے

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے
پھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرت میں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

نئی مطبوعات

نئی مطبوعات اور زیر طبع کتابیں کے عنوانات کے تحت معلومات شائع کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ناشرین ہمیں اپنے صحیح اشاعتی منصوبوں سے آگاہ فرمائیں

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
تذکرۂ جگر	محمود علی خاں جامعی		مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵
بچوں کا کھلونا (بچوں کی نظمیں)	شفیع الدین نیر	-/۷ ۵	نیر کتاب گھر، نئی دہلی ۲۵
ستاروں کے قیدی (بچوں کا ناول)	ظفر پیامی	۲/-	شمع بک ڈپو، دہلی
ریشم کے تار (ناول)	عارف مارہروی	۴/۵۰	اہلووالیہ بک ڈپو، دہلی
مہکتے زخم (〃)	جمیل انجم	۵/۵۰	〃 〃
تیری یاد آئی (〃)	انیس مرزا	۵/۵۰	〃 〃
نوائے کفر (نظمیں)	سنور لکھنوی	۱/۵۰	آدرش کتاب گھر، دہلی
طلوعِ سحر (مجموعۂ کلام)	کنور مہندر سنگھ بیدی سحر	۵/۶	نیو تاج آفس، دہلی ۶
کلیات اقبال فارسی	علامہ اقبال	۱۵/-	کتب خانہ نذیریہ، دہلی ۶
سنجوگ (ناول)	رابندر ناتھ ٹیگور	۷/-	ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی
غلاموں کے سوداگر (〃)	مظہر الحق علوی	۱۴/-	نسیم بک ڈپو، لکھنو
غمِ دوراں (〃)	ہاجرہ نازلی	۵/۵۰	〃 〃
جلوۂ احسن	مرتبہ رفیق مارہروی	۲/۵۰	〃 〃
قصۂ گل و صنوبر	〃	۱/۲۵	〃 〃
راحیلہ (ناول)	قمر نقوی	۷/-	مقبول اکیڈمی، لاہور
القاہرہ (تاریخ)	محمد سعید	۱۰/-	〃 〃
ولایتی بھوت (افسانے)	ایم کوکب	۳/۵۰	نظارہ پبلیکیشنز ۱۱ مارسڈن اسٹریٹ کلکتہ ۱۶

زیر طبع کتابیں

		ملنے کا پتہ
حدیثِ دل (اضافہ شدہ نیا ایڈیشن)	غلام ربانی تاباں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵
گرودیو بابی (بچوں کے لئے ٹیگور کی سوانح)	شاہد علی خاں	" " " بمبئی ۳
دیوانِ غزلت	مرتبہ عبدالرزاق قریشی	ادبی پبلشرز، بمبئی ۸
ترغیباتِ جنسی	نیاز فتح پوری	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ
تلمیحات	محمود نیازی	" "
اردو رباعیات	سلام سندیلوی	" "
مریخی دیوتا (حیرت ناک ناول)	ایم جے عالم	" "

پاکستانی رسائل

"نقوش" اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء	۲/۵۰	"سویرا" نمبر ۲۴	۲/۰
" لاہور نمبر	۱۵/-	" نمبر ۲۸ خاص نمبر سنہ ۱۹۶۱ء	۳/۰
"قند" ڈراما نمبر	۶/۵۰	"نیا دور" طویل کہانی نمبر	۵/۰
"ماحول" آزاد نمبر	۲/-	"نقش" فروری سنہ ۱۹۶۱ء	۱/-
"ادبِ لطیف" جولائی سنہ ۱۹۶۱ء	-/۷۵	" مارچ سنہ ۱۹۶۱ء	۱/۰
"جائزہ" اگست سنہ ۱۹۶۱ء	۱/-	" اپریل سنہ ۱۹۶۱ء	۱/۰
"صحیفہ" دسمبر سنہ ۱۹۵۸ء	۳/-	" مئی سنہ ۱۹۶۱ء	۱/۰
" جولائی سنہ ۱۹۶۱ء	۲/-	"ہم قلم" جولائی سنہ ۱۹۶۱ء	-/۶۲

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ، جے جے ہسپتال، بمبئی ۳

سے مل سکتے ہیں۔

جائزے

ایک چادر میلی سی

مصنف :۔ راجندر سنگھ بیدی
صفحات :۔ ۱۳۶ سائز $\frac{20\times30}{16}$ مجلد
قیمت :۔ دو روپے ۲۵ نئے پیسے
ناشر :۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

راجندر سنگھ بیدی نے اپنی ادبی زندگی میں فن کے ساتھ خلوص، سچائی اور وفا شعاری کا جو رویہ اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ ان کی ہر نئی تخلیق فن کار کی حیثیت سے انھیں کامیابی اور ناموری کی ایک نئی منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ وہ پیشہ ورانہ انداز سے کبھی نہیں لکھتے بلکہ اسی وقت قلم اٹھاتے ہیں جب ان کے پاس کچھ کہنے کو ہوتا ہے۔ جب ان کے تجربات اور زندگی کی حقیقتوں کا شعور تخیل اور تخلیقی بصیرت کی پر پیچ راہوں سے گزر کر ایک حسین و جمیل توانا اور جاندار پیکر اختیار کرتا ہے، جسے وہ ضبط تحریر میں لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

"ایک چادر میلی سی" بیدی کی نئی تصنیف ہے جو ہر لحاظ سے ان کے کمالِ فن کا مظہر ہے۔ یہ ناولٹ گذشتہ دس سال کی مدت میں اردو، پنجابی اور ہندی کے متعدد رسائل میں شائع ہو کر ہر حلقہ سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اس کا موضوع اور مواد بھی بیدی نے اپنی بعض بہترین کہانیوں کی طرح پنجاب کی دیہاتی زندگی سے لیا ہے۔ اس میں بھی اُن کے فن کا حُسن کہانی سے زیادہ کرداروں کی حقیقت پسندانہ تعبیر سے پیدا ہوا ہے۔ اس میں بھی بیدی نے جزئیات، روزمرہ کے واقعات اور معمولات کے بیان سے ایک ایسی فضا کی تخلیق کی ہے جس میں پہنچتے ہی ہر شے جانی بوجھی اور ہر شخص مانوس نظر آتا ہے۔ پنجاب کے گاؤں کی بہ ظاہر سیدھی سادی زندگی میں جذبات کی کیسی ہلچل، کشمکش اور فراوانی ہے۔ اس کا اظہار بھرپور انداز سے ہوتا ہے۔ غیظ و غضب، انتقام، نفرت، رقابت اور شہوانیت کے جذبات اور دوسری طرف محبت، ماتما، ایثار، ہمدردی اور انسانیت کے جذبات — جن کی عجیب و غریب ترکیب اور تفسیر کا نام انسان ہے۔ یہ ناولٹ بھی چند زندہ انسانوں کی سرگذ

ہے۔ تلو کے۔ رانی منگل اور سلامتی اس کے مرکزی کردار ہیں۔ دراصل اس ناولٹ کا بنیادی محرک پنجاب کے دیہاتوں کی وہ فرسودہ رسم ہے جسے چادر ڈالنا کہتے ہیں اور جس کے مطابق کسی خاندان میں ایک بھائی کی موت کے بعد دوسرا بھائی اپنی بیوہ بھاوج پر چادر ڈال کر اسے اپنی زوجیت اور پناہ میں لے لیتا ہے۔ اس رسم نے مصنف کے ذہن میں جن کرداروں اور جس کہانی کے نقوش کو ابھارا اس میں بلا کی تازگی، سماجی طنز اور ڈرامائی قوت ہے۔ منگل جسے چھ سات سال کی عمر سے اس کی بھاوج رانی نے اپنے بیٹے کی طرح پالا ہے۔ اور جو کبھی کبھی بچپن میں رانی کا دودھ پینے کے لئے مچل جاتا تھا بھائی کی اچانک موت کے بعد سماج اور برادری اسے اسی بھاوج رانی پر چادر ڈالنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔

اس کے بعد جو واقعات رونما ہوتے ہیں اور کہانی جس طرح جذبات کی تیز و تند لہروں کے سہارے نقطۂ عروج تک پہنچتی اور ختم ہوتی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سماجی زندگی اور انسانی نفسیات کے عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ مصنف کو فن کی نزاکتوں پر بھی قدرت حاصل ہے۔

یہ ناولٹ اردو کے افسانوی ادب میں سماجی حقیقت نگاری کے نئے امکانات کی بشارت دیتا ہے۔ مناسب ہوتا اگر عمر اور فنی مہارت کی اس منزل پر بیدی کہانیوں سے قطع نظر کر کے ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوتے۔ وہ اس صنفِ ادب میں بھی پریم چند کی روایات کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر قمر رئیس

★

اُردو مثنویاں

از: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
صفحات: ۳۸۴ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ مجلد
قیمت: چھ روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۵

مثنوی اُردو شاعری کی ایک ممتاز اور محبوب صنف رہی ہے۔ اس کی بعض خوبیوں اور امکانات کی وجہ سے ہر دور کے شعرا نے اسے اظہار کمال کا ذریعہ بنایا۔ اور آج اس کا دامن اعلیٰ اور ادنیٰ، عارفانہ اور عشقیہ، المیہ اور طربیہ ہر قسم کی تخلیقات سے معمور ہے۔ ان میں فنی اعتبار سے جو قابل ذکر مثنویاں تھیں وہ شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں لیکن ایک کثیر تعداد ایسی مثنویوں

کی بھی ہے جو شائع نہیں ہوئیں۔ اور جو بعض شاعرانہ محاسن کے ساتھ ساتھ اپنے زمانہ کی تاریخ تہذیب اور ذہن وفکر کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ موضوع بے حد وسیع ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے زیر نظر کتاب میں اپنے مطالعہ کو ایسی مثنویوں تک محدود رکھا ہے جن کے قصے پورانک قصّوں، قدیم ہندوستانی روایتوں اور لوک کہانیوں سے ماخوذ ہیں۔ اس قید کے باوجود اسے حسنِ اتفاق کہئے کہ دکن اور شمالی ہندوستان میں لکھی جانے والی بعض بہترین اور نمایندہ مثنویاں موصوف کے مطالعہ کا موضوع بن گئی ہیں۔ مثلاً سحرالبیان، گل بکاؤلی۔ پھول بن۔ قطب مشتری۔ پدماوت اور شعلۂ شوق وغیرہ۔ یہ کتاب کم وبیش پانچ سال کی مسلسل محنت اور سعی و تلاش کا نتیجہ ہے۔ سب سے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ڈاکٹر نارنگ نے اس کتاب میں علمی تحقیق کے جدید تقاضوں اور سائنٹفک اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ بحث کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ ہر مثنوی کے بارے میں امکانی اور مستند معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ یہ بتانے کی کوشش بھی کی ہے کہ وہ کہاں اور کس حد تک اپنے زمانے کی تاریخ، تہذیب، اور معاشرتی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں، نسخوں اور دستاویزوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کے حوالے بھی صحت اور صراحت کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ آخر میں اشاریہ اور مآخذ کی جامع فہرست نے کتاب کی قدر وقیمت میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

اصل کتاب ۲۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کے بعد ۱۲۲ صفحات کے ضمیمے ہیں۔ دراصل یہ وہ مواد ہے جو اصل متن کی طباعت کے بعد مختلف مثنویوں کے بارے میں دستیاب ہوا ہے اس سے مطالعہ اور مطالب کی ترتیب میں کچھ ژولیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ مواد دوسرے اڈیشن کے لئے محفوظ رکھا جاتا۔ اسی طرح تاریخ فرشتہ اور بعض دوسرے تذکروں اور فارسی کتب سے کہیں مختصر اور کہیں طویل اقتباسات نقل کئے گئے ہیں، مناسب ہوتا اگر حوالے کے ساتھ ان کے خیالات کو اپنے الفاظ میں ادا کیا جاتا یا ان اقتباسات کا اردو ترجمہ دیا جاتا اور اگر اصل اقتباس ضروری تھا تو حاشیہ میں اس کا ترجمہ دے دیا جاتا۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں اردو ادب کے سنجیدہ طالب علم بھی فارسی نہیں جانتے۔ اس طرح کتاب سے مستفید ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔ بلاشبہ اس کتاب کی اشاعت سے اردو مثنوی کے بارے میں بعض نئی تحقیقیں سامنے آئی ہیں۔ اور تاریخ ادب کے بعض دھندلے اوراق روشن اور واضح ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ اہل نظر ڈاکٹر نارنگ کے اس تحقیقی کارنامہ کی داد

دینے میں تامّل نہیں کریں گے۔

ڈاکٹر قمر رئیس

★

شہرِ سخن

از: ملک زادہ منظور احمد
صفحات: ۲۱۹　سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: چار روپئے
ناشر: ملک زادہ پبلیکیشنز۔ ۲۹ سیتارام
اعظم گڈھ (یوپی)

"شہرِ سخن" کو معروف اور غیر معروف سب ملا کر ۲۶ اہلِ سخن سے آباد کیا گیا ہے جن میں جگر جیسے امیرِ شہر، اقبال سہیل جیسے شاہ گوشہ نشین، رِوِش، نشور، مجروح جیسے معززین اور عوام الناس کے مصداق چند گم نام ہستیاں سب ہی شامل ہیں۔ ملک زادہ منظور احمد صاحب ان تمام سخنوروں سے ذاتی طور پر متعارف ہیں۔ ان کی شخصیت جو تاثر انھوں نے قبول کیا ہے اس کے سہارے پر اپنی تنقیدی نظروں سے ہر ایک کے کلام کی داد دی ہے۔ اُن کا جائزہ ایک مجموعی اثر پیش کرتا ہے اور مروّت و ارادت کے جذبات کا حامل ہے۔ بسا اوقات، وہ کچھ افسانوی انداز میں شروع ہوتا ہے جیسے "وہ رات میں کبھی نہیں بھول سکتا"، "دسترخوان پر انواع و اقسام کے سادہ کھانے چنے تھے"، "وہ گورکھپور کی ایک بہت ہی سہانی شام تھی"۔ اِس انداز سے ابتدائی حصّے میں کسی ملاقات یا تعلقِ خاطر کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے اس شخصیت سے متعلق اپنے ذہنی تصوّر کو پیش کیا ہے۔ اور اس کے بعد ذات سے گزر کر فن کی طرف آگئے ہیں۔ اُن کے اس دیارِ شعر میں صرف ایک خاتون جلوہ گر ہیں۔ جن کے بارے میں کہا گیا ہے: "میں نے ان کا ایک سرسری جائزہ لیا۔ وہ بذاتِ خود ایک سادہ و پرکار غزل تھیں۔ سیاہ اُوورکوٹ، سفید ساری، کانوں میں جھولتے ہوئے طلائی آویزے، چہرے پر بل کھائی ہوئی دو چوٹیاں۔ گھنیری پلکیں نیند کے بار سے بوجھل ....." لیکن اس شوخیٔ نظم کو دیکھتے ہوئے یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ انھوں نے کچھ اور شاعرات کو اس شہر میں جگہ نہیں دی۔

بہرحال ملک زادہ صاحب نے یہ تنقیدی جائزے ایک بدلے ہوئے اسلوبِ نگارش کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ ان کے اندازِ بیان میں ابھی شگفتگی کی کمی تو ضرور ہے لیکن رنگینی خوب ہے۔

بلاغت کی سحر آفرینی نہ سہی مگر شوکتِ الفاظ کا جمال موجود ہے۔ اُن کی رائے سے آپ اتفاق کریں یا اختلاف ان کے پیرایہ بیان میں لطف اندوز کرنے کی پوری گنجائش ہے۔ اگرچہ ان کے یہ مضامین تنقیدی شعور کو پختہ نہیں کر سکتے تاہم ذوقِ شعری کو ابھارنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگر اُن کی زبان اس قدر رنگین اور پر تکلف نہ ہوتی تو مبتدیانِ ادب بھی بخوبی محظوظ ہو سکتے تھے۔

اِس شہرِ سخن کو بلا امتیازِ رنگ و بُو بسایا گیا ہے۔ اہلِ شہر کی فہرست بھی قطعی بے ترتیب ہے اور شخصی وقار کی کوئی متعینہ سطح بھی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ شہرِ سخن بھی ایک عام شہر کا نمونہ ہے۔ وہ ظاہری حُسن سے بھی بے نیاز ہے۔ گرد پوش، کتابت، طباعت اور کاغذ سب معمولی ہیں۔

عبداللہ ولی بخش قادری

★

نیل کنول مسکائے

از: مخمور حسین بدخشی

صفحات: سائز: ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت: دو روپئے ۵۰ نئے پیسے

ناشر: ادارہ ادبیاتِ اردو، خیرت آباد، حیدر آباد

مخمور حسین بدخشی نے اپنی کہانیوں کے مجموعے کا حسین نام "نیل کنول مسکائے" رکھا ہے۔

اس مجموعے میں آٹھ افسانے اور ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا پیش لفظ شامل ہے۔ بدخشی کشمیر کا جدید افسانہ نگار ہے جس کی صلاحیتوں سے افسانوی اردو ادب میں اچھے خاصے اضافے کی امید کی جا سکتی ہے ـــــ زیرِ نظر مجموعے میں کشمیر کی زندگی کے مختلف رخ ہمارے سامنے آتے ہیں، مثلاً کالجوں میں دلچسپ شرارتیں، سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بسوں میں معاشقے، مالدار سیاحوں کی سرمستیاں، حسین وادی کی معاشی ابتری، ندی اور ڈھلان کے ارد گرد غریب بکری چلانے والوں کی سچی محبت وغیرہ۔

مخمور بدخشی نے اپنی کہانیوں میں ایک طرف زندگی کی سچائی کے نقوش ابھارے ہیں اور دوسری طرف سماج کی خرابیوں پر طنز کیا ہے ـــ زبان میں رنگینی ہے۔ کہیں کہیں نفسیاتی اشارے بھی ملتے ہیں۔ مگر فن وقت کے ساتھ نکھرے گا۔ بعض ترکیبوں اور محاوروں کے استعمال پر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے نزدیک سب سے اچھی کہانی "نور اور سائے" ہے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت کے نقائص کو افسانوی دلکشی میں ذہن بھول تو سکتا ہے مگر یہ افسانہ نگار کے ساتھ بے انصافی ضرور ہے

(سیفی پریمی علیگ)

★

قیمت: ۵۰ نئے پیسے

ملنے کا پتہ: ادارہ ادبیات اردو۔
خیریت آباد۔
حیدرآباد ۴

ادارۂ ادبیات اردو ۱۹۶۱ء میں

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد اکتیس سال سے زبان و ادب کی جو ٹھوس خدمت کر رہا ہے اس سے ہر صاحب ذوق واقف ہے۔ ۱۹۶۱ء میں اس ادارے کی سرگرمیاں ایک رسالہ کی شکل میں شائع کی گئی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کام بہت قاعدے اور سلیقے سے ہوتا ہے۔ ابھی تک راقم الحروف کی نظر سے کسی ادبی ادارے کی اتنی مکمل اور مفصل روداد نہیں گزری جتنی کہ رسالہ زیر تبصرہ میں پائی گئی۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہند میں اس ایک ادارے نے کس کس طرح زبان و ادب کی خدمت کی ہے اور کس کس نہج سے طالبان علم کو فائدہ پہنچایا ہے اور ادب و ثقافت کے تقریباً ہر شعبے میں ایسے گرانقدر کام ہوئے ہیں جن پر اداری ہی نہیں پوری اُردو دنیا فخر کر سکتی ہے۔ ادارہ کے مخطوطات اور اُس کے شعبۂ تنقید و تحقیق نے ہندوستان ہی نہیں پاکستان کے طالبانِ علم کی بھی پیاس بجھائی ہے۔ اس کی تفصیل رسالہ میں ملتی ہے۔ غرض یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ زیر تبصرہ رسالہ ادارہ ادبیات اردو کے ایک سال کا انسائکلو پیڈیا ہے۔ اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کی لائبریری میں اس کا ہونا ناگزیر ہے۔

ولی شاہجہاں پوری

ادبی خبر

مہاراشٹر اردو ٹیکسٹ بک بورڈ کمیٹی کا دوسرا جلسۂ تقسیم انعامات جو مئی کے آخری ہفتہ میں منعقد ہونے والا تھا اب چند وجوہ کی بنا پر مئی کی بجائے اکتوبر ۶۲ء میں منعقد کیا جائے گا۔

مرتبہ: ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

دہلی یونیورسٹی کا استقبالیہ

دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے علامہ نیاز فتح پوری اور مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے اعزاز میں جنھیں حکومت ہند کی طرف سے "پدما بھوشن" کا خطاب ملا ہے۔ ۲۷ راپریل کو ایک استقبالیہ جلسہ کا انتظام کیا۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر بی گوپال ریڈی مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات نے کی۔ ڈاکٹر بی گوپال ریڈی کی تقریر سے قبل شعبہ اردو کے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ایک مختصر لیکن جامع تقریر کی اور علامہ نیاز فتح پوری اور اثر لکھنوی کی زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی۔

تاشقند یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسر شپ

سویٹ روس کی وزارت تعلیم (ثانوی و اعلیٰ) نے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر قمر رئیس کو حکومت ہند کی معرفت تاشقند یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسر شپ پیش کی ہے جسے موصوف نے منظور کر لیا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس کو وہاں وہی گریڈ اور وہی تمام سہولتیں پیش کی جائیں گی جو اس ملک میں زبان و ادب کے دیگر اعلیٰ پروفیسروں کو حاصل ہیں، امید ہے کہ ڈاکٹر قمر رئیس صاحب جولائی یا اگست میں تاشقند پہنچ کر اپنے فرائض سنبھال لیں گے۔

مشاہدات پر انعام

جموں و کشمیر اکیڈمی آف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز نے اردو کے ممتاز غزل گو شاعر جناب بسمل سعیدی ٹونکی کو ان کے تیسرے مجموعہ کلام "مشاہدات" پر ایک ہزار روپیہ کا نقد انعام دینے کا اعلان کیا ہے، اکیڈمی کی طرف سے کشمیری، ڈوگری، ہندی اور پنجابی زبان کی کتابوں پر بھی انعام دیا جائے گا۔

(باقی خبریں ص ۲ پر)

سالانہ چندہ:- ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نئی دہلی	فی پرچہ:- دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد ولی نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

Regd. No D58 **June 1962**

Kitab Numa

JAMIA NAGAR, NEW DELHI.

پنڈت جواہر لال نہرو کی مشہور کتاب

A BUNCH OF OLD LETTERS

کے اردو ترجمے کا پہلا حصہ

"کچھ پُرانے خط"

کے نام سے شایع ہوگیا ہے

پہلا حصہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۳۶ء تک کے ۱۹۲ خطوط پر مشتمل ہے۔

یہ بیش بہا مجموعہ اُس زمانے کی صحیح اور سچی تاریخ ہے جس میں بعض ایسے واقعات بھی منظرِ عام پر آئے ہیں جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے۔

اردو ترجمہ مولانا عبدالمجید الحریری نے کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اِس کتاب کو ضرور پڑھنا چاہیں گے اور آپ کی لائبریری میں اس سے ایک اچھا اضافہ ہوگا۔

۱۸×۲۲/۸ کے ۴۰۰ صفحات، بہترین کتابت و طباعت۔

عمدہ جلد مع گرد پوش قیمت: آٹھ روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

کتاب نما
ماہنامہ

زِندگی کی لہر

ساؤمنگ

(ترجمہ محمد خلیق ایم۔ اے)

جب غُلامی کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں تو اس کی جھنکار کے ساتھ قوم کی زِندگی میں ایک برقی لہر دوڑ جاتی ہے۔

چین کی مشہور ناول نِگار ساؤ منگ کے اس ناول میں چین کی قومی زندگی کا یہ نیا رُخ آج پوری آب و تاب کے ساتھ بے نقاب نظر آتا ہے۔

قیمت تین روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

نگران:- غلام ربانی تاباں | ماہنامہ کتاب نما دہلی نئی | مدیر:- ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | جولائی سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۷

اشاریہ

بالآخر جامعہ ملیہ اسلامیہ کو یونیورسٹی کا درجہ مل گیا۔ ہم اس موقع پر اربابِ جامعہ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اب سے بیالیس سال پہلے ۱۹۲۰ء میں تحریک عدم تعاون کے نتیجے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس وقت کے تعلیمی تقاضے آج سے بہت مختلف تھے اور کسی نئے تعلیمی تجربے کے لئے حالات بھی سازگار نہ تھے اس کے باوجود کارکنانِ جامعہ نے تن دہی، خلوص اور ایثار سے کام لے کر تعلیمی میدان میں اس وقت سے اب تک جو تعلیمی تجربے کئے اور اس میں نئی نئی راہیں پیدا کیں وہ ملی اور وطنی تقاضوں کے عین مطابق تھیں۔ جامعہ ملیہ نے تعلیم کے ایسے خاکے تیار کئے جس نے تعلیم کو تمام غیر تعلیمی خارجی اثرات سے الگ اور محفوظ رکھنے کو اپنا اصول بنایا اور اپنے اس اصول کے ذریعے فرد اور جماعت کے درمیان وہ سچی ہم آہنگی پیدا کی جو مذہب، اخلاق، سیاست سب کا نصب العین ہے۔

آزادی کے بعد اس کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں اور انہی ان ذمہ داریوں کو بھی خوبی اور خوب صورتی سے نبھایا جو آج ہم سب پر عیاں ہے۔ ہمیں یقین ہے یونیورسٹی کا درجہ ملنے کے بعد [illegible]

ہوچکا ہے ان میں سے دو کتابیں ہم بہت جلد شائع کر رہے ہیں۔ پہلی کتاب "آشفتہ بیانی میری" کا مسودہ مصنف نے نظر ثانی اور کافی ترمیم و اضافے کے بعد ہمیں بھیجدیا ہے اور اب یہ کتابت کی منزلوں سے گزر رہا ہے۔

دوسری کتاب "گنجہائے گراں مایہ" میں دو نئے مضمونوں کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ مضامین بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق اور جناب جگر مرادآبادی کی وفات پر رشید صاحب نے سپرد قلم فرمائے تھے۔ یہ کتاب بھی انشاءاللہ بہت جلد شائع ہو رہی ہے۔

(بقیہ خبریں ص ۳)

ملے تھے جن پر قدیم زبانوں کی تحریریں کندہ ہیں۔ لینن گراڈ کی ایک مورخ نے ان تحریروں کو پڑھ کر بتایا ہے کہ یہ سنسکرت، برہمی اور کردشتی زبان کی ہیں۔

گمھا کا یہ بودھ مٹھ قدیم ترمیز یہ کے علاقے میں دریافت ہوا ہے۔ جو پہلی اور تیسری صدی عیسوی کے درمیان زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ ترمیز شہر کے قریب آمو دریا کے کنارے۔ ترمیز ایک تجارتی مرکز تھا جو ہندوستان اور وسط ایشیا کو جوڑنے والے کارواں کے راستے پر واقع تھا اور ۱۲ ویں صدی میں چنگیز خاں کی فوجوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اس بودھ مٹھ میں پرانے سکے، یونانی طرز کی لالٹین، پتھر پر کندہ نقش اور پلاسٹر کے مجسموں کے ٹکڑوں اور بعض دوسری چیزوں کے علاوہ گوتم بدھ کی ایک چھوٹی سی مورتی بھی ملی ہے۔

وفیات

قاضی سید غیاث الدین صاحب سابق وزیر حکومت بہار اشنٹراڈ مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چیرمین، ۸ رجون ۱۹۶۲ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ۔۔۔

ہندوستان کے مشہور عالم اور کمیونسٹ رہنما ڈاکٹر کے۔ ایم اشرف ۷ رجون کو برلن میں حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ اناللہ۔۔۔

ڈاکٹر محمود الٰہی

دیا شنکر نسیم

اُردو زبان و ادب کے ان معماروں میں پنڈت دیا شنکر نسیم کا نام سرِفہرست آتا ہے جنھوں نے اُردو کو ہماری مشترکہ تہذیب کی نمائندہ زبان بنانے میں زیادہ سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔ انھوں نے اس دنیا میں صرف ۳۲ سال گزارے۔ لیکن انھوں نے "مثنوی گلزارِ نسیم" جیسا ادبی شاہکار پیش کر کے اپنے آپ کو زندۂ جاوید بنا لیا۔

دیا شنکر نسیم ۱۸۱۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ رواج کے مطابق فارسی کی تعلیم حاصل کی اور شعرا کے کلام کا عمیق مطالعہ کیا۔ کم عمری ہی میں شعر و شاعری کی طرف مائل ہو گئے اور آتش جیسے مایۂ ناز شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

انھوں نے شاعری کو نہ تو ذریعۂ عزت بنایا اور نہ ذریعۂ معاش۔ شاہی فوج میں وکیل کی حیثیت سے منسلک ہو گئے اور آخر عمر تک اپنے فرائض تندہی اور محنت سے انجام دیتے رہے۔ یوں تو "مثنوی گلزارِ نسیم" کی تکمیل انھوں نے تقریباً ۲۵ سال کی عمر میں کر لی تھی، لیکن اس کی اشاعت کی نوبت تکمیل کے چار پانچ سال بعد آئی۔ ابھی وہ اپنی اس غیر فانی ادبی تخلیق کی داد اچھی طرح نہ پا سکے تھے کہ ۱۸۴۳ء میں ہیضے سے انتقال کر گئے۔

نسیم کو حقیقی شہرت اس وقت ملی جب ان کی مثنوی شعر و ادب کے دوسرے مرکزوں میں پہنچی، علمائے فن نے ہر قسم کی عصبیت سے بلند ہو کر اس کی داد دی۔ نسیم کی شاعری ہر دور میں موضوعِ بحث بنی، اور اس کی شہرت کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب موجودہ صدی کے اوائل میں اس مثنوی نے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس سلسلے میں معرکۂ شرر و چکبست کا نام لے لینا ہی کافی ہے۔ اس معرکے میں کیا نہیں ہوا۔ دلوں کی جمی ہوئی سیاہی قلم سے نکلی اور بُری طرح نکلی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ معرکۂ شرر و چکبست نے دیا شنکر نسیم کی شاعرانہ عظمت کا رنگ اور بھی چوکھا کر دیا۔ دیا شنکر نسیم کا وہ دور تھا جب کہ اردو شاعری کی مرکزیت لکھنؤ کو حاصل ہو چکی تھی اور شاعری کے ایک مستند دبستان کی حیثیت سے اس کی شہرت [illegible]

دہلی کو بھی متاثر کر دیا تھا۔ لکھنؤ میں شاعری کا معیار اور مقصد کچھ اور قرار پایا۔ یہاں صرف اس کا خیال نہیں کیا جاتا تھا کہ بات دل سے نکلے اور دل میں اتر جائے، بلکہ یہاں ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا۔ یہاں شاعری اظہار فضل و کمال کا دوسرا نام تھا یا لفظی صنعت گری، تشبیہ، استعارہ، نازک خیالی اور مضمون آفرینی کا زور شور تھا۔ یہاں الفاظ کی شان و شوکت کے آگے نفسِ مضمون کی اہمیت نہ تھی۔ یہاں سیدھی بات کو گھما پھرا کر کہنا ہی ایک فن تھا۔ شاعری میں تخیل کو جان و ایمان کی حیثیت حاصل ہے مگر جب تخیل بے لگام ہوتا ہے تو ایک نقاد کے الفاظ میں کارگہ شیشہ گراں میں پیل بے زنجیر کا عمل ہونے لگتا ہے۔ دبستانِ لکھنؤ میں تخیل نے اکثر یہی کیا ہے۔ یہاں تخیل پر قوت ممیزہ کی پابندی بہت کم تھی جس کے نتیجے میں مبالغہ، غلو اور اغراق کی حدود میں پہنچ جاتا تھا۔ یہاں "نسترن کی شاخ" جیسی سنگلاخ زمینوں میں شعر کہے جاتے تھے اور شاعر وہی سمجھا جاتا تھا جو ان زمینوں کو پانی کر کے رکھ دے۔ شاعری کا یہ انداز غلط سہی لیکن یہ بھی ایک انداز اور دل کو کھینچ لینے والا انداز۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے شعر و ادب کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب یہی باتیں معیار فن تھیں اور ان سے جو الگ ہو جاتا تھا اسے فن کار تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔

دیا شنکر نسیم نے اپنے زمانے کے اس معیار شاعری کو پیش نظر رکھ کر "مثنوی گلزار نسیم" لکھی اور اپنے زورِ کمال سے یہ ثابت کر دیا کہ جن صلاحیتوں کا مظاہرہ غزل یا مرثیے میں کیا جاتا تھا مثنوی کی لامحدود فضا بھی ان کے لئے سازگار ہو سکتی ہے۔ مثنوی جب افسانے کا پیکر اختیار کرتی ہے تو اسے پوری کائنات کو ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے۔ بہار و خزاں، سرد و گرم، رنج و طرب غرض اسے ہر کیفیت سے آشنا ہونا پڑتا ہے اور ہر ادا کی پذیرائی کرنی پڑتی ہے۔ "مثنوی گلزار نسیم" میں پرستان سے لے کر اس عالم خاکی کا کون سا ایسا جذبہ ہے جسے دیا شنکر نسیم کو اپنانا نہ پڑا ہو یا کون سی ایسی منزل ہے جہاں سے وہ گزرے نہ ہوں۔ لیکن ان کا کمالِ فن یہ ہے کہ کہیں بھی وہ معانی، بیان، اور بدیع کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جب وہ کسی کردار کے انتہائی نازک اور لطیف جذبہ کی ترجمانی کرتے ہیں تو اس وقت بھی وہ استعارہ اور کنایہ برت جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ جذبہ کی نزاکت اور اظہار کی برجستگی اور بے ساختگی پر حرف نہ آنے پائے۔

علم معانی میں ایجاز کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جنھیں بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے وہ کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کہ جاتے ہیں۔ نسیم اس منزل پر پہنچ کر اپنی بے پناہ قدرت بیان کا مظاہر کرتے ہیں اور ہر لفظ کو گنجینۂ معنی کا طلسم بنا دیتے ہیں۔ اگر ذیل کے اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو نسیم کے

زور بیان اور قدرت کلام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:۔

پوچھا کہ سبب، کہا کہ قسمت　　　پوچھا کہ طلب، کہا قناعت

اقرار میں تھی جو بے حیائی　　　شرمائی، لجائی، مسکرائی

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجئے　　　دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

صورت میں خیال رہ گئی وہ　　　ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

سچ بات تو یہ ہے کہ شبلی نے علم بلاغت کی تدوین کا جو خواب دیکھا تھا وہ جب شرمندۂ تعبیر ہوگا تو اس مثنوی کے بہت سے اشعار مثال میں پیش کئے جائیں گے۔

نسیم کی شہرت ان کی مثنوی کی وجہ سے ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ صرف مثنوی کے شاعر رہے ہوں۔ انھوں نے دوسری اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ مثنوی کے بعد اگر کبھی کسی دوسری صنف میں ان کا جوہر کھلتا ہے تو وہ غزل ہے۔ ان کی غزلیں بھی ان کے اپنے زمانے کے رنگ شاعری کا پرتو ہیں لیکن جب وہ اس رنگ سے الگ ہو کر کچھ کہتے ہیں تو تغزل اور شعریت سے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔ ثبوت میں ان کے یہ اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں:۔

بوئے گل غنچے سے کہتی ہے نسیم
بات نکلی منھ سے افسانہ چلا

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

ذلت ہے جو پھیلائے بشر پیش بشر ہاتھ
یارب نہ کبھی ہاتھ کا ہو دست نگر ہاتھ

کعبہ کہیں کنشت کہیں بت کدہ کہیں　　　تیرے لئے خراب ہوئے ہم کہاں کہاں

ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو!
پھر گل کہاں، بہار کہاں، آشیاں کہاں

جنوں کی چاک زنی نے اثر کیا داں بھی
جو خط میں حال لکھا تھا وہ خط کا حال ہوا

کس سوچ میں ہو نسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

(بشکریہ کتابی دنیا کراچی)

اظہار ملیح آبادی

خوش آمدید

جو آسودگی سے نگاہیں بچائے　　جو دل کے ہر اک زخم پر مسکرائے
جو ہنس ہنس کے پلکوں میں آنسو چھپائے　　جو شعلوں پہ اپنا نشیمن بنائے
وہ بزمِ محبت میں سو بار آئے

جو نظروں کی جادو بیانی کو سمجھے　　جو سوزِ غمِ شادمانی کو سمجھے
جو اک حادثہ زندگانی کو سمجھے　　جو تا زندگی کھوئے اور کچھ نہ پائے
وہ بزمِ محبت میں سو بار آئے

جو طوفاں کی موجوں کو ساحل بنا دے　　اجل کے ارادوں کو جو ڈگمگا دے
جو بزمِ جنوں میں خرد کو سُلا دے　　خرد کو سُلا کر جنوں کو جگا دے
وہ بزمِ محبت میں سو بار آئے

وفا کو جو اہلِ جفا سے نہ مانگے　　جو شعلے کو بادِ صبا سے نہ مانگے
جو اپنے لئے کچھ خدا سے نہ مانگے　　جو اپنی خودی کو نہ اتنا گرائے
وہ بزمِ محبت میں سو بار آئے

جو ہر دشت کو ایک جنت بنا دے　　جو ہر وہم کو اک حقیقت بنا دے
جو سارے جہاں کو محبت بنا دے　　اجل کو جو اپنے گلے سے لگا لے
وہ بزمِ محبت میں سو بار آئے

★

یہ نظم اظہار ملیح آبادی صاحب کے مجموعہ کلام "نئے ترانے" سے لی گئی ہے۔ "نئے ترانے" مکتبہ معیار کے پاس ایجنسی پر موجود ہے۔ صفحات ۱۹۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد
قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

رام لعل

سونا

سورج پچھم کی گھاٹی کے عین اُوپر کتنی دیر سے رُکا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے سوچ رہا ہو — ڈوبے یا نہ ڈوبے۔ ابراہیم دریا کے کنارے ایک اُونچے ٹیلے پر کتنی دیر سے بیٹھا اُسے دیکھ رہا تھا وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ یہ ڈوب جائے تو میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ ایک خیال آتا۔ یہ تو سورج ہے۔ یہ ڈوب جائے گا تو کوئی نرانش نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ کل پھر نکل آئے گا۔ لوگوں کو پھر روشنی دے گا۔ پھر گرمی پہنچائے گا۔ لیکن میں! میں ڈوب جاؤں گا تو پھر ابھروں گا بھی نہیں۔ سدا کے لئے ڈوب جاؤں گا۔ اگر اُبھرا بھی تو ایک سرد لاش کی طرح۔ دریا کی لہریں جدھر چاہیں گی لئے لئے پھریں گی اور کل جب سورج پھر نکلے گا، مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر کھل کھلا ہنس دے گا۔ جیسے کلیانی کی لاش دیکھ کر محلے کے کچھ لوگ ہنسے ہوں گے۔

کلیانی کی یاد آتے ہی اس کی گدلی غمزدہ آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ سوکھے مرجھائے ہوئے پھولوں پر شبنم کے قطرے چمکنے لگے۔ اس کا چہرہ مہینہ بھر کی اُگی ہوئی داڑھی سے بہت خوفناک ہو گیا تھا۔ وہ ویسے بھی ایسا خوبصورت نہیں تھا۔ لیکن جب شیو بنا لیتا تھا اور گھنگھریالے بالوں میں تیل لگا کر کنگھی کر لیتا تھا اور دھوتی کے اوپر دُھلی ہوئی صاف بشرٹ پہن کر کلیانی کے سامنے جاتا تھا تو وہ اسے دیر تک پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہتی تھی۔ اس وقت وہ اُسے پچکی ہوئی ناک یا چھوٹے قد کا طعنہ نہیں دیتی تھی۔ طعنہ بھی کہاں دیتی تھی۔ بس ذرا اسے چھیڑتی تھی اور جب وہ اُداس نظر آنے لگتا تو جھٹ اُس کا سر اپنی چھاتی کے ساتھ لگا لیتی تھی۔ اس کی آغوش میں سر چھپا کر وہ اپنی پچکی ہوئی ناک یا چھوٹے قد کا سارا دُکھ بالکل بھول جاتا تھا۔

ایک مہینہ پہلے وہ لکھنؤ کے ایک گنجان محلے کے ایک تنگ و تاریک مکان میں کلیانی کو اکیلا چھوڑ آیا تھا۔ کانی بورڈ ٹوٹ جانے کے بعد وہ اپنا کافی اور گرم مصالحوں کا چھوٹا سا کاروبار بھی جاری نہیں کر سکا تھا۔ وہ جنوبی ہند کے شہروں، مادورا، ملم، مولی چیم، رنگاپورم وغیرہ سے

اُدھار منگایا کرتا تھا۔ اُدھار نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔ کلیانی کے زیور اور کپڑے تک بک گئے تھے۔ مکان کا کرایہ ایک سال سے ادا نہیں کیا جا سکا تھا۔ وہ اُسی کافی ہاؤس میں بیرا بن کر بدقت کی روٹی پیدا کر لیتا۔ جسے کافی ہاؤس کے پرانے ملازم کوآپریٹیو طور پر چلا رہے تھے۔ لیکن دماغی توازن قائم نہ رہنے کی وجہ سے اِس ادنیٰ نوکری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ جس شخص نے اس کا ایک کمرہ حاصل کرنے کے لئے اس کے مالک مکان کو ایک سال کا کرایہ ادا کر دیا تھا۔ اس نے اسی سودے میں اس کی بیوی کلیانی کو بھی شامل کر لینا چاہا تھا یہ اس کی مصیبتوں اور ذلتوں کی آخری حد تھی جو اس قیمتی زندگی میں اچانک دیوار کی طرح دونوں کے سامنے اُبھر آئی تھی دونوں نے خودکشی کرنے کا ایک پیکٹ کر لیا تھا۔ دونوں نے زہر پینے سے پہلے ایک خط میں اپنی پوری کہانی لکھ دی تھی۔ کلیانی نے تو زہر پی لیا تھا لیکن وہ نہیں پی سکا تھا۔ وہ ایک عجیب سے خوف کا شکار ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا کلیانی کو چھوڑ کر وہ ابھی تک بھاگتا پھرتا تھا۔ شہر بہ شہر۔ کلیانی کی یاد نے اس کا پیچھا کہیں بھی نہیں چھوڑا تھا اور ابھی تک اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی آج وہ تھک ہار کر یہاں دریا کے کنارے بیٹھ گیا تھا۔

اس کی پشت پر میلوں تک پھیلا ہوا ویرانہ تھا۔ دریا کی ریت بھی کافی دور تک چلی گئی تھی اونچی نیچی دھرتی پر کہیں کہیں کم از کم اُونچائی کی جھاڑیاں اور درخت ابھی اُگے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے دور دور۔ جیسے وہ بھی سبرامنیم کی طرح ڈوبتے ہوئے سورج کی پیلی روشنی میں اداس بیٹھے ہوں، اپنی اپنی جگہ بیٹھے چپکے چپکے کچھ سوچ رہے ہوں، جینے اور مرنے کے مسئلے۔ لیکن یہ تو روز ہی مرتے اور جیتے ہیں۔ ہر روز رات کے عمیق اندھیرے میں ڈوبتے اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ پھر نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔

سبرامنیم نے ان کی طرف سے دھیان ہٹا لیا۔ اسے ان لوگوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ جو مر جانے کے بعد بھی جی سکتے ہیں۔ موت تو ایک ابدی سکوت کا نام ہے جس میں کوئی لہر نہیں اٹھتی۔ کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی آواز نہیں گونجتی۔ ایک طویل خاموشی کے بعد بھی طویل خاموشی۔ یہ جو ہر نئی صبح کو جی اٹھتے ہیں۔ طویل سکوت کی یاسیت سے گھبرا اٹھتے ہوں گے۔ لیکن اس جینے میں بھی کتنی یاسیت ہے، کتنا کرب ہے کتنی اذیت ہے۔

اس نے چند لمحے گھٹنوں میں سر دیئے رکھنے کے بعد سر اٹھا کر پھر سورج کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک اپنے مقام پر ٹنگا ہوا تھا۔ اور پھر اس کی نظر دریا کے پانی پر پڑی جس میں ایک جگہ سورج کا

سونا پگھل پگھل کر گھل رہا تھا۔ دھیرے دھیرے بہہ رہا تھا۔ تھوڑے سے وقت میں کتنا سارا سونا بہہ چکا تھا۔ لیکن ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ جیسے پانی کی سطح کے نیچے پگھلے ہوئے سونے کا کوئی چشمہ ہو۔

اچانک اسے دریا میں کوئی چیز بہتی ہوئی نظر آئی۔ ٹھیک اس جگہ سے نکل کر جہاں پگھلے ہوئے سونے کا چشمہ تھا۔ وہ جگہ بہت دور نہیں تھی۔ وہ اس پر نگاہ جما کر کھڑا ہو گیا۔ پانی کا بہاؤ اسی طرف تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا۔ پہلے وہ سونے کی گٹھری معلوم ہوئی پھر اس نے سرمئی رنگ اختیار کر لیا۔ چونکہ وہ لہروں کے دوش پر تھی اس لئے کبھی دکھنے لگتی کبھی سرمئی سیالوں میں ڈوب جاتی۔ لیکن وہ اس پر کئی منٹ تک نگاہ جمائے رکھنے کے بعد بھی یہ نہ جان سکا کہ وہ دراصل کون سی چیز ہے۔

جب وہ اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ سورج نے جلدی جلدی کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ مغرب میں دریا کے اس پار ایک سیاہ بادل پہاڑی بھالے کی نوک کی چوٹی کی طرح ابھر آیا تھا۔ جیسے وہ بھالا سورج کے سینے میں گھس جائے گا۔ لیکن سورج بھالے سے بچ کر اس کے عقب میں اتر رہا تھا۔

سبرانیم اس جگہ سے ہٹ کر دریا کے قریب جانے لگا۔ بہتی ہوئی گٹھری ایک موڑ پر ہچکولے کھانے کے لئے گھوم گئی جہاں سورج کی روشنی نہیں پڑ رہی تھی لیکن وہ کچھ ہی لمحوں کے بعد پھر اس کی نگاہ کی زد میں آ گئی۔

اس نے اپنی میلی شرٹ اتار ڈالی جس کی جیبوں کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے شرٹ کو ریت پر پھینکا۔ تو اس کی جیب کے کسی کونے میں پڑی ہوئی دیاسلائی بول اٹھی۔ لیکن اس کے پاس کوئی بیڑی نہیں تھی اس نے پچھلے چار روز سے بیڑی نہیں پی تھی دھوتی کو گھٹنوں تک اٹھا کر کمر کے گرد کس کر باندھ لیا اور پانی میں اتر گیا۔

گٹھری اس سے بہت دور نہیں تھی۔ ذرا آگے بڑھ کر وہ اس کے سامنے بازو پھیلا دے گا تو وہ سیدھی اس کی آغوش میں چلی آئے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

وہ جب کندھوں تک پانی میں ڈوبا ہوا بازو پھیلائے کھڑا تھا تب بھی اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی جھلک نہیں تھی وہ اسی طرح مرجھایا ہوا تھا۔ گٹھری اس کے قریب پہنچ رہی تھی لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں میں کسی امید کے دیئے روشن نہیں ہوئے تھے۔

وہ کوئی گول گول اور چوڑی سی چیز معلوم ہوتی تھی۔ کبھی ابھرتی کبھی ڈوب جاتی تھی لیکن اس کا ذرا سا حصہ پھر بھی باہر رہ جاتا تھا۔

گٹھری بالکل قریب پہنچ گئی تھی تو معلوم ہوا وہ عورت کی لاش ہے۔ اس کا سر اور نچلا

بھاگ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن وہ بالکل خوف زدہ نہیں ہوا۔ اس کے چہرے پر ایک حیرت ناک قسم
کی بے حسی تھی جیسے وہ روزانہ ہی اس قسم کے واقعات سے دوچار ہوتا ہو۔ لاش اس کے بازوؤں میں آکر
رُک گئی۔ عورت کے کھلے اور بھیگے ہوئے بال اس کے بازوؤں اور کندھوں سے چپکنے لگے۔ جھک کر پھر
الگ ہو جاتے تھے لہروں کے اچھلنے اور لاش کے ڈولنے سے پانی کے ننھے ننھے قطرے اس کی گھنی داڑھی
پر جا اٹکتے۔ پھر دھیرے دھیرے بالوں میں سے ہوتے ہوئے نیچے گر جاتے۔ سورج پچھم میں ڈوب چکا تھا۔ اُفق
پر ایک چھوٹی سی بدلی آگ میں جلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ لاش کو کنارے پر لے آیا۔ ریت پر لٹا دیا۔ عورت کے مُنہ، کانوں اور ناک کے نتھنوں سے
پانی کی نالیاں بہہ نکلیں۔ وہ مر چکی تھی اس کے منہ میں بہت سا پانی بھرا ہوا تھا۔ اس کا جسم گہرا نیلا پڑ گیا
ٹھنڈا جسم سونے کے زیورات سے لدا ہوا تھا۔ گلے میں، کانوں میں، ناک میں، کلائیوں میں سونا ہی سونا
تھا۔ کمر کے گرد ایک طلائی کمر بند نے ہی اُس کی دھوتی کو اتر جانے سے روک لیا تھا۔ اس قدر سونا
دیکھ کر کسی کا شادیٔ مرگ کا سامان بھی ہو سکتا ہے لیکن سبرامیم جو چند لمحے پہلے بالکل بے حس دکھائی
دیتا تھا اب گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اسے کلیانی یاد آرہی تھی۔ وہ کلیانی کی
لاش کو کمرے میں چھوڑ کر چلا آیا تھا نہ جانے کب دروازہ کھلا ہوگا اس کا جسم کس قدر گل سڑ گیا ہوگا۔ اُسے
پولیس والے ٹھیلے پر ڈال کر پوسٹ مارٹم کے لئے لے گئے ہوں گے۔ نہ جانے اس کی آخری رسوم بھی کس نے
ادا کی ہوں گی! کون جانے!

وہ بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر اپنے آپ چپ ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے تھوڑے تھوڑے
وقفے کے بعد بے اختیار سسکی نکل جاتی تھی۔ وہ بھیگی ہوئی آنکھوں سے آسمان کو گھورنے لگا۔ سورج کو
غروب ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اب ہر جگہ اندھیرا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی صرف تھوڑی ہی دور پر
بہنے والا دریا ہی ہولے ہولے سسکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف چلنے لگا۔ جہاں جہاں درخت تھے۔ جدھر جدھر جھاڑیاں تھیں
اس نے بہت سی لکڑیاں توڑیں شاخیں اور پتے جمع کئے انھیں دریا کے کنارے لے آیا اور ایک چتا تیار
کی۔ بڑی سی چتا۔ ایک پلنگ جیسی چتا۔ تکئے کی جگہ پر ایک ساتھ دو لکڑیاں رکھ دیں۔ پھر اس پر اس عورت کو
لٹا دیا سیدھا، جیسے کوئی کسی کو سوئی ہوئی حالت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے۔ اُس نے اُس
پر ایک ایک کر کے بچی کھچی لکڑیاں بھی رکھ دیں۔ جیسے اسے چادر اُڑھا دی ہو۔ پھر اس نے چتا میں آگ لگا دی
آگ آہستہ آہستہ بھڑک اٹھی۔ ایک ایک لکڑی تک پہنچ گئی آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا عورت کا جسم

صاف دکھائی دے رہا تھا۔ چتا کی آگ سے آس پاس کا اندھیرا حیرتناک طور پر بڑھ گیا۔ غور سے دیکھنے پر بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لگتا تھا دشال دھرتی کے سینے پر صرف اسی جگہ شعلے روشن ہیں آگ کی چڑ چڑی کی آواز میں لہروں کا ادا س نغمہ بھی کھو گیا وہ لہروں کو اندھیروں میں تلاش کرتا ہوا پھر دریا میں اتر گیا۔ دریا میں کھڑا ہو کر جلتی ہوئی چتا کو دیکھنے لگا۔ ہوا کے دباؤ سے بے رحم آتشیں زبانیں ادھر سے اُدھر لپک لپک جاتی تھیں اس وقت فضا میں نا معلوم سا نغمہ بھی اُبھرنے لگتا تھا۔ دھیما دھیما۔ جیسے کوئی بہت دور سے گاتا ہوا۔ بڑھتا چلا آرہا ہو۔ لیکن اُسے معلوم تھا وہاں اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔

وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹتا گیا۔ چتا سے دور ہوتا گیا۔ پانی کی گہرائی بڑھتی گئی اس کی نظریں اب بھی چتا پر جمی ہوئی تھیں جس کی حیثیت پورے کرۂ ارض پر ایک چنگاری سے بھی کمتر تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا۔ وہی ایک چنگاری سورج غروب ہو جانے کے بعد اندھیرے میں رہبر منزل کا کام بھی کر رہی ہے۔

اچانک اسے پانی میں چھپ چھپ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی جان بچانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔ اُس نے اپنے آس پاس غور سے دیکھا کہیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ لیکن وہ آواز لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی چلی آئی چھپ! چھپ! اس نے سانس روک لی۔

اچانک آگ کی روشنی میں اس نے ایک کشتی کو کنارے پر لگتے ہوئے دیکھا۔ اس میں سے چار آدمی اُترے وہ لوگ کنارے پر کھڑے ہو گئے کچھ دیر چتا کی طرف دیکھا۔ پھر ادھر اُدھر کسی ذی روح کے موجود ہونے کی اُمید میں دیکھنے لگے۔ سبرا نیم باہر نکل آیا۔ اس کے جسم اور دھوتی سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے انگلیوں سے اپنے چہرے کا پانی گرایا اور اُنھیں غور سے دیکھنے لگا۔ دو تو ملّاح تھے دو کوئی باحیثیت آدمی ان کے کپڑے اچھے اور اُجلے تھے۔ لیکن پانی پڑتے رہنے سے شکن آلود ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی پگڑیاں بھی سر سے اُتار کر بغلوں میں دبائی ہوئی تھیں وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پوچھنے لگے۔

"یہاں کوئی گاؤں واؤں قریب ہے؟"

"ہم یہاں رات ٹھہریں گے۔ صبح چلے جائیں گے۔"

ایک ملّاح نے اُسے بتایا "یہ اُتر کے سیٹھ ہیں جاترا کرنے آئے رہے۔ ساتھ میں ایک عورتیا بھی رہی۔ وہ کل سند ھیا نرورا گھاٹ پر ڈوب گئی۔ اس کے سر پر ہزاروں روپوں کا جیور تھا وت ہیں۔ تبھے ہم اسی کی دیکھا آج صبح سے کھوجتے کھوجتے بہت دور نکل گئے تھے۔"

زیورات کا نام سُن کر سبرانیم پہلی بار چونکا۔ کئی دنوں کے بعد پہلی بار وہ کچھ کھوں تک بیٹھوں

کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے چتا کے پاس جا کر جلتی ہوئی لاش کو غور سے دیکھا۔ پھر اس نے ریت پر گھوم کر ایک لکڑی تلاش کی جسے سیٹھوں کی طرف بڑھا کر بولا "تو جس کی عورت ہے وہ آکر اس کی کپال کریا کر لے۔"

ایک سیٹھ لپک کر اس کے پاس آیا "کیا یہ وہی عورت ہے؟" اس کا سنکار تم نے کیا، کیوں؟ لیکن اس کے جسم پر تو بہت سے زیور تھے وہ کہاں ہیں؟ بول وہ کہاں ہیں؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر جھٹکے دے رہا تھا۔

"سب کچھ آگ میں ہے۔" وہ فلاسفروں جیسے انداز میں معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتانے لگا لیکن سیٹھ کو اس کے اس طرح آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے پر اور بھی غصہ آگیا۔ اس نے اُسے اور بھی مضبوطی سے پکڑ کر پوچھا۔

"سچ سچ بتا! جھوٹ مت بولنا۔ ورنہ میں ——"

لیکن ایسا غصہ دیکھ کر بھی اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ نہ چھوٹی۔ سیٹھ اُسے چھوڑ کر ملاحوں کی طرف پلٹا۔ اور چلا چلا کر کہنے لگا "ارے جلدی سے آگ کو ٹھنڈا کرو، اسے بجھاؤ، اس میں سب کچھ جلا جا رہا ہے۔ جلدی کرو۔ میں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

سبرامنیم ایک طرف کمر کے پیچھے دونوں بازو باندھ کر کھڑا رہا مسکراتا ہوا انگلی لگا کر ان سب کو دیکھتا رہا جو ریت کی مٹھیاں بھر بھر کر چتا پر پھینک رہے تھے۔

(بشکریہ کامران، سرگودھا)

ایک چادر میلی سی

راجندر سنگھ بیدی

"ایک چادر میلی سی" بیدی کی نئی تصنیف ہے۔ جو ہر لحاظ سے ان کے کمالِ فن کی مظہر ہے۔ اس ناولٹ کا موضوع اور مواد بھی بیدی جی نے اپنی بعض بہتر کہانیوں کی طرح پنجاب کی دیہاتی زندگی سے لیا ہے۔ اس ناولٹ میں بھی ان کے فن کا حسن کہانی سے زیادہ کرداروں کی حقیقت پسندانہ تعبیر سے پیدا ہوا ہے۔ پنجاب کے گاؤں کی بظاہر سیدھی سادی زندگی میں جذبات کی کیسی ہلچل، کشمکش اور فراوانی ہے اس کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ غیظ و غضب، انتقام، نفرت، رقابت اور شہوانیت اور دوسری طرف محبت، ممتا، ایثار و ہمدردی اور انسانیت کے جذبات کی باہم کشمکش نے اس ناولٹ کو بہت ہی زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔

قیمت :- دو روپے [illegible] پیسے

شعرائے کہنہ

درد

(۱۷۲۰ء — ۱۷۸۵ء)

خواجہ میر نام، درد تخلص، جدِ امجد عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آئے تھے، والد ماجد خواجہ ناصر عندلیب ایک باکمال شاعر، ذی علم اور روشن ضمیر بزرگ تھے،

میر درد نے قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور اس میں کمال دستگاہ پیدا کی، درویشی کے ساتھ ساتھ شاعری اور موسیقی سے شغف اور درک ان کو ورثے میں ملا تھا۔

اٹھائیس برس کی عمر سے اپنی جاگیر اور دنیا کے دوسرے دھندوں اور دلچسپیوں سے الگ ہو کر فقر و عبادت میں مشغول رہنے لگے، والد کے انتقال کے بعد ۳۹ برس کے سن میں باقاعدہ طور پر ان کے سجادہ نشین قرار دیے گئے۔ دلی کا کوئی انقلاب، خوں ریزیوں کے واقعات یا لوٹ مار کا خوف ذرہ برابر ان کے عزم و ثبات، استقلال و استغنا میں فرق نہ لا سکا، ہر لحاظ سے مردِ درویش اور فقیر متوکل اللہ کہے جانے کے مستحق ہیں۔

تمام عمر نہ کسی امیر یا سلطان کے در پر قدم رکھا اور نہ ان کی خوشامد یا کسی کی ہجو سے زبان و قلم کو آلودہ کیا، معاصرین سے لے کر آج تک ہر مسلک و ملت کے لوگ ان کی بزرگی کا اعتراف اور ان کی شخصیت کا احترام کرتے آئے ہیں۔ فارسی اور اردو دیوان کے علاوہ مذہب اخلاقیات اور تصوف کے سلسلے کی سات کتابوں کے مصنف ہیں۔ "رسمی عشق بازی" میں کبھی گرفتار نہیں ہوئے۔ وقت کا زیادہ حصہ سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے میں صرف کیا، فرمائش یا ستائش کی خاطر کبھی شعر نہیں کہا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام تکلف اور تصنع سے پاک، سادگی و اثر کا مرقع اور حقیقتوں کا آئینہ دار ہے۔ اردو میں اتنی صاف، بے لوث اور صحیح معنوں میں

صوفیانہ شاعری میر درد کے علاوہ اور کسی نے نہیں کی۔

انتخاب

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھکو داغوں نے سروِ چراغاں کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

ہوگیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے ہی کرم کا

آشیانے میں دردؔ بلبل کے آتشِ گل سے آج پھول پڑا

کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو، پر کیا حاصل ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز
موڑ لو منھ نہ ابھی سوزنِ مژگاں ہم سے ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز
اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی اے کنجِ قفس ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پہ بندے سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دل

بعد فنا مندِ سالا بطریق قدما دردؔ چوں نقشِ قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو   دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول   منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ   گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
ہم گلشنِ دوراں میں اے خستگیٔ طالع   سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ
بد خواہ سبھی عالم، گو ہو دے تو مہو لیکن   یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گزرِ پروانہ   تم نے کیا قہر کیا! بال و پرِ پروانہ
شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے   پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ
ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے   راہ رو، رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

کون وہ بے سر و ساماں ہے کہ یارب جز اشک   جس کی خاطر کبھی برسات نہ ہونے پائی

تہمتِ چند اپنے ذمّے دھر چلے   جس لئے آئے تھے ہم سو کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست   زخم کتنوں کے سنا ہے بھر چلے

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے   بے طرح کچھ اِن آنسوؤں نے پاؤں نکالے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیوں کہ بچا دے   دل زلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چُرا لے
پھر آنکے قیامت ہے اگر اب بھی نہ آؤ   مر مٹ کے جدائی کے دن اتنے تو جیتا لے

ہمیں افسوس ہے کہ کتاب نما کے گزشتہ شمارے میں کتابت کی غلطی کی وجہ سے مرزا محمد رفیع سودا کا سنہ وفات بجائے [illegible] کے [illegible] لکھا گیا۔ قارئین اس غلطی کو درست فرمالیں۔

روسی مطبوعات

(جو اب اسٹاک میں موجود ہیں)

بڑوں کے لئے

کتاب		مصنف					
انسان کی پیدائش	(۳ طویل کہانیاں)	میکسم گورکی	صفحات	۱۷۶	غیر مجلد	قیمت	۱/۱۲
اطالوی کہانیاں	(۲۷ کہانیاں)	〃	〃	۳۶۸	مجلد	〃	۱/۶۹
اندھیرا اُجالا	(ناول)	سلچال توکا	〃	۲۸۰		〃	-/۶۲
اسنیگوتیس کا ہوٹل	(۳ کہانیاں)	ماتوسے تیولیوف	〃	۲۳۸	غیر مجلد	〃	-/۵۰
ایوان سیلکن کی کہانیاں	(۶ 〃)	پشکن	〃	۱۴۸	مجلد	〃	۱/۱۲
بستی کا پہلا بچہ	(۳ 〃)	یلینا اسپنسکایا	〃	۱۲۰	غیر مجلد	〃	-/۱۹
بےچارے لوگ	(ناول)	دستوئیفسکی	〃	۲۴۲	مجلد	〃	۱/۳۷
بڑی اور چھوٹی کہانیاں	(۴۱ کہانیاں)	چیخوف	〃	۵۳۰	مجلد	〃	۲/۵۰
پائپ	(۳ 〃)	یوری ناگبین	〃	۲۰۸	غیر مجلد	〃	-/۵۰
تاراس بلبا	(ناول)	نکولائی گوگول	〃	۲۴۲		〃	۱/۱۲
تعلیم و تربیت کے مسائل	(تعلیم سے متعلق)	کروپسکایا	〃	۳۰۰	مجلد	〃	-/۹۴
تین سال	(ناول)	چیخوف	〃	۲۵۸	〃	〃	-/۹۴
جیلے	(〃)	شرف رشیدوف	〃	۳۵۶	غیر مجلد	〃	-/۹۴
جھونکے بہار کے	(۴ طویل کہانیاں)	ترگنیف	〃	۴۷۴	مجلد	〃	۲/۱۹
جمیلہ	(ناول)	چنگیز آئتماتوف	〃	۱۳۲	غیر مجلد	〃	-/۳۱
چراغ جلتا رہا	(〃)	بورس پولیوائے	〃	۵۵۸	مجلد	〃	۳/۶۲
حکمی بیگم	(〃)	پشکن	〃	۱۰۸	غیر مجلد	〃	-/۳۱
دار و رسن کی آزمائش	(〃)	نکولائی آستراوسکی	〃	۷۱۸	مجلد	〃	۳/-
داماد	(ناول)	فیدریاکوف	〃	۲۳۲		〃	-/۵۶
دوبرودسکی	(〃)	پشکن	〃	۱۲۸	مجلد	〃	۱/۳۱

دشمن (۳ ایکٹ ڈراما) میکسم گورکی صفحات ۲۱۰ غیر مجلد -/۳۷

رودین (ناول) ترگنیف " ۳۱۰ مجلد ۲/۱۲

سورج کا خزانہ (۳ کہانیاں) میخائل پریشوین " ۱۴۸ غیر مجلد -/۴۴

کپتان کی بیٹی (ناول) پشکن " ۲۶۴ مجلد ۳/۱۲

کزاک (ناول) ٹالسٹائی " ۲۷۸ " ۱/۵۶

میکسم گورکی کا بچپن (") میکسم گورکی " ۳۵۴ " ۱/۵۰

" " کے ڈرامے (ڈرامے) " " ۵۸۶ " ۳/-

" " زندگی کی شاہراہ پر (سوانح) " " ۵۷۴ " ۲/۶۲

" " منزل کی تلاش (آپ بیتی) " " ۲۴۶ " ۱/۳۷

" " ماں (ناول) " " ۵۸۸ " ۲/۵۶

مومو (") ترگنیف " ۸۰ غیر مجلد -/۳۱

وقت کی اڑان (۸ کہانیاں) پوستووسکی " ۱۷۶ " -/۳۷

بڑے بچوں کے لئے

اتفاقی ملاقاتیں (۱۰ کہانیاں) وتیالی بیانکی صفحات ۱۹۰ مجلد ۱/۱۹

پیراکی کا استاد (کہانیاں) یوری سوتنک " ۱۴۲ " -/۸۷

تیمور کی ٹولی (") ارکادی گیدار " ۱۱۶ غیر مجلد -/۴۴

چڑیا گھر کے ننھے باسی (کہانیاں) ویراچاپلینا " ۲۵۰ مجلد ۱/۵۰

دنیا مالیف کی کہانی (") نکولائی نوسوف " ۲۶۲ " ۱/۱۹

ہنستا کھیلتا کنبہ (") نوسوف " ۹۰ غیر مجلد -/۷۵

چھوٹے بچوں کے لئے رنگ برنگی تصویروں والی کتابیں:

بیشکا -/۳۱

دو کہانیاں -/۳۱

دستانہ -/۲۵

روسی اور کشتی -/۲۹

مونچھوں والی بلی -/۲۱

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
دنیا کے بسنے والے (معلومات نیا ایڈیشن)	سید بشیر حسین زیدی	۵/۷۵	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی
زمین و خلا کی کھوج (سائنس)	ایم۔ ایم۔ بیگ	۲/۰	انڈین اکیڈمی، نئی دہلی
علامات قرأت	سر سید مرحوم	۰/۵۰	آزاد کتاب گھر، دہلی
عما (ناول)	احسن صدیقی	۲/۷۵	شہزاد بک ڈپو دہلی
کلام لق لق (نظموں کا مجموعہ)	حاجی لق لق	۲/۵۰	ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس دہلی
بارہ امام (سوانح و تذکرہ)	مسلم احمد ایم۔ اے	۰/۲۰	کتب خانہ نذیریہ، دہلی
دو نبی (" ")	" " "	۰/۲۰	" " "
ابراہیم علیہ السلام (" ")	" " "	۰/۲۰	" " "
عشرہ مبشرہ اول دوم (" ")	" " "	۰/۴۰	" " "
اہل جفا (ناول)	دت بھارتی	۲/۵۰	پنجابی پستک بھنڈار، دہلی
سسکتے ساز (")	گلشن نندہ	۲/۰	" " "
انتقام (")	عادل رشید	۴/۰	" " "
ساحر اور اس کی شاعری	ساحر لدھیانوی	۱/۰	" " "
میرا کلام منتخب	نرلیش کمار شاد	۱/۰	" " "
کہکشاں	جگن ناتھ آزاد	۱/۰	" " "
دیوی (کہانیاں)	دت بھارتی	۱/۰	" " "
ڈاکٹر سلازار (ناول)	اکرم الہ آبادی	۱/۰	" " "
بے گناہ (")	بدنام رفیعی	۱/۰	" " "
نمائش (")	عادل رشید	۱/۰	" " "
پہلا سال (")	یگیہ دت شرما	۱/۰	" " "

کتاب		مصنف	قیمت	ناشر
گورا	(ناول)	ٹیگور	۱/-	پنجابی پستک بھنڈار۔ دہلی ۶
بگولے	(")	جگناداس اختر	۱/-	" " "
خدا کی بستی	(")	شوکت صدیقی	۳/-	کتابی دنیا، لکھنؤ
بت کافر	(")	عارف مارہروی	۴/-	" " "
الشاہد	(فضائل رسولؐ)	عبدالمنان اعظمی	۱/-	مکتبۂ لطیفیہ، براؤں شریف (ضلع بستی)
ہدایت الاسلام	(عقائد اسلامی اور طہارت و نماز کے مسائل)		۱/۱۲	" " "
معارف القرآن		مولانا جلال الدین	-/۵۰	" " "
عروس الادب اردو	(قواعد)	نورالدین گورکھپوری	-/۷۵	" " "
بہارستان	(مجموعۂ کلام)	مولانا نسیم بستوی	۱/-	" " "
گل کدۂ فردوس	(نعتیہ کلام)	" "	-/۳۷	" " "
گلدستۂ مثنوی اول	(مثنوی مولانا روم کا ترجمہ)		-/۵۰	" " "
تیسیر القرآن		خدیجہ بنت سیدنا طاہر سیف الدین	-/۵۰	ادارۃ الثقافۃ العلیۃ۔ بمبئی
حضرت امیر خسروؔ اور ان کا اردو کلام	(سوانح و کلام)	مفتی انتظام اللہ شہابی و درد کاکوروی	۱/۵۰	ملنے کا پتہ: مشتاق بکڈپو، نزد اردو کالج، شلٹن روڈ کراچی
تذکرہ صوفیائے پنجاب	(تذکرہ)	اعجاز الحق قدوسی	۱۲/۵۰	" " "
لسانی مسائل	(لسانیات)	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۶/-	" " "
مجاہد اندلس	(ناول)	مولانا زکریا مائل	۵/-	" " "
سلطانی محلوں کے راز		جمال پاشا الغزی، ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی	۳/۷۵	میری لائبریری۔ چوک مینار۔ لاہور
زندگی کے موڑ پر		۴۰ سچی آپ بیتیاں	۲/۲۵	" " "
حلال و حرام	(قرآن کی روشنی میں) طبع جدید	عطاء اللہ بٹالوی	۲/۲۵	" " "

زیر طبع کتابیں

ابو خاں کی بکری اور ۱۲ اور کہانیاں (بچوں کے لئے) ڈاکٹر ذاکر حسین — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

آشفتہ بیانی میری (ترمیم و اضافہ کے بعد نیا ایڈیشن) پروفیسر رشید احمد صدیقی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

سرکارِ دو عالم (سیرتِ رسولؐ) محمد حسین حسان " " " "

عمر خیام (سوانح بچوں کے لئے) کتابستان بمبئی

منہاج القرآن خدیجہ بنت سیدنا طاہر سیف الدین ادارۃ الثقافۃ العلمیہ، بمبئی

لسان القرآن " " " " " "

انتخاب کلام رسا مرتبہ جنید احمد ‎-/۷۰ گیتا بھون۔ بی بلاک۔ وارڈن روڈ۔ بمبئی ۲۶

فیض الادب اوّل (طبع ثانی) مولانا بدر الدین گورکھپوری ‎-/۵۰ مکتبہ لطیفیہ براؤن شریف (بستی)

فیض المنطق اردو (" ") " " " ‎-/۵۰ " " "

نورِ شریعت (مسائل) " " " ‎-/۵۰ " " "

گلدستہ مثنوی حصہ دوم (مثنوی مولانا رومی کا ترجمہ) ‎-/۵۰ " " "

جامِ گل (نعتوں کا مجموعہ) بیکل بلرام پوری ‎-/۵۰ " " "

روپ متی فیاض حسین ‎-/۳ میری لائبریری۔ چوک نیلا۔ لاہور

روزمرہ نفسیات پروفیسر اکرم طاہر ۲/۲۵ " " "

شادی اور کامیابی یوسی تیس چیر ترجمہ جاوید شاہین ۲/۲۵ " " "

جائزے

تین ہندوستانی زبانیں

از:- ڈاکٹر کے۔ ایس۔ بیدی

صفحات:- ۲۸۸، سائز:- ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت:- پانچ روپے

ناشر:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ملا

زبانوں کی تاریخ، تشکیل اور ان کے ارتقا پر الگ الگ بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر بیدی اور ان کی یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد اور مختلف ہے کہ اس میں زبانوں کا باہمی مقابلہ یا موازنہ کرکے کسی زبان کو گھٹانے یا بڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے بلکہ تاریخ اور ارتقاء کی منزلوں کو سامنے رکھ کر ان کا ایک دوسرے سے تعلق ثابت کیا گیا ہے اور مماثلت کے پہلو واضح کئے گئے ہیں۔

دیباچے ہی میں لکھنے والے نے بڑی صفائی اور صراحت کے ساتھ یہ بات لکھ دی ہے کہ "زبانوں کی تشکیل میں ایک طبقے کے تعلقات دوسرے طبقے کے ساتھ، ایک فرد کے دوسرے فرد کے ساتھ **انسانیت** پر مبنی تھے!"

انسانیت کے مفہوم اور اسی نکتے کو آج کل بہت سے مصنف، معلم اور خاص کر اہل سیاست دانستہ طور پر فراموش کر چکے ہیں۔

پوری کتاب پانچ بڑے ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب میں زبان کی ابتدا اور ارتقا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے [illegible] کے بعد اردو اور ہندی" کو الگ الگ لے کر متعدد عنوانوں کے تحت ان زبانوں کی بنیاد، ساخت ان کی ارتقائی منزلیں مع اسباب و علل اور پھر انھیں زبانوں کے بنانے سنوارنے والوں کی خدمات اور کوششوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ پھر ہندوستانی زبانوں کے باہم لسانی رشتوں کو معتبر دلیلوں اور عام فہم مثالوں کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ سب کے آخر میں

فارسی، ترکی، عربی، سنسکرت، انگریزی اور دوسری مقامی بولیوں کے ان لفظوں کی ایک مبسوط فہرست دی گئی ہے جو اس وقت کم و بیش ہر ہندوستانی زبان میں شامل ہو گئے ہیں اور سب لوگ ان کو بے تکلفی سے بولتے اور آسانی سے سمجھتے ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ بیدی صاحب نے زبانوں کی تاریخ اور ان کے ارتقا کے اسباب و وجوہ قلم بند کرنے میں ادبی دیانت اور وسیع النظری کو کہیں بھی قلم کی گرفت سے باہر نہیں جانے دیا ہے یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو انسانیت کے مفہوم سے آگاہ ہو، جس کی نیت صاف اور جس کا ذہن لسانی عصبیت سے پاک ہو۔

اردو زبان کے باب میں "عرضداشت" کے عنوان سے جو کچھ انھوں نے لکھا ہے کاش اس کو وہ لوگ پڑھ لیتے جو اردو کو مٹانے کے درپے اور اس کو دیس نکالا دینے کے لئے مصر اور کوشاں ہیں۔

تعلیم کے ذمے داروں اور ریک جہتی کے خواہش مندوں کو چاہئے کہ وہ ایسی کتابیں اسکول اور کالجوں میں رائج کریں۔

کتاب کی تمام خوبیوں کے اعتراف کے بعد یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اس کی قیمت زیادہ ہے۔

رشید نعمانی

★

ثریٰ و ثریا

از :- نواز جعفری
صفحات :- ۱۹۲، سائز :- $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ مجلد
قیمت :- چار روپے
ملنے کا پتہ :- نواز جعفری خاں - ۲۳۶ - ۲۱ ریپن روڈ - بمبئی ۳

نواز جعفری کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

کسی رات تو چین کی نیند آتی
مقدر جو اپنا بھی بیدار ہوتا

اور رکھا ہی کیا ہے دنیا میں
بس غنیمت ہیں پیار کی باتیں

ملنے کا آنا ملن کی سمجھے نواز
دو ہی دن میں کیا یہ صورت ہو گئی

کروٹیں بدلیں، ستارے گن لئے — مختصر سی ہے کہانی رات کی

اس صاف ستھری زبان میں شعر کہنے والا بمبئی میں رہتا ہے اور وطن پنجاب ہے۔ البتہ شرفِ تلمذ حضرت آرزو لکھنوی سے ہے۔ یوں تو ان کے مجموعۂ کلام ثریا و ثریا میں غزلوں کے علاوہ نظمیں، قطعات اور رباعیاں بھی شامل ہیں۔ لیکن نواز جعفری فی الحقیقت غزل گو ہیں۔ اُن کی غزلیں اپنے پہلے کے لکھنؤ اسکول کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنے فطری ذوقِ شعری کو اساتذہ کے کلام کی ورق گردانی کرکے نکھارا ہے اور شعوری طور پر فن کے قواعد کی پابندی کا بڑا التزام کیا ہے۔ اُن کے یہاں دورِ حاضر کی غزل کا آہنگ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں رعایت لفظی، معاملہ بندی اور خیال آفرینی کے نگینے جڑے ہیں۔

نواز صاحب نے اپنے مجموعۂ کلام کا جس قدر ثقیل نام پسند فرمایا ہے، اُن کی شاعری کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے اشعار کو ذرا سختی سے چھانتے اور ایک انتخاب پیش فرماتے تو اچھا ہوتا۔ ان کے بعض اشعار بڑے مشہور اشعار کی مسخ شدہ شکل ہو کر رہ گئے ہیں۔ مثلاً

ترے وعدے پہ یقین ہے کہ جو زندہ ہوں اب تک
ترے وعدے پہ جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
(غالب)

میں کبھی کا مر نہ جاتا جو اعتبار ہوتا

غضب ہے باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو
باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے
(ثاقب لکھنوی)

ہوا دینے لگے دَم ساز میرے اپنے دامن سے

بے جھجک پھاندا پڑا آگ میں دیوانۂ عشق
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
(اقبال)

اتنا با حوصلہ کوئی نہ تھا فرزانوں میں

مزید براں خراب کتابت نے کچھ اور بُرا اثر ڈالا ہے۔ تاہم اس مجموعے میں ایک خاص مذاق کے حضرات کے لئے کافی دل بستگی کا سامان موجود ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

★

ٹھنڈی بجلیاں

از :- بھارت چند کھنہ
صفحات :- ۱۲۸ سائز :- ۳۰×۲۰/۱۶ مجلد
قیمت :- دو روپے
ناشر :- سب رس کتاب گھر، ایوان اردو،
خیرت آباد۔ حیدرآباد ۴

طنز و مزاح کو اپنا موضوع بنانا درحقیقت بڑے جوکھم کا کام ہے۔ ذرا سی لغزش سے طنز، ہجو کی شکل اختیار کر کے تکلیف دہ اور مزاح پھکڑپن بن جاتا ہے۔

اصل میں احساسِ برتری، مایوسی اور مجبوری کا ایک پیچیدہ جذبہ، طنز کا محرک ہوتا ہے اس کے مقابلے پر ظرافت و مزاح کی محرک وہ گدگدی ہوتی ہے جو سماجی، سیاسی، انفرادی اور جماعتی، غرض ہر طرح کے بھونڈے پن کو دیکھ کر ادیب یا فن کار میں اٹھتی ہے، وہ اس سے خود لطف لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے بھی اس لطف میں اس کے شریک ہوں۔

بھارت چند کھنہ صاحب کے ان مضامین کو میں مزاحیہ مضامین میں شمار کرنا زیادہ پسند کروں گا ان کے یہاں دل آزاری کی کیفیت نہیں ہے۔ زندگی کے وہ چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں جو اگر نہ ہوں تو زندگی اجیرن ہو جائے۔ شگفتہ اندازِ بیان اور دلچسپ موضوعات نے کتاب کو اور زیادہ قابلِ توجہ بنا دیا ہے۔

کھنہ صاحب، بقول محی الدین قادری صاحب زورؔ، کرکٹ کے اچھے کھلاڑی ہیں۔ ان کی تحریروں اور ان کے انتخاب موضوعات میں، کھلاڑی کی شوخی، زندہ دلی، اور جرأتِ رندانہ کی کارفرمائی بڑی نمایاں ہے۔ حیدرآباد کی تعلیم اور وہاں کے قیام نے اپنی چھاپ بھی ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ کھلاڑی کی یہ شان متعدد جگہوں پر "حیدرآبادی" "شرمیلے پن" اور "ثقافتی رچاؤ" میں نظر آجاتی ہے۔ اور کھنہ صاحب بسا اوقات ایک ناصح اور مبلغ اخلاق کی طرح سامنے آتے ہیں۔ مزاحیہ مضامین میں یہ لب و لہجہ آج نامانوس سا لگتا ہے۔

کتابت اور طباعت کی طرف دھیان کم دیا گیا ہے۔ گیٹ اپ بھی اور زیادہ اچھا ہوتا تو بہتر تھا۔

مسعود الحق

برگ سبز

از:- بانو طاہرہ سعید
صفحات:- ۱۶۸ سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت:- دو روپے
ناشر:- مکتبہ سعدی - ۱۳۴ نیو بلڈنگس - اعظم آباد - حیدرآباد ۲۰

ایران، آگرہ، لکھنؤ اور حیدرآباد، ان مقامات کے نام ہی ستھرے اور نکھرے ہوئے ادبی ذوق کے ضامن ہیں۔ برگِ سبز کی شاعرہ بانو طاہرہ سعید صاحبہ کا تعلق ان تمام مقامات سے گہرا رہا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ شعر کہنے کی صلاحیت ان میں فطری سی ہے۔ اور یہی ماحول ہے جس نے ان کو "کسی استاد" کے مشورے اور اس کی اصلاح کا محتاج نہیں بنایا۔

احساس کی شدت نے ان کے کلام میں تاثر کا اضافہ کیا ہے، اور فطرت سے لگاؤ نے انھیں قدرت کے گوناگوں مظاہر سے لطف اٹھانے کی صلاحیت دی ہے۔ مجموعے کا نام اور موضوعات نظم سے ان کے اس لگاؤ کی غمازی کرتے ہیں۔ کتاب میں ڈوبا صحرا، بکھرے سپنے، اندھیرا، ڈلہوزی، کشش ایران وغیرہ میں عام طور پر مناظرِ قدرت کی عکاسی ہے۔ بہت سی غزلیں بھی ہیں، مگر ایرانی نژاد ہونے کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ بانو طاہر سعید صاحبہ کا رجحان غزل کی طرف نہیں نظم کی طرف زیادہ ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں روانی اور ترنم حفیظ کی نظموں کے مترنم نظموں کی یاد دلا دیتا ہے۔ ایک نظم "آندھرا پردیش" کے چند شعر دیکھئے ؎

یہ دل نشیں پہاڑیاں یہ سبز سبز کھیتیاں
یہ گنگناتی ندیاں مگن مگن رواں دواں
نظر فروز روز و شب فضائیں مست مدھ بھری
دلوں کو کھینچتی ہے اس کی ہر ادائے دلبری
عوام راگ و رنگ شعر و نقش کے ہیں قدرداں
کلا سے پیار زندگی کی اک امنگ ہے یہاں
ہے اہلِ دل کی انجمن یہ آندھرا کی سرزمیں
بہشتِ چشم و گوش دل صدآفریں ملک زمیں

نظموں کے عنوانات سے ان کی بیدار مغزی اور سماجی شعور کا پتہ چلتا ہے۔
"یاد دکن"، "آندھرا پردیش"، "بھارت کا سپاہی"، "اردو زبان"، "مسٹر بگ"

"میجر گنگا رن"۔ "پدمنی"۔ "سیتا"۔ "قلی قطب شاہ"۔ فقیر سے بادشاہ تک، زمین کے سپاہی سے آسمانوں کے فاتح تک سب ہی ان کی شاعری کا موضوع ہیں۔

بانو طاہرہ سعید دراصل نظم کی شاعرہ ہیں، مگر بعض غزلوں میں بھی برجستہ اشعار ملتے ہیں۔

راہ میں غار تھے صحرا تھے بیاباں تھے مگر
ہم بگولوں کی طرح رقص کناں آ ہی گئے

یا

زندگی سے نہ یوں فرار کرو　　　　غم دوراں کو ہم کنار کرو

کہتے ہیں کہ موصوفہ اردو، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ان سب زبانوں میں لکھتی ہیں، نثر بھی اور نظم بھی۔ ان زبانوں کے ساتھ ساتھ ان کی اردو شاعری میں ہندی الفاظ کا استعمال بھی بڑا مناسب اور خاصا خوبصورت ملتا ہے۔ جیسے

آکاش پہ دیپ ستاروں کے
دھرتی پہ پھول بہاروں کے
سبزے پہ شبنم کے موتی
ساون کی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی

یہ میرے بکھرے سپنے ہیں۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ موصوفہ کو حیدرآباد کی محدود ادبی محفلوں کے علاوہ ملک کے دوسرے سخن نواز حلقوں سے بھی متعارف کرائے گا۔ اور ان کی شاعرانہ حیثیت کو تسلیم کرانے میں معاون ہوگا۔

مسعود الحق

✶

اردو شاعری کا انتخاب

مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

اردو کے تمام قابلِ لحاظ شاعروں کے مختصر حالات اور ان کے منتخب کلام کا ایک حسین مجموعہ ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی کا شائع کردہ اردو شاعری کا یہ جامع انتخاب۔ اپنی عمدہ کتابت نفیس طباعت اور عمدہ جلد کی وجہ سے یقیناً اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

قیمت: سات روپے ۵۰ نئے پیسے

کچھ مذہبی کتابیں

جو مکتبہ جامعہ کے پاس ایجنسی پر موجود ہیں

اصل مالابدمنہ (اردو ترجمہ) مرتبہ مولوی نورالدین

اصل کتاب فارسی میں ہے یہ اس کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں متعدد مسائل مع دلائل درج ہیں۔ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے۔ قیمت :- ایک روپیہ

تعلیمات اسلام مرتبہ عبدالسلام قدوائی

اسلامی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر صاحب فکر و بصیرت واہلِ علم کے بہترین مضامین کا عمدہ انتخاب ان کتابوں میں جمع کر دیا گیا ہے۔

پہلی جلد (عقائد) میں مذہب کی ضرورت، عقل اور مذہب اور اسلامی عقائد سے متعلق ۲۰ مضامین ہیں۔ دوسری جلد میں عبادات و معاملات سے متعلق ۲۲ مضامین ہیں۔

یہ کتابیں بلاشبہ اس لائق ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے نصاب میں داخل کی جائیں

قیمت حصہ اول دو روپے حصہ دوم دو روپے ۲۵ نئے پیسے

خواتین مولانا اسلم جیراجپوری

اس تالیف میں ۳۳ مشہور اسلامی خواتین کی سوانح عمریاں اور ان کے مستند تاریخی حالات درج ہیں۔ قیمت:- چار روپے ۵۰ نئے پیسے

طلوع و غروب اور اسلام لطفی رضوانی

اس کتاب میں طلوع و غروب سے متعلق تمام اہم پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور سائنس

کی روشنی میں ایسے اصول مرتب کئے گئے ہیں جن کی مدد سے یہ جاننا نہایت آسان ہوگیا ہے کہ روزہ کس دن ہوگا یا عید کب ہوگی، سورج کب نکلے گا۔ اور غروب کب ہوگا وغیرہ وغیرہ
قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

عورت اور اسلامی تعلیم

مالک رام ایم۔اے

عورت کے باب میں اسلام اور تعلیماتِ اسلام پر غور کرنا آج کل بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک طرف عورت کی آزادی نامناسب حد تک بڑھ کر دنیا کے معاشرتی نظام کو درہم برہم کر رہی ہے تو دوسری طرف جنس لطیف کی ترقی و اصلاح کے حامی یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ عورت کے سر پر سب سے بڑا احسان کرنے والے وہی ہیں۔ مالک رام صاحب کی یہ کتاب اس خیال کی تردید ہے۔
قیمت :- تین روپے

عثمان

ڈاکٹر طٰہٰ حسین — مترجمہ عبدالحمید نعمانی

اس کتاب کے لکھنے والے مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین ہیں۔ ان کی یہ کتاب تاریخ کے نقطۂ نگاہ سے اسلامی تاریخ کے سب سے پیچیدہ اور نازک عہد کی تحقیق اور تنقید ہے۔
قیمت :- پانچ روپے ۵۰ نئے پیسے

غریب القرآن فی لغات القرآن

مولفہ میرزا ابوالفضل

قرآن مجید میں اکثر الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی عام فہم نہیں یا لوگوں نے ان کے معنی غلط سمجھ رکھے ہیں۔ ایسے ہی الفاظ کے معنوں کے لئے اس کتاب میں قرآن پاک کے بیشتر الفاظ کا ردیف وار سلیس اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے
۲۰×۳۰/۸ سائز، ۴۴۴ صفحات، عمدہ جلد، قیمت صرف اٹھارہ روپے

نکات القرآن

مولانا اسلم جیراجپوری

اس کتاب میں قرآن مجید کے سینکڑوں نکتے بطور سوال و جواب لکھے گئے ہیں سوالات بھی قرآن سے لئے گئے ہیں اور جوابات بھی قرآن سے دیئے گئے ہیں۔
قیمت: دو روپے

مرتبہ ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

ہندوستان میں خلابازی کا پہلا اسٹیشن

پروفیسر ہمایوں کبیر مرکزی وزیر برائے سائنسی تحقیق و ثقافتی امور نے ۱۲ جون کو مینی تال میں ہندوستان کے پہلے فضائی رابطہ کے اسٹیشن یو، پی اسٹیٹ آبزرویٹری کا افتتاح کیا۔ یہ فضائی آبزرویٹری (رصدگاہ) تمام دنیا میں قائم شدہ ۱۲ مصنوعی فضائی رابطہ کے مراکز میں سے ایک ہے۔ یہ ہندوستان کی واحد فضائی رابطہ کی آبزرویٹری ہے۔ رصدگاہ سیاروں پر سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں مفید کام کر رہی ہے۔ اب اس کے پاس مصنوعی سیاروں کے راستوں کا مشاہدہ کرنے اور چاند کی تصویر کشی کے لئے مخصوص کیمرے موجود ہیں۔

مشینی دماغ کا استعمال

حساب داں مشینیں صرف لمبے لمبے جوڑ، باقی، ضرب اور تقسیم کے لئے استعمال نہیں ہوتیں۔ اب وہ نہایت پیچیدہ قسم کے سوالات حل کرتی ہیں۔ ریگا کے ریاضی دانوں نے مشینی دماغ کی مدد سے پالیسی کارخانوں اور تحقیقی اداروں کے لئے حال ہی میں کوئی ڈیڑھ سو مشکل سوالات حل کئے ہیں۔ اگر یہ محض انسانی کاوش کے ذریعے حل کئے جاتے تو ایک مدت طویل درکار ہوتی، اور غلطیوں کا احتمال رہتا۔

تعمیرات کے کام میں ہمیشہ ایک مشکل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ آہن بستہ کنکریٹ اور دھات کی قوت برداشت معلوم کی جائے۔ اس کے لئے طول طویل حساب کتاب کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ استعمال ہونے والی اشیاء کی قوت کی باہمی نسبت بھی درست کرنی پڑتی ہے۔ حساب داں مرکز کے ڈائرکٹر آرن کا خیال ہے کہ وہ مشینی دماغ کی مدد سے دو تین سو ڈزائن میں سے سب سے بہتر ڈزاین منتخب کرالیں گے اور اس سے لاکھوں روبل کی بچت ہوا کرے گی۔

اقوام متحدہ کے نئے ٹکٹ

سب سے پہلے ۱۹۵۱ء کو یوم اقوام متحدہ کے موقع پر ادارے نے ڈاک کا پہلا ٹکٹ شائع کیا یہ ٹکٹ گذشتہ دس برسوں سے استعمال میں ہے۔ اب اقوام متحدہ کے ڈاک کی مجلس انتظامیہ نے

یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس طویل مدت کے ٹکٹ کا ڈیزائن بدل دیا جائے۔ اس نئی قسم کا پہلا ٹکٹ اسی ماہ جاری ہوگا۔ اس نئے ٹکٹ پر پس منظر میں اقوام متحدہ کا رنگوں والا مانوس نشان ہوگا جس پر یہ الفاظ چھپے ہوں گے: "باہم دیگر امن اور سلامتی سے رہنا" ایک دوسرے ٹکٹ پر، جس کی قیمت ۴ سینٹ ہوگی، اقوام متحدہ کا نیلا جھنڈا چھپا ہے۔ اس کے علاوہ ۵ اور ۱۱ سینٹ کے ٹکٹ شائع کئے جائیں گے۔

جنید گیلری

جنید صاحب نے حال میں جنید گیلری قائم کرکے ہندوستان کے مشہور مصوروں کی تصاویر کی نمائش اور فروخت کا اہتمام کیا ہے ہندوستان کے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے آرٹسٹ مسٹر ایم۔ ایف۔ حسین، مسٹر گارگ اور مسٹر پراسنس وغیرہ کی تخلیقات اس گیلری میں موجود ہیں۔ جو بھی فن کار اپنی تصاویر بھیجنا چاہیں مندرجہ ذیل پتے پر روانہ کر سکتے ہیں۔ تصاویر فروخت ہوتے ہی ۲۵ کمیشن وضع کرکے باقی رقم مصوروں کو روانہ کردی جاتی ہے۔ جو آرٹسٹ جب چاہیں اپنی تصویر واپس بھی منگا سکتے ہیں۔

پتہ:۔ جنید گیلری۔ وارڈن روڈ۔ بمبئی ۲۶

برطانیہ میں اخبار بینی کا اوسط

اقوام متحدہ کی ۱۹۶۱ء کی ایر بک YEAR BOOK کے مطابق دنیا میں اخبار بینی کے سب سے بڑے شائق اہل برطانیہ ہیں جہاں ہر ہزار افراد میں اخباروں کی ۵۰۶ کاپیاں پڑھی جاتی ہیں۔

سینما بینی کا مرض سب سے زیادہ ہانگ کانگ میں ہے جہاں ۱۹۵۹ء کے اعداد و شمار کے مطابق ہر شخص کا فلم بینی کا اوسط ۲۲.۸ مرتبہ سالانہ رہا ہے۔ دوسرے نمبر پر لبنان ہے جہاں ۱۹۶۰ء میں ہر شخص کا اوسط ۲۲.۵ مرتبہ رہا ہے۔ امریکہ میں یہ اوسط ۱۲.۴ ہے اور برطانیہ میں ۱۱.۵ ہے۔

ماسکو ریڈیو

ماسکو ریڈیو روزانہ بیس مختلف لہروں پر ملکی اور غیر ملکی پروگرام نشر کرتا ہے۔ تمام پروگراموں کو حساب میں رکھا جائے تو روزانہ ماسکو ریڈیو سے جتنا پروگرام نشر ہوتا ہے اس کا مجموعی وقت ۲۲۰ گھنٹے آئے گا۔ سوویت یونین کے مختلف اسٹیشنوں سے ۶۴ ملکی اور ۴۰ غیر ملکی زبانوں میں پروگرام نشر ہوتا ہے۔

قدیم سنسکرت تحریروں کے آثار

ازبکستان میں ایک گپھا کے اندر قدیم بودھ مٹھ کے کھنڈر میں مٹی کے برتن کے ٹکڑے

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

سالانہ چندہ: ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی	فی پرچہ: دس نئے پیسے

پرنٹر و پبلشر سید احمد ولی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

کشمیر پر حملہ

رپورتاژ

کرشنا مہتا

"کشمیر پر حملہ" مصنف کا اپنا ہی المیہ نہیں ایک قوم، ایک تہذیب اور تمدن

کا المیہ ہے۔ ایک بربریت کی داستان ہے جو نیرو سے لے کر چنگیز و ہلاکو تک

کی یاد دلاتی ہے۔ ایک ناٹک ہے جو کشمیر کی وادی میں اپنے تمام تر گھناؤنے

پن کے ساتھ کھیلا گیا۔

قیمت

دو روپیہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

Regd. No D58 **July 1962**

Kitab Numa

JAMIA NAGAR, NEW DELHI.

ماہنامہ
کتاب نما

بڑ دادا کی کہانی

پروفیسر محمد عبدالغفور

اِس کتاب میں چار دلچسپ معلوماتی کہانیاں ہیں۔
جن میں ہندستان کی سینکڑوں برس کی کہانی "بڑ" کے ایک
بوڑھے درخت کی زبانی کہلوائی گئی ہے۔ یہ معلوماتی کتاب
بچّوں اور بڑوں دونوں کے لئے یکساں طور پر دلچسپ ہے۔

قیمت : پچاس ۵۰ نئے پیسے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

نگران:- غلام ربانی تاباں | ماہنامہ کتاب نما دہلی نئی | مدیر:- ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | اگست سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۸

اشاریہ

مہاراشٹر میں اردو زبان کی ترقی و توسیع اور مقامی زبان سے مسلم بچوں میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے مکتبہ جامعہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایس ایس سی کے امتحان میں مراٹھی میں اوّل آنے والے مسلم طالب علم کو ایک میڈل دیا جائے اور اردو میں اوّل، دوم، اور سوم آنے والے طلباء کو بھی میڈل دیئے جائیں۔

ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اکتوبر میں ایک تقریب بمبئی میں منعقد کی جائے جس میں یہ انعامات تقسیم کیے جائیں۔ اس سلسلے میں مہاراشٹر کے وزیر تعلیم جناب شانتی لال ایچ شاہ اور وزیر بندی جناب صالح بھائی عبدالقادر سے ہم نے درخواست کی ہے کہ اس تقریب میں شرکت فرمائیں اور ہمیں امید ہے کہ دونوں حضرات ہماری درخواست کو قبول فرمالیں گے۔

مقامی طور پر ہماری شاخ بمبئی کے منیجر شاہد علی خاں صاحب اس تقریب کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ دہلی سے شرکت کے لئے مکتبہ جامعہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے چیرمین جناب پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور مکتبہ جامعہ کے جنرل منیجر جناب غلام ربانی تاباں بمبئی تشریف لے جائیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ بمبئی میں جامعہ ملیہ اور مکتبہ جامعہ کے ہمدرد و بہی خواہ اس سلسلے میں شاہد علی خاں صاحب کا ہر ممکن طرح ہاتھ بٹائیں گے۔

نائب صدر جمہوریہ ہند جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی عالمانہ اور خطیبانہ صلاحیتوں کا علم تو سب کو ہے لیکن یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ بچوں کے ادب کو ترقی دینے اور بچوں کے لئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرنے میں بھی آپ کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جامعہ ملیہ سے نکلنے والے بچوں کے رسالے "پیام تعلیم" کے لئے ذاکر صاحب نے بہت سے عمدہ، دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں لکھی تھیں۔ ان میں سے کچھ اپنے نام سے اور کچھ فرضی ناموں سے۔ یہ کہانیاں بہت مقبول ہوئیں اور ان کی وجہ سے "پیام تعلیم" کو بھی بہت فروغ ہوا (افسوس اب کافی عرصے سے پیام تعلیم شائع نہیں ہو رہا ہے)

ہمیں فخر ہے کہ ذاکر صاحب نے ہماری درخواست کو قبول فرما کر ایسی کئی کہانیوں پر نظر ثانی فرمائی اور اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس کتاب کی اشاعت کی اجازت بھی مکتبہ جامعہ کو دے دی۔ یہ کتاب "ابو خاں کی بکری اور بارہ اور کہانیاں" کے نام سے چھپ رہی ہے۔

کتاب کی تصویریں ہماری درخواست پر ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ جناب ستیش گجرال بنا رہے ہیں جس سے یقیناً کتاب معنوی کے ساتھ صوری اعتبار سے بھی بہت دل کش و دیدہ زیب ہو جائے گی۔ یہ کتاب فوٹو آفسٹ پر بہت خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ بہت جلد شائع ہو جائے گی۔

بقیہ خبریں ص ۳۲

احسان دانش کی نظمیں روسی زبان میں

ماسکو (تاس) اردو کے مشہور شاعر احسان دانش کی نظموں کا ایک مجموعہ یہاں "غیر ملکی معاصرین" کے سلسلے میں شائع ہوا ہے۔

مجموعہ کے دیباچے میں سویت شاعر پاویل ژلیتزنوف نے لکھا ہے، احسان دانش کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی محنت کش عوام کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ وہ اپنے ملک کے مناظر بڑی خوبی سے کھینچتے ہیں لیکن اس کے پس منظر میں انسان کی زندگی اور اس کے کام کو پیش کرتے ہیں جو اس منظر میں جان ڈالتا ہے۔

خواجہ غلام السیدین

رُوحِ تہذیب

ایک رات عالمِ خواب میں جب تخیل عقل اور مصلحت کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے، میرا اور ان شیخ کا ساتھ ہو گیا جو حیوانوں اور چوپاؤں سے بیزار تھے اور ایک انسان کی تلاش میں عمر گذار چکے تھے۔ لیکن انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ انھوں نے اپنی جستجوئے ناکام کا فسانہ مجھے سنایا کہ کس طرح انھوں نے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں میں ایک ایسے انسان کی جستجو کی جس میں وہ تمام صفات موجود ہوں جنھیں انسانیت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں لیکن ان کو پے در پے مایوسی کا شکار ہونا پڑا اور ہمیشہ شریف اور مشہور اور نیک نام انسانوں کی شکل میں ریاکاری جھوٹ اور نفسانیت کے مجسمے ملے۔

میں ان ستم ظریف حضرت کی طبیعت سے واقف نہ تھا۔ بظاہر نہایت سیدھے سادے مردِ معقول معلوم ہوتے تھے۔ میں نے بغیر انجام کو سوچے ہوئے اُن سے یہ کہا "شاید آپ کو بدقسمتی سے بُرے لوگوں سے سابقہ پڑا ہوگا۔ میں نے مانا کہ واقعی انسان بہت کم ہیں لیکن بالکل ناپید نہیں۔ میں آپ کو ایسے ایک انسان سے نہیں کئی انسانوں سے ملا دوں گا جن میں وہ صفات موجود ہیں جن کا احترام کرنا سب پر لازم ہے!" وہ مسکرائے اور راضی ہو گئے اور میں نے یہ حماقت کی کہ ان کی رہنمائی کا فرض اپنے ذمے لے لیا۔

میں نے سوچا کہ سب سے پہلے ان کی ملاقات اپنے ایک نوجوان دوست سے کراؤں جو نہایت مہذب اور تربیت یافتہ ہیں اور میرے خیال میں ایک قابلِ رشک زندگی بسر کرتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کے علاوہ مغرب میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ گھر سے خوش حال ہیں، خاندانی جائداد کی آمدنی معقول ہے۔ اس لئے نوکری یا کوئی اور کام نہیں کرتے ایک شان دار اور خوبصورت کوٹھی میں رہتے ہیں اور مختلف ادبی تہذیبی مشاغل میں اپنا وقت گذارتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے بہت اچھی نظر ہے۔ ادبِ لطیف کی طرز کے مضامین لکھتے ہیں۔ جن میں ایک خاص چاشنی ہوتی ہے۔ شعر بھی کہہ لیتے ہیں۔ موسیقی سے بہت دل چسپی ہے اور مشرقی اور مغربی موسیقی خوب سمجھتے ہیں اور اس سے

محظوظ ہوتے ہیں۔ انگلستان میں رہ کر اور یورپ کی سیاحت کے دوران میں انھیں مغربی مصوری
کے شاہکاروں کا مطالعہ کرنے کا اچھا موقع ملا ہے۔ اس لئے تصویروں کے حسن و قبح پر بہت قابلیت
کے ساتھ رائے دیتے ہیں۔ گفتگو بہت معقولیت اور شائستگی سے کرتے ہیں اور چونکہ فرصت میں اکثر
موجودہ زمانے کے ادب اور جدید تصانیف کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اس لئے زمانۂ حال کے رجحانات
اور تحریکوں سے باخبر ہیں۔ مختصر یہ کہ خوش نصیبی اور ذاتی قابلیت کی بدولت اپنی زندگی بہت
عمدگی اور خوش اسلوبی سے بسر کرتے ہیں۔ اور ہر شخص کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں تہذیب
اور شائستگی کے تمام لوازم اور تمام قدریں موجود ہیں۔ خیر میں ان سے ملاقات کرانے اپنے دوست
سے ملانے لے گیا۔ جب ہم لوگ ان کے یہاں پہنچے تو وہ چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے گراموفون
بجا رہے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی بولے "اس ریکارڈ کو غور سے سنئے۔ یہ ایک مشہور روسی گیت ہے
والگا کے کشتی بان کا گیت جس کو جرمنی کے مشہور استاد کرائسلر نے ستار پر بجایا ہے" انھوں نے اس کی
تمام خوبیاں اور نکات ہم کو سمجھائے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے باندازِ تحسین کی مدد سے ہم نے اس
نغمے سے بہت لطف اٹھایا۔ پھر انھوں نے چند ہندوستانی ریکارڈ بجائے، ان کی راگنیوں کی تشریح
کی۔ گانے والوں کی خصوصیات بتائیں مشرقی اور مغربی موسیقی کا فرق مثالیں دے کر سمجھایا۔ اس کے
بعد موجودہ رجحانات پر اظہار رائے کیا۔ بہت سی جدید تصانیف ہمیں دکھائیں جو ان کے روز افزوں
کتب خانے کی زینت ہیں۔ کہنے لگے "میں شاعری میں قدیم کلاسکی انداز کا قائل ہوں۔ خواہ آپ مجھے
قدامت پسند ہی کیوں نہ سمجھیں۔ مجھے نہ نئے موجودہ اردو شعرا کے نئے اور بھونڈے تجربے پسند ہیں۔
نہ انگریزی شعرا کے وزن اور قافیے سے آزاد شاعری جس میں نہ توازن ہے نہ ہم آہنگی۔ بات یہ ہے
کہ شعر اور موسیقی میں بہت گہرا تعلق ہے جس شعر میں موسیقی نہ ہو وہ میرے نزدیک شعر ہی نہیں . . . "
کچھ دیر تک اس موضوع پر گفتگو رہی اس کے بعد کچھ ذکر سینما کا چھڑ گیا۔ انھیں سینما کے متعلق غضب کی
واقفیت ہے۔ انھیں یہ معلوم ہے کہ ہر مشہور ایکٹر اور ایکٹرس نے کن فلموں میں کام کیا ہے، ان کی تنخواہیں
کس قدر ہیں، ان کی عمر کیا ہے، آنکھوں اور بالوں کا کیسا رنگ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی کتنی مرتبہ شادی
ہوئی ہے اور کتنی مرتبہ طلاق ان کے پاس ایک نہایت خوبصورت چمڑے کی جلد کی نوٹ بک ہے جس
میں انھوں نے بہ ترتیب حروف تہجی ان فلموں کی فہرست لکھی ہے جو انھوں نے دیکھے ہیں۔ اور دوسری
نوٹ بک میں تمام مشہور ایکٹروں کے حالات درج ہیں۔ انھوں نے اپنے شوق سے ان تصویروں
کے بہت سے البم جمع کئے ہیں۔ جن میں متعدد تصویروں پر صاحبانِ تصویر کے دستخط موجود ہیں

سینما کو محض تفریحاً نہیں دیکھتے بلکہ اس کو ذہنی اور اخلاقی تعلیم کا ایک زبردست آلہ سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ہندوستانیوں کی سیاسی تربیت میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔ کیونکہ مغربی تہذیب کا پردہ ان کی نظروں میں اسی نے چاک کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اس گفتگو میں منہمک تھے کہ شیخ صاحب نے ایک بالکل غیر متعلق بات چھیڑ دی۔ کہنے لگے "کیوں صاحب آپ تو ایک بہت بڑے زمین دار ہیں۔ آپکے بہت سے گاؤں ہوں گے۔ کبھی آپ کو وہاں جانے کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔؟"

انھوں نے کہا "جی ہاں! ابھی کچھ عرصہ ہوا میں اپنے گاؤں گیا تھا اور کچھ روز وہاں ٹھہرا تھا" پوچھا "آپ کو گاؤں اور گاؤں والوں سے بھی کچھ دلچسپی اور تعلق ہے یا نہیں؟" انھوں نے کہا "جی ہاں مجھے گاؤں سے اور اُس کی سادہ زندگی سے بہت دلچسپی ہے۔ برسات ختم ہونے کے بعد اکتوبر کے مہینے میں جب زمین زمردیں سبزے اور شفاف پانی سے ڈھکی ہوتی ہے اور میلوں تک ہرے بھرے کھیت لہلہاتے نظر آتے ہیں۔ میں اکثر ایک آدھ ہفتہ دیہات میں بسر کرتا ہوں شہر کی زندگی میں بہت تصنع اور تکلف ہے۔ کبھی کبھی خود بخود جی چاہتا ہے کہ انسان اس سے بھاگ کر فطرت کے سادہ اور خوشگوار مناظر کا لطف اٹھائے میں جب کبھی چند روز اپنے مکان پر بسر کرتا ہوں تو ہمیشہ تازہ دم ہو کر لوٹتا ہوں اور ایک خاص اطمینان اور سکونِ قلب محسوس کرتا ہوں۔ اگر انسان وہاں غلاظت اور گندگی سے محفوظ رہ سکے اور اس کے ساتھ چند کتابیں اور گراموفون وغیرہ ہوں تو تبدیلِ آب و ہوا اور تبدیلِ مقام کے لئے گاؤں سے بہتر اور کون جگہ ہو سکتی ہے؟ مزدور اور کاشت کار سب اپنی رعایا ہیں۔ کام کے لئے ہر قسم کی سہولت، شکار کا انتظام بہت عمدہ ہو سکتا ہے۔

شیخ صاحب نے کہا "جی ہاں، یہ تو میں سمجھا، لیکن میں نے دریافت کیا تھا کہ آپ کو گاؤں کے لوگوں سے بھی کچھ دلچسپی ہے یا نہیں جو اسی گندگی اور غلاظت میں رہتے ہیں جس سے آپ بھاگتے ہیں اور جن کے پاس نہ گراموفون ہیں نہ کتابیں وہ آپ کی رعایا ہیں نا؟ ان سے آپ کے تعلقات اور مراسم کیسے ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا "سنئے شیخ صاحب، میرا عقیدہ ہے کہ زمین دار کو ہمیشہ کاشتکاروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنا چاہئیں میرا اصول یہ ہے کہ میں سال میں ایک مرتبہ اپنے دیہات میں ضرور جاتا ہوں اپنے کسانوں اور کاشت کاروں سے ملتا ہوں مسکرا کر نذرانہ وصول کرتا ہوں۔ فصل کے حالات دریافت کرتا ہوں۔ اُن سے پوچھتا ہوں کہ انھیں کسی بات کی شکایت

تو نہیں ہے۔ جو کچھ انتظام یا رعایت وہ کرانا چاہتے ہیں اس کا وعدہ کر لیتا ہوں (دوبارہ مسکرا کر) یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وعدہ آسان ہے۔ وعدے کی وفا مشکل ہے۔ میرا اصول ہے کہ زمیندار کو اپنی رعایا کے ساتھ خود نرمی اور مہربانی سے پیش آنا چاہیئے تاکہ وہ جب اس سے ملیں تو اُسے اپنا محسن اور دوست سمجھیں۔ لگان کی وصولی وغیرہ میں جو کچھ سختی کرنا ضروری ہو اُسے کارندوں پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ میں نے مانا کہ سختی کے بغیر کام نہیں چلتا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ آج کل زمانہ نازک ہے۔ سختی اور نرمی کو ملا کر کام نکالنا چاہیئے اور تقسیم عمل یہی ہے کہ زمیندار خود نرمی سے کام لے اور اس کے کارندے سختی سے، کہیئے کیا رائے ہے؟"

شیخ صاحب کو یہ سُن کر یارائے ضبط نہ رہا۔ بولے "خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک ہندوستان میں آپ جیسے زمیندار موجود ہیں کیونکہ غریب کسانوں اور کاشت کاروں کی اصلاح اور بہبود کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ خدا زمینداروں کی عقل بالکل سلب اور معطل کر دے اور ان کے انسانی جذبات مفقود ہو جائیں۔ اس وقت انشاء اللہ یہ نظام جو ظلم اور نا انصافی کی بنیاد پر قائم ہے خود اپنی تباہی کا باعث ہو جائے گا۔ آپ ان جفاکش اور جفا نصیب کسانوں کی محنت سے اپنا حصّہ "سختی اور نرمی ملا کر" وصول کرتے ہیں اور اس کے برتے پر عیش و آرام کی زندگی بسر کر لیتے ہیں۔ گراموفون بجاتے ہیں۔ شعر و شاعری کا لطف اٹھاتے ہیں۔ سینما دیکھتے ہیں۔ خوبصورت تصویروں سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ آپ ایک مہذب انسان ہیں اور آپ کی طبیعت میں ماشاء اللہ نفاست اس قدر ہے کہ جب آپ گاؤں میں جا کر تفریح کرتے ہیں تو اس بات کا التزام رکھتے ہیں کہ وہاں غلاظت سے محفوظ رہیں۔ کبھی آپ نے یہ بھی غور کیا ہے کہ لوگ جو بے زبان جانوروں کی طرح آپ کی خاطر اپنا پسینہ بہاتے ہیں۔ سال میں ۳۶۵ دن اسی گندگی اور غلاظت میں رہتے ہیں۔ کبھی ان کے لئے بھی آپ نے صفائی یا حفظانِ صحت یا تعلیم کا کوئی بندوبست کیا؟ نہیں! آپ کو اپنے تہذیب اور تفریح کے مشاغل سے اتنی فرصت کہاں کہ آپ یہ دردسری مول لیں! آپ نے کبھی اپنے ہاتھوں کو کسی کام یا محنت یا مزدوری سے آلودہ نہیں کیا، آپ کو ان کی زندگی اور قسمت کے لکھے کا کیوں اندازہ ہونے لگا۔

عاشق نہ شدی محنت ہجراں نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ سراید"

مگر تہذیب اسے کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ صاحب کی غضب آلود تقریر سُن کر بھی [illegible]

کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ اسی اطمینان قلب اور شائستگی سے فرمانے لگے "شیخ صاحب! اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ یہ اپنی اپنی رائے ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہر شخص کو صرف ایک ہی زندگی ملتی ہے۔ اُسے بار بار تو دنیا میں آنا نہیں ہے۔ اسی زندگی کو غنیمت جان کر اُسے چاہئے کہ اس قلیل مدت میں یہاں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے، علم حاصل کرے، دولت اور قوت حاصل کرے، اپنی ذہنی اور ذوقی قوتوں کی تربیت کرے، فطرت کے مناظر اور فنونِ لطیفہ کے شاہکاروں سے لطف اٹھائے۔ مختصر یہ کہ اپنی زندگی کو خوش باش طریقے پر بسر کرے۔ اگر اسے تمام دنیا کی فکر پڑی رہے گی تو اس سے دنیا کو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا اور وہ خود ہر طرح کی تہذیب و تربیت سے محروم رہ جائے گا۔ دنیا میں واقعی ضرورت انفرادیت کو مستحکم کرنے کی ہے۔ اگر ہر شخص اپنی اپنی فکر رکھے تو یہ نہ صرف اس کے لئے مفید ہے بلکہ سوسائٹی کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ آج کل لوگ جذبات کی تنگی اور دل کی کمزوری سے بے بس ہو کر بجائے اپنی ترقی اور اصلاح کی کوشش کرنے کے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن اس جذبات نوازی سے کچھ نہیں پہنچتا۔ معاف کیجئے گا آپ کو میری باتیں شاید ناگوار گذریں۔ آپ غالباً خود غرضی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ خود غرضی ہی پر عالم کا نظام قائم ہے اور صحیح طور پر قائم ہے۔ اگر میں بھی جا کر گاؤں میں رہنے لگوں گا اور لوگوں کی طرح ہل چلاؤں اور بیلوں کی رکھوالی کروں تو دنیا میں ایک علینا جاہل بدمذاق کسان کا اضافہ ہو جائے گا اور (معاف کیجئے) ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ، خوش مذاق، باتہذیب انسان کی کمی! ممکن ہے کہ آپ اس تبدیلی کے لئے تیار نہ ہوں، لیکن میں اس کو کسی طرح اچھا نہیں سمجھتا۔"

جب ہم لوگ وہاں سے نکلے تو شیخ صاحب کا چہرہ بہت غضب آلود تھا۔ دروازے کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ بہت زور سے کہا:- "لاحول ولاقوۃ! لاباللہ! ارے بھائی تم نے مجھے کس نقلی انسان سے ملایا۔ یہ شخص زیادہ سے زیادہ ایک بہروپیا ہے۔ یا ایک نمائش پسند نوجوان۔ کیا تم سنجیدگی سے یہ خیال کرتے ہو کہ اس شخص کو جو فنونِ لطیفہ سے سطحی دلچسپی رکھتا ہے اور خود غرضی کے فلسفے کی تلقین کرتا ہے تہذیب سے کوئی سروکار ہے؟ بیشک تہذیب نفس کی تکمیل کے لئے ذوقِ سلیم ایک نہایت ضروری چیز ہے لیکن اتنا ہی جتنا کسی عمارت کے لئے خوبصورت اور موزوں ہونا۔ اگر عمارت ہی نہ ہو تو کس چیز کو خوبصورت بناؤ گے! اس کا خیال ہے کہ وہ فنونِ لطیفہ میں بہت دستگاہ رکھتا ہے، یہ سراسر غلطی ہے جس شخص کو خدا کے بے شمار بندوں کے کام کاج اور محنت مزدوری سے کوئی سروکار نہیں پہنچا، جس کو کبھی دکھ اور مصیبت اور افلاس کی خلش محسوس نہیں ہوئی جس نے کبھی انسانو

کے نتیجے میں اغراض و مقاصد میں حصہ نہیں یا اس کو فنون لطیفہ سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنے خیالات اور نظریوں کی بنیاد الفاظ پر قائم رکھتا ہے جس کی حیثیت محض اتنی ہے کہ وہ ہوا میں تموّج پیدا کرتے ہیں اور بس۔ ان کی پشت پناہی کے لئے کوئی شدید اور پرخلوص ذاتی تجربہ نہیں ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک شاعر جو اپنی لافانی نظم سے دنیا کو مالا مال کرتا ہے محض خوبصورت الفاظ کے ساتھ کھیلتا ہے؟ نہیں اس میں اس کے تلخ و شیریں تجربات کا عطر ہوتا ہے۔ اس کا خون جگر شامل ہوتا ہے۔ اس کے دل کے تار تمام انسانوں کے لئے لرزتے ہیں اور ان کے ارتعاش کی وجہ سے اس کے الفاظ ہر شخص کے دل میں اتر جاتے ہیں جو شاعر ان تجربات کی دولت سے محروم ہے جس کو خودغرضی نے تنگ حدود میں قید کر دیا ہے وہ ممکن ہے ایسے شعر کہہ دے جو کانوں کو بھلے معلوم ہوں اور عارضی طور پر دل کو لبھائیں لیکن وہ ہرگز کسی قدر مستقل کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اور یاد رکھو کہ شاعری سے حقیقی طور پر لطف اندوز ہونے کے بھی وہی شرائط ہیں جو اچھا شعر کہنے کے۔ اور یہی حال تمام فنونِ لطیفہ کا ہے۔ ان سب کی بنیاد وہی محنت اور مزدوری اور دست کاری ہے جس کو آپ کا شاعر دوست حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مجھے اس پر صرف یہی اعتراض نہیں کہ وہ فنون لطیفہ کی اہمیت کا غلط اندازہ کرتا ہے اور ان کا مفہوم نہیں سمجھتا۔ یہ تو ضمنی بات ہے۔ مجھے تو اس کے تمام فلسفۂ حیات پر اعتراض ہے اور اس سے اختلاف ہے۔ عزیزمن آج کل ہندوستان میں خاصی تعداد ایسے خوش پوش، ذہین اور بظاہر خوش نصیب نوجوانوں کی ہے جن کو قدرت نے سوءِ اتفاق سے ہر قسم کے مواقع دیئے ہیں۔ آسودگی دی ہے۔ دماغ اچھا دیا ہے۔ ان کی تعلیم مروجہ نظام کے مطابق بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی ہے مگر ہر لحاظ سے بالکل بے کار بلکہ باعثِ ضرر ہیں بے کار اس لئے کہ وہ کسی مفید تعمیری کام میں حصہ نہیں لیتے اپنے چھوٹے چھوٹے اغراض و مقاصد میں، اپنی ذاتی دلچسپیوں میں محصور رہنے کو مقصدِ حیات سمجھتے ہیں۔ کسی عظیم الشان اور سنجیدہ مقصد کے ساتھ خود کو وابستہ نہیں کرتے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی انفرادی قوتوں کی نشوونما بھی نہیں ہونے پاتی۔ کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک خودیابی کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ خود کو کسی اہم مقصد کے اندر گم نہ کر دے۔ وہ مضر اس لئے ہیں کہ دوسروں کے لئے ایک غلط لیکن کشش رکھنے والی مثال قائم کرتے ہیں۔ وہ خود تہذیب کا مفہوم غلط سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی جماعتی حیثیت اچھی ہوتی ہے اس لئے ان کے خیالات کی اشاعت ہو جاتی ہے اور قوم میں غلط معیار اور غلط معیاروں کا رواج ہو جاتا ہے۔ لوگ نمائشی یا سطحی چیزوں کو مستقل اہمیت رکھنے والی

چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور چھوٹے اور بڑے، مفلس اور آسودہ حال، تعلیم یافتہ اور جاہل ہر قسم کے لوگ جھوٹے بتوں کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔ میں اس قسم کے آدمیوں کو انسان نہیں سمجھتا مجھے کسی انسان کے پاس لے چلو اور اپنا وعدہ پورا کرو۔"

ان کی یہ تمام باتیں سُن کر میں بہت گھبرایا۔ مگر میں نے یہ سوچا کہ شاید اس قسم کی تہذیب کی وہ صحیح قدر نہیں کرسکتے ممکن ہے خود اُن کی تربیت بہت سخت مذہبی ماحول میں ہوئی ہو اس لئے میں انھیں ایک خدا رسیدہ عالم کے پاس لے گیا جن کے تقدس کی بہت دھوم تھی اور جن کے متعلق خیال تھا کہ محض اُن کے پاس بیٹھنے سے دل کی سیاہی کافور ہو جاتی ہے اور ایمان چمک اٹھتا ہے۔　　　(غلام السیدین صاحب کی کتاب "روح تہذیب" سے اقتباس)

"تہذیب" انسانیت کا ایک لازمی جزو ہے۔ لیکن کیا ہم سب جانتے ہیں کہ تہذیب کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور کیا تہذیب کی بھی کوئی تاریخ ہے۔

خواجہ غلام السیدین صاحب کی کتاب "روح تہذیب" دلچسپ اور عمدہ انداز بیان میں ان سوالوں کا جواب اور تہذیب کے مفہوم کا پورا پورا نچوڑ پیش کرتی ہے۔

قیمت ۵۰ نئے پیسے

کشمیری زبان اور شاعری

عبدالاحد آزاد

اس کتاب میں کشمیری زبان کی تاریخ، اس کا رسم الخط، اس کا ادب، اس کی خصوصیات اور اس کی شاعری کے ادوار وغیرہ پر عام بحث اور سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ کشمیری زبان و ادب سے متعلق یہ پہلی کتاب ہے جو یقیناً ایک تاریخی کارنامہ اور ادب میں ایک عظیم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

قیمت پانچ روپے

نشور واحدی

غزل

سلسلۂ حسنِ تغافل کا دغا ہے یہ بھی
میں نے اک جانِ تمنا سے سُنا ہے یہ بھی

صفحۂ شامِ الم پر یہ چراغوں کی لکیر
خونِ دل سے کوئی افسانہ لکھا ہے یہ بھی

چشمِ نم کا یہ مسافر بھی تھکا ہارا ہی ہے
رات بھر چل کے تو پلکوں پہ رکا ہے یہ بھی

کتنی افسردہ و بے کیف ہے صہبائے خودی
پھینک دے جام سے ساقی کہ گدلا ہے یہ بھی

دل میں محسوس جو ہوتی ہے چراغوں کی خلش
غم کی چٹکی سے کوئی تیر چھٹا ہے یہ بھی

عشق نے حُسن کو دیکھا تو وہیں چونک پڑا
سرحدِ ہوش پہ دیوانہ ہوا ہے یہ بھی

اب نہ آنسو ہے نہ شکوہ ہے نہ بے تابیٔ شوق
دل سے کچھ بات نہ کرنا کہ خفا ہے یہ بھی

ساقیا دور یہ کہتا ہے کہ اُٹھ جام بدست
بعد مدت کے تو اک وقت پڑا ہے یہ بھی

آج کیوں طائرِ غم دیدہ کے نالے ہیں خموش
خاک کیسی ہے نشیمن سا جلا ہے یہ بھی

امتحاں تلخ پسندی کا ہے یہ تشنہ لبو
بادۂ آلودۂ سم ہے تو روا ہے یہ بھی

زاہدِ کہنہ روا پر بھی نہ ہنس یوں اے دوست
ڈھونڈتے ڈھونڈتے کعبہ میں ملا ہے یہ بھی

آدمی بستۂ زنجیرِ تعلق ہے نشور
زندگی نام ہے تسلیم و رضا ہے یہ بھی

(بشکریہ جامعہ نئی دہلی)

از:-
شری رام درکش بینی پوری

مترجم:-
س. ح. رضی عظیم آبادی

سُبحان خاں

"کیا آپ کا اللہ پچھم میں رہتا ہے؟ وہ پورب میں کیوں نہیں رہتا؟"
سبحان دادا کی لمبی، سفید، چمکیلی اور رعب دار داڑھی میں اپنی انگلیاں ڈالتے ہوئے میں نے پوچھا۔ اُن کی کشادہ، اُبھری پیشانی پر خوشی کی ایک جھلک اور داڑھی مونچھوں سے چھپے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک لہر دوڑ گئی اپنے لمبے ہاتھوں کی داہنی ہتھیلی میرے سر پہ پھیرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"نہیں بَبُوا، اللہ تو پورب، پچھم، اتر، دکھن سب طرف ہے۔"
"تو پھر آپ پچھم منہ کھڑے ہوکر ہی نماز کیوں پڑھتے ہیں؟"
"پچھم سمت کے ملک میں اللہ کے رسول آئے تھے۔ جہاں رسول آئے تھے وہاں ہماری تیرتھ ہیں۔ ہم انھیں مقدس تیرتھوں کی طرف منہ کرکے اللہ کی یاد کرتے ہیں۔"
"وہ تیرتھ یہاں سے کتنی دور ہوں گی؟"
"بہت دور۔"
"جہاں سورج دیوتا ڈوبتے ہیں؟"
"نہیں اس سے کچھ ادھر ہی!"
"آپ ان تیرتھوں میں گئے ہیں، سبحان دادا؟"
دیکھا، سُبحان دادا کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اُن کا چہرہ سرخ ہو اٹھا جذبات سے مغلوب ہو کر وہ مغموم لہجے میں بولے
"وہاں جانے میں بہت خرچ پڑتے ہیں، بَبُوا! میں غریب آدمی ٹھہرا نہ؟ اس بڑھاپے میں بھی اتنی مشقت کر رہا ہوں کہ کسی طرح کچھ پیسے بچا پاؤں اور اس پاک مقام کی زیارت کر آؤں۔"

اُن کی آنکھیں دیکھ کر میرا بچپن کا دل بھی جذبات سے بھر آیا۔ میں نے ان سے کہا۔

"میرے ماما جی سے کچھ قرض کیوں نہیں لے لیتے دادا؟"

"قرض کے پیسوں سے حج کرنے میں ثواب نہیں ملتا، بیٹوا۔ اللہ نے چاہا تو ایک دو سال میں اتنے پیسے جمع ہو جائیں گے کہ کسی طرح وہاں جا سکوں۔"

"وہاں سے میرے لئے بھی کچھ سوغات لایئے گا نہ؟ کیا لایئے گا؟"

"وہاں سے لوگ کھجور اور چھوہارے لاتے ہیں۔"

"ہاں ہاں میرے واسطے چھوارے ہی لایئے گا ——— لیکن ایک درجن سے کم نہیں لوں گا، ہوں!"

سبحان دادا کی سفید داڑھی اور مونچھوں کے درمیان اُن کے سفید دانت چمک رہے تھے۔ کچھ دیر تک مجھے پیار کرتے رہے۔ پھر کچھ رک کر بولے ———

"اچھا جایئے، کھیلئے، میں ذرا کام پورا کر لوں۔ مزدوری بھر پورا کام نہیں کرنے سے اللہ ناراض ہو جائے گا۔"

"کیا آپ کے اللہ بہت غصہ ور ہیں؟" میں تنک کر بولا۔

اب سبحان دادا زور سے ہنس پڑے، پھر ایک بار میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "بچوں سے وہ بہت خوش رہتا ہے، بیٹوا! وہ تمہاری عمر دراز کرے۔" کہہ کے مجھے اپنے کندھے پر لے لیا۔ مجھے لئے ہوئے دیوار کے نزدیک آئے، وہاں اُتار دیا اور دوبارہ اپنی کرنی اور سبولی سے دیوار پر کام کرنے لگے۔

سبحان خاں ایک بہت ہوشیار معمار سمجھے جاتے ہیں۔ جب جب مکان کی دیواروں کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، انھیں بلا لیا جاتا ہے۔ آتے ہیں، پانچ سات دن، یہیں رہتے ہیں، کام ختم کر کے چلے جاتے ہیں۔

لمبا، چوڑا، تگڑا سا جسم اُن کا۔ پیشانی چوڑی، بھویں گھنی اور اُبھری، آنکھوں کے کونوں میں کچھ سُرخی اور پتلیوں میں کچھ نیلے پن کی جھلک سا ناک غیر معمولی طور پر نکیلی، داڑھی گھنی، اتنی لمبی کہ سینے تک پہنچ جائے ——— وہ سینہ جو بڑھاپے میں بھی پھیلا اور بھرا ہوا ہے، سر پر ہمیشہ ایک دو پلی ٹوپی رکھے ہوئے اور بدن میں نیم آستین۔ کمر میں کچھے دار دھوتی پاؤں میں

پجار د ہوتا، چہرے سے نور برستا، منہ سے شہد رستا، بولنے، چلنے، بیٹھنے اٹھنے کے شریفانہ قاعدوں کی پوری پابندی کرتے۔

لیکن بچپن میں مجھے سب سے زیادہ بھاتی ان کی وہ سفید چمکتی ہوئی داڑھی، نماز کے وقت کمر میں دھاری دار لنگی اور بدن پر سادہ کرتا پہن، دونوں ہاتھ سینے سے نیچے باندھ، آنکھیں آدھی بند کر کے جب وہ کچھ 'منتر' پڑھنے لگتے تو میں دم بخود انھیں دیکھتا رہ جاتا! مجھے ایسا معلوم ہوتا، جیسے واقعی ان کے اللہ وہاں آ گئے ہیں، دادا کی نیم باز آنکھیں انھیں دیکھ رہی ہیں اور یہ ہونٹوں میں اُن سے باتیں کر رہے ہیں۔

ایک دن طفلانہ اشتیاق میں میں نے اُن سے پوچھ بھی ڈالا ——————

"سبحان دادا، آپ نے کبھی اللہ کو دیکھا ہے"؟

"یہ کیا کہہ رہے ہو ننھو! انسان ان آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھ سکتا"

"مجھے دھوکا نہ دیجئے دادا! میں سب دیکھتا ہوں۔ آپ روز انھیں آدھی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اُن سے بُدبُدا کر باتیں کرتے ہیں۔ ہاں ہاں مجھے چکمہ دیتے ہیں آپ!"

"میں اور اُس سے گفتگو! میری ایسی تقدیر کہاں؟ اُس سے صرف رسُول کی باتیں ہوتی تھیں، ننھو! وہی باتیں قرآن شریف میں لکھی ہیں"۔

"اچھا دادا، کیا آپ کے رسول صاحب کے بھی داڑھی تھی!"

"ہاں ہاں تھی —— بڑی خوبصورت، لمبی، سنہری —— اب بھی ان کی داڑھی کے کچھ بال تکیے میں رکھے ہیں۔ ہم تیرتھ کے موقع پر ان بالوں کے بھی درشن کرتے ہیں!"

"بڑے ہونے پر جب میرے داڑھی نکلے گی تو میں بھی داڑھی رکھوں گا دادا! خوب لمبی داڑھی!"

سبحان خاں نے مجھے گود میں اٹھا لیا، پھر کندھے پر چڑھا کر اِدھر اُدھر گھمایا، طرح طرح کی باتیں سُنائیں، کہانیاں کہیں۔ میرا دل بہلا کے وہ پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ معلوم ہوتا تھا، کام اور اللہ یہی دو چیزیں دنیا میں اُن کے لئے سب سے پیاری تھیں۔ کام کرتے ہوئے اللہ کو نہیں بھولتے تھے اور اللہ سے فرصت پاکے پھر فوراً کام میں جٹ یا جُت جانا اپنا مقدس فرض سمجھتے تھے۔ اور —— اللہ اور کام کا یہ میل ان کے دل میں محبت کے وہ کوثر و تسنیم بہاتا جن میں مجھ جیسے بچے بھی بڑے مزے میں ڈبکیاں لگا سکتے تھے۔

نانی نے کہا ——— سویرے نہا کھا لو، آج تمہیں امام حسینؓ کے چوک میں جانا ہوگا! سبحان خاں آتے ہی ہوں گے۔

جن دیوتاؤں اور بزرگوں کی کتنی منتوں کے بعد ماں نے مجھے حاصل کیا تھا ان میں سے ایک حضرت امام حسینؓ بھی تھے۔ نو سال کی عمر تک، جب تک جنیو نہیں ہو گئی، محرم کے دنوں میں مسلمان بچوں کی طرح، مجھے بھی تعزئے کی چاروں طرف رنگین چھڑی لے کر طواف کرنا پڑا ہے اور گلے میں گنڈے، بدھیاں پہننی پڑی ہیں۔ محرم ان دنوں میرے لئے بے حد خوشی کے دن تھے۔ نئے کپڑے پہنتا۔ اچھلتا کودتا، نئے نئے چہرے اور طرح طرح کے کھیل دیکھتا ——— دھوم دھام میں چار پہر نور آ ہی بیت جاتے! اس محرم کے پیچھے جو المناک، دل دوز اور حزن وملال سے بھرا اور درد انگیز واقعہ چھپا ہوا ہے، ان دنوں اس کی خبر بھی کہاں تھی!

خیر میں نہا دھو، پہن اوڑھ کے انتظار ہی کر رہا تھا کہ سبحان دادا پہنچ گئے۔ مجھے کندھے پہ لے لیا اور اپنے گاؤں میں لے گئے۔

اُن کا گھر کیا تھا بچوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ پوتے پوتیوں، ناتی ناتنوں کی بھرمار تھی ان کے گھر میں۔ میری ہی عمر کے بہت سے بچے! رنگین کپڑوں سے سجے دھجے ——— سب گویا میرے ہی منتظر تھے۔ جب میں پہنچا، سبحان دادا کی بوڑھی بیوی نے میرے گلے میں ایک بدھی ڈال دی، کمر میں گھنٹی باندھ دی، ہاتھ میں دو لال چھڑیاں دے دیں اور ان بچوں کے ساتھ مجھے لئے ہوئے کربلا کی طرف چلیں۔ دن بھر اچھلا کودا، تماشے دیکھے، مٹھائیاں اڑائیں اور شام کو پھر سبحان دادا کے کندھے پر گھر پہنچ گیا۔

عید، بقرعید میں نہ سبحان دادا ہمیں بھول سکتے تھے، نہ ہولی دیوالی میں ہم انہیں! ہولی کے دن نانی اپنے ہاتھوں سے پوئے، کھیر اور مٹھائی نکال کر سبحان دادا کو کھلاتیں۔ اور تب میں ہی اپنے ہاتھوں سے عبیر لے کر ان کی داڑھی میں ملتا۔ ایک بار جب اُن کی داڑھی رنگین ہو چکی تھی، مجھے ایک پرانی بات یاد آ گئی۔ میں نے کہا۔

"سبحان دادا، رسول کی داڑھی بھی تو ایسی ہی رنگین رہی ہو گی!"

"ان پر اللہ نے ہی رنگ دے رکھا تھا، ببوا۔ اللہ کی ان پر خاص مہربانی تھی۔ ان کا سا نصیبہ ہم معمولی انسانوں کا کہاں؟" وہ آنکھیں بند کر کے کچھ بدبدانے لگے ——— جیسے وہ دھیان میں انہیں دیکھ رہے ہوں۔

میں بھی کچھ بڑا ہوا، اُدھر دادا بھی آخر حج کر ہی آئے۔ اب میں بڑا ہو چکا تھا لیکن وہ چھوہاروں کی بات بھولے نہیں تھے۔ جب میں چھٹیوں میں شہر کے اسکول سے لوٹا اور دادا حج سے سوغات لے کے پہنچے اِدھر ان کے گھر کی حالت بھی اچھی ہو چلی تھی۔ دادا کی ایمان داری اور لائق بیٹوں کی محنت نے کافی پیسے اکٹھا کرلئے تھے۔ لیکن ان میں وہی انکساری اور انسانیت تھی۔ آتے اور پہلے کی طرح ہی اخلاق برتا۔ پھر چھوارے نکال میرے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ "بَبُوا یہ آپ کے لئے خاص عرب سے لایا ہوں۔ یاد ہے نہ، آپ نے ان کی فرمائش کی تھی؟ ان کے نتھنے انتہائی مسرت سے پھڑک رہے تھے۔

چھوارے لئے، سر چڑھایا۔ خواہش ہوئی کاش آج پھر بچہ ہو جاتا۔ اور ان کے کندھوں سے لپٹ کے ان کی سفید داڑھی میں، جو اب واقعی نورانی ہو چکی تھی، انگلیاں ڈال کے 'انھیں دادا، دادا' کہہ کے پکار اٹھتا! لیکن نہ میں اب بچہ ہو سکتا تھا، نہ زبان میں وہ معصومیت اور پاکیزگی رہ گئی تھی! انگریزی اسکول کے ماحول نے کچھ عجب غیر فطری انداز ہر بات میں پیدا کر دی تھی لیکن ہاں شاید ایک چیز اب بھی پاکیزہ رہ گئی تھی۔ آنکھوں نے اپنے کو آنسوؤں کی روانی سے پاک کر کے انھیں چپ چاپ دادا کے قدموں پر نذرانہ چڑھا دیا۔

حج سے واپس آنے کے بعد سبحان دادا کا زیادہ وقت نماز وظیفے میں گذرتا۔ دن بھر ان کے ہاتھوں میں تسبیح کے دانے گھومتے۔ ان کی زبان اللہ اللہ کی رٹ لگائے رہتی۔ جوار بھر میں ان کی بندگی کی دھاک تھی۔ بڑے بڑے جھگڑوں کی پنچایتوں میں دُور دُور کے ہندو مسلمان انھیں پنچ مقرر کرتے۔ ان کی ایمانداری اور دیانت داری کی کچھ ایسی دھوم تھی۔

سُبحان دادا کا ایک ارمان تھا، مسجد بنانے کا۔ میرے ماما کا مندر انھیں نے بنایا تھا۔ اُن دنوں وہ معمولی معمار تھے لیکن کہا کرتے۔ اللہ نے چاہا تو میں بھی ایک مسجد بنواؤں گا۔

اللہ نے چاہا اور وہ دن بھی آیا۔ اُن کی مسجد بھی تیار ہوئی۔ گاؤں کے ہی مناسبت سے ایک چھوٹی سی مسجد ——— لیکن بڑی ہی خوبصورت۔ دادا نے اپنی زندگی بھر کا جمع کیا ہوا پیسہ اُس میں خرچ کر دیا تھا۔ ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں رہ گئی تھی کہ اب خود کرنی بسولی پکڑتے، لیکن دن بھر بیٹھے بیٹھے ایک ایک اینٹ کی جڑائی پر دھیان رکھتے اور اندرونی حصے میں جو بیل بوٹے کاڑھے گئے تھے، اُن کے سارے نقشے انھوں نے ہی تیار کئے تھے۔ اُن میں سے ایک

ایک ایک چیز ساری اُن کی ہی باریک بین نگرانی میں ہوئی تھی۔

میرے ماماجی کے باغ میں شیشم، ساکھو، کٹھل وغیرہ عمارتوں میں کام آنے والے بہتیرے درخت تھے۔ مسجد کے لئے تمام لکڑیاں ہمارے ہی باغ سے لی گئی تھیں۔

جس دن مسجد تیار ہوئی تھی۔ سبحان دادا نے جوار بھر کے معزز لوگوں کو دعوت دی تھی۔ جمعہ کا دن تھا جتنے مسلمان تھے سبھوں نے اس میں نماز پڑھی تھی۔ جتنے ہندو آئے تھے اُن کی تواضع کے لئے دادا نے حلوائی رکھ کے طرح طرح کی مٹھائیاں بنوائی تھیں، پان، الائچی کا انتظام کیا تھا اب تک اس مسجد کی افتتاح کے دن کی دادا کی مہمان نوازی کو لوگ بھولے نہیں ہیں۔

زمانہ بدلا، میں اب زیادہ تر شہروں میں ہی رہتا۔ اور شہر اب آئے دن ہندو مسلم فسادوں کے اکھاڑے بن چکے تھے۔ ہاں آئے دن! دیکھئے گا، ایک ہی سڑک پر ہندو مسلمان چل رہے ہیں، ایک ہی دکان پر سودے خرید رہے ہیں، ایک ہی سواری پر پہلو بہ پہلو بیٹھے آ جا رہے ہیں، ایک ہی اسکول میں پڑھ رہے ہیں، ایک ہی دفتر میں کام کر رہے ہیں کہ اچانک سب کے سروں پر شیطان سوار ہو گیا۔ ہنگامہ، بھگدڑ، مار پیٹ، خون خرابہ، آتش زدگی ——— ہر طرح کے خرافات کی آزادی! نہ گھر محفوظ، نہ جان، نہ عزت۔ محبت، بھائی چارہ اور رحم دلی کی جگہ پر نفرت مخاصمت اور قتل و غارت گری کا ننگا ناچ!

شہروں کی یہ بیماری رفتہ رفتہ دیہاتوں میں داخل ہونے لگی۔ گائے اور باجے کے نام پر تکراریں ہونے لگیں۔ جو زندگی بھر قصاب خانوں کے لئے اپنی گائیں بیچتے رہے، وہی ایک دن کسی ایک گائے کے ذبح ہونے کا نام سن کر کتنے انسانوں کے گلے کاٹنے کو تیار ہونے لگے۔ جن کے شادی بیاہ، پرب تیوہار بغیر باجوں کے نہیں ہوتے، جو محرم جیسے ماتم کے دن بھی باجے گاجے کی دھوم کئے رہتے اب وہی اپنی مسجدوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے ایک منٹ کے باجے پر خون کی ندیاں بہانے کو تیار ہو جاتے۔

کچھ پنڈتوں کی بن آئی، کچھ ملاؤں کی دال گلی۔ سنگٹھن اور تنظیم کے ناموں پر پھوٹ، اور جھگڑوں کے بیج بوئے جانے لگے۔ لاٹھیاں اچھلیں، چھرے نکلے، کھوپڑیاں پھوٹیں، انتڑیاں باہر نکلیں، کتنے نوجوان مرے، گھر پھنکے۔ باقی بچ گئے کھیت کھلیان، سو انگریزی عدالت کے اخراجات میں بعد کو قرق ہوئے!

جب سنا، اس سال سبحان دادا کے گاؤں کے مسلمان بھی گائے کی قربانی کریں گے۔

جوار میں مسلمان کم تھے لیکن ان کے جوش و خروش کا کیا کہنا! ادھر ہندوؤں کو مٹھی گائے سے محبت نہ تھی۔ اس سے زیادہ اپنی تعداد پر گھمنڈ تھا۔ تناتنی کا بازار گرم! خبر یہ بھی پھیلی کہ سبحان دادا کی مسجد میں ہی قربانی ہوگی۔

"ایں سبحان دادا کی مسجد میں قربانی؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"اگر ہوئی تو کیا ہوگا؟ ہماری ناک کٹ جائے گی! لوگ کیا کہیں گے۔ اتنے ہندوؤں کے رہتے گئو ماتا کے گلے پر چھری چلی؟"

"چھری سے گئو ماتا کو بچانا ہے، تو گورا گوری کے قصاب خانے پر ہم دھاوا بولیں۔ اگر سچ مچ جوش ہے تو چلیے مظفر پور! انگریزی فوج کی چھاؤنی پر ہی دھاوا بولیں۔ قصاب خانوں میں تو بوڑھی گائیں کٹتی ہیں، چھاؤنی میں موٹی تازی بچھیاں کاٹی جاتی ہیں!"

"لیکن وہ تو ہماری آنکھوں سے دور ہیں۔ دیکھتے ہوئے مکھی کیسے نگلی جائے گی؟"

"معاف کیجئے، دور نزدیک کی بات نہیں ہے۔ بات ہے ہمت کی طاقت کی چھاؤنی میں آپ نہیں جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں سیدھے توپ کے منھ میں جانا ہوگا۔ یہاں مسلمان مٹھی بھر ہیں، اس لئے آپ اُن پر ٹوٹنے کو تیار ہیں!"

"آپ سبحان خاں کی طرف داری کر رہے ہیں، دوستی نبھاتے ہیں! دھرم سے بڑھ کے دوستی نہیں!"

چند نوجوانوں کو میرے ماما جی کی باتیں ایسی بُری لگیں کہ وہ سخت سُست کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کے چل دیئے۔ لیکن کتنا ہی غصہ کیوں نہ کیا جائے، کتنی ہی چیخ پکار کیوں نہ کی جائے ——— یہ بات صاف تھی کہ بغیر ماما کی رضامندی کے کسی بڑے واقعے کے لئے کسی کو قدم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوسکتی تھی۔

اُدھر سبحان دادا کے دروازے پر مسلمانوں کی بھیڑ ہے۔ نہ جانے دادا میں کہاں کا جوش آگیا ہے، وہ کڑک کڑک کر کہہ رہے ہیں۔

"گائے کی قربانی نہیں ہوگی! یہ فضول باتیں سننے کو میں تیار نہیں ہوں، تم لوگ ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

"کیوں نہیں ہوگی؟ کیا ہم اپنا مذہب ڈر سے چھوڑ دیں؟"

"میں کہتا ہوں یہ مذہب نہیں ہے، میں حج کر کے آیا ہوں، قرآن میں نے پڑھا ہے [illegible]

قربانی لازمی نہیں ہے۔ عرب میں لوگ عموماً دنبے اور اونٹ کی قربانی کرتے ہیں۔"

"لیکن اگر ہم گائے کی ہی قربانی کریں تو روکنے والے کون ہوتے ہیں؟ . . . ہمارے مذہب میں وہ دست اندازی کیوں کریں گے؟"

"ان کی بات ان سے پوچھو۔ میں مسلمان ہوں، کبھی اللہ کو بھولا نہیں ہوں۔ میں مسلمان کی حیثیت سے کہتا ہوں، میں گائے کی قربانی نہیں ہونے دوں گا!"

دادا کی بڑی داڑھی ہل رہی تھی، غصے سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا، ہونٹ پھڑک رہے تھے جسم کانپ رہا تھا۔ اُن کی یہ کیفیت دیکھ کر سبھی خاموش ہو رہے۔ لیکن ایک نوجوان بول اٹھا۔

"آپ بوڑھے ہیں، آپ الگ بیٹھئے، ہم کافروں سے سمجھ لیں گے!"

دادا چیخ اٹھے۔

"کلو کا بیٹا، زبان سنبھال کے بول۔ تو کنہیں کافر کہہ رہا ہے؟ اور میرے بڑھاپے پر مت جا۔ میں مسجد میں چل رہا ہوں، پہلے میری ہی قربانی ہوئے گی تب گائے کی قربانی ہو گی؟"

سبحان دادا وہاں سے غصے کی حالت میں مسجد میں آئے۔ نماز پڑھی۔ پھر تسبیح لے کے مسجد کے دروازے کی چوکھٹ پر "میری لاش پر سے گذر کر ہی کوئی اندر جا سکتا ہے!" کہہ کے بیٹھ گئے۔ اُن کی آنکھیں بند ہیں، لیکن آنسوؤں کی جھڑی اُن کے گالوں سے ہوتی ہوئی، اُن کی داڑھی کو بھگوتی لگاتار جاری ہے۔ ہاتھ میں تسبیح کے دانے گردش کر رہے ہیں اور ہونٹوں میں ذرا ذرا سی جنبش ہے ورنہ ان کا جسم سنگ مرمر کے بُت کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔ ساکت وساکن رفتہ رفتہ مسجد کے نزدیک لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ پہلے مسلمان پھر ہندو بھی۔ اب گائے کی قربانی کا سوال دادا کے آنسوؤں کے دھارے میں بہہ کے نہ جانے کہاں چلا گیا تھا! مجسم فرشتہ نظر آتے تھے: فرشتہ جس کے روئیں روئیں سے محبت اور بھائی چارے کی شعاعیں نکل کے فضا کو منور کر رہی تھیں۔

ابھی اُس دن میری رانی، میرے دو سال جیل میں رہ جانے کے بعد، اتنے لمبے عرصے تک راہ دیکھتی دیکھتی، آخر مجھ سے ملنے گیا جیل میں آئی تھی۔

اتنے دنوں کی جدائی کے بعد ملنے پر، جو سب سے پہلی چیز اس نے میرے ہاتھوں میں دی وہ تھے ریشم اور سوت کے عجیب وغریب ڈھنگ سے لپٹے لپٹائے، ڈورے اور پدھیاں، گنڈے وغیرہ

——— یہ سورج دیوتا کے ہیں، یہ اننت دیوتا کے، یہ گرام دیوتا کے۔ یونہی گناتے گناتے آخر میں بولی: "یہ حسین صاحب کے گنڈے ہیں۔ آپ کو میری ہی قسم، انھیں ضرور پہن لیجئے گا۔"

یہ سب میری ماں کی منتوں کی یادگار نشانیاں ہیں۔ ماں چلی گئیں، پتاجی چل بسے، رانی چار بچوں کی ماں بن چکی ہے، میں چار بچوں کا باپ بن چکا ہوں، پھر بھی یہ منتیں اب تک نبھائی جا رہی ہیں۔ رانی جانتی ہے، میں لامذہب ہوں، اس لئے جب جب ان کے موقعے آتے ہیں، خود انہیں میرے گلے میں ڈال دیتی ہیں۔ آج اس جیل میں، جیل کے افسروں اور خفیہ پولیس کے سامنے اُس نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن قسم دینے سے نہیں چوکی ہیں نے ہنس کے، گویا، اس کی دلجمعی کر دی۔

رانی چلی گئی، لیکن وہ گنڈے اب میرے سوٹ کیس میں احتیاط سے رکھے ہیں۔ جب جب سوٹ کیس کھولتا ہوں اور حضرت امام حسینؓ کے ان گنڈوں پر نظر پڑتی ہے، تب تب درد محبت و خوف سے تصویریں آنکھوں کے سامنے ناچ جاتی ہیں۔ پہلی کربلا کی۔

ایک طرف صرف بہتر آدمی ہیں، جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ اس چھوٹی سی جماعت کے سردار ہیں حضرت حسینؓ۔ انھیں بار بار اصرار کرکے کوفہ والوں نے بلایا ہے، ان کی خلافت قبول کرنے کے لئے! لیکن بجائے خلافت قبول کرنے کے۔ اُن کے لئے ایک چلو پانی تک کا ملنا محال کر دیا گیا ہے۔ سامنے دریائے فرات بہہ رہا ہے۔ لیکن اس کے گھاٹ گھاٹ پر پہرے ہیں۔ انھیں پانی لینے نہیں دیا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ بدکار، بدچلن، یزید کی خلافت تسلیم کر لو، ورنہ پیاسے تڑپ کے مرو!

بچے پیاس سے بلک رہے ہیں، اُن کی مائیں بہنیں تڑپ رہی ہیں۔ ہائے رے ایک چلو پانی!

——— میرے معصوموں کے حلق سوکھے جا رہے ہیں، اُن کی سانسیں رُکی جا رہی ہیں! پانی، پانی، ایک چلو پانی!

پانی کی تو ندی بہہ رہی ہے۔ اور تمھیں تو دولت و عزت بھی کم نہیں عنایت کی جائے گی کیوں کہ تم خود رسول کے نواسے جو ہو! لیکن شرط ایک ہے ——— یزید کے ہاتھوں پر بیعت قبول کرو!

یزید کے ہاتھوں پر بیعت؟ بدکار و بدچلن یزید کی خلافت قبول کرے اور رسول کا نواسہ؟ ہو نہیں سکتا! ہم ایک چلو پانی میں ڈوب مرنا پسند کریں گے، لیکن یہ ذلیل کام رسولؐ کے نواسے سے نہیں ہوگا!

[illegible]

ایک طرف بہتر آدمی ——— جن میں بچے اور عورتیں بھی۔ دوسری طرف بدکار یزید کی لاانتہا مسلح فوج! جنگ ہوتی ہے۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کا پورا قافلہ اس کربلا کے میدان میں شہادت پاتا ہے! شہیدوں کے خون سے اُس صحرا کے ذرّے سُرخ ہو اٹھتے ہیں، بچوں کی تڑپ اور بے بناہ عورتوں کی چیخ سے فضا تھرّا اٹھتی ہے۔ ایسے دردناک سانحے کی مثال دُنیا کی تاریخ میں کوئی ادر ملنی مشکل ہے محرم اسی المناک دن کی یادگار ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں یہ یادگار ہر مسلمان مناتا ہے۔ بھائی چارہ بڑھنے پر ہندوؤں نے بھی اسے اپنا تیوہار بنا لیا تھا، جو لائق صد تحسین تھا۔

اور دوسری تصویر بُسجان دادا کی۔

جن کے کندھوں پر چڑھ کے میں محرم دیکھنے جایا کرتا تھا۔

وہ کشادہ پیشانی، وہ سفید داڑھی، وہ شفقت بھری آنکھیں، وہ شہد ٹپکانے والے ہونٹ ان کا وہ نورانی چہرہ جن کی جوانی اللہ اور کام کے درمیان برابر حصّوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جن کی ضعیفی اللہ ہی کے لئے وقف تھی۔ جن کے دماغ میں اعلیٰ خیالات تھے۔ اور جن کے دل میں محبت کا دریا موجزن تھا ——— اور جو اپنے پرائے سب کو یکساں طور پر سینچتا اور ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔

میرا سر عقیدت سے جھکتا ہے۔ کربلا کے شہیدوں کے سامنے! میں سلام محبت پیش کرتا ہوں اپنے پیارے بسجان دادا کو! (مٹی کی مورتیں" سے لیا گیا ہے)

شرابِ کہنہ

قائمؔ

قیام الدین قائمؔ چاند پور (ضلع بجنور یو پی) کے رہنے والے تھے، ۱۷۲۲ء سے ۱۷۲۶ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچتے ہی دہلی چلے آئے، شاہ عالم کے زمانے میں شاہی توپ خانے کے داروغہ ہو گئے۔ پہلے خواجہ میر دردؔ سے اصلاح لی اس کے بعد سوداؔ کی شاگردی اختیار کی۔

دہلی میں سیاسی ابتری پھیلی۔ دوسرے سخنوروں کے ساتھ ان کو بھی یہاں سے نکلنا پڑا۔ کچھ دن وطن میں رہے، پھر ٹانڈے پہنچے اور ایک امیر کی سرکار سے متوسّل ہوئے تین ہی مہینے سکون سے گزرے تھے کہ عافیت اور روزگار کی تلاش میں اُن کو رام پور اور لکھنؤ کا چکر لگانا پڑا ۱۷۹۳ء (۱۲۰۸ھ) میں دوبارہ رام پور آئے اور یہیں انتقال کر گئے۔

قائمؔ کی شاعری کی تمام تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے۔ بہتوں نے میرؔ اور مرزاؔ کے بعد انھیں کو مانا ہے، بعض اُن کو سوداؔ سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں۔ خیر یہ تو زیادتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک باکمال شاعر تھے۔ تمام اصناف سخن میں کلام موجود ہے، ہجو اور فحش گوئی میں بھی اپنے استاد (سوداؔ) کے ہم پلّہ ہیں۔

کئی نظمیں قائمؔ اور سوداؔ کے کلیات میں مشترک پائی جاتی ہیں، جو تحقیق کے بعد قائمؔ ہی کی ثابت ہوئیں

انھوں نے دہلی کے قیام میں "مخزنِ نکات" کے نام سے اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ بھی لکھا تھا جو میرؔ اور گردیزی کے بعد تیسرا مستند اور معیاری تذکرہ ہے۔

[illegible] لکھنؤ، دسمبر ۱۹۵۹ء

انتخاب

کعبہ اگر چہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

ایسی ہوا میں پاس نہ ساقی نہ جام مے
رونا بجا ہے حال پہ تیرے سحاب کا

تھا گلِ تازہ میں، پر حیف کہ بختِ بد سے
زینتِ گوشۂ دستارِ عزیزاں نہ ہوا

دے طولِ امل نہ وقتِ پیری
ہوئی صبح فسانہ مختصر کر

غربت میں مرا حال جو دیکھے ہے تو قاصد
زنہار نہ کہیو اسے یارانِ وطن میں

قائم اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کھلے نالے سے جس کے وہ ہم آواز کہاں

مے کی توبہ کو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

جوں سرو رکھا سنگِ جفا سے مجھے آزاد
مرہونِ تراجی سے میں اے بے ثمری ہوں

ایک جا گہ پہ نہیں ہے مجھے آرام کہیں
ہے عجب حال مرا، صبح کہیں، شام کہیں

میں کہا عہد کیا کیا تھا رات
ہنس کے کہنے لگا کہ "یاد نہیں"

عاشق نہ تھا میں بلبل، کچھ گل کے رنگ و بو کا
اک اُنس ہو گیا تھا اس گلستاں سے مجھ کو

بھول کر بھی وہ نہیں یاد سے جاتا اپنی — جان کر یاد سے جن نے کہ بھلایا مجھ کو

خشک و تر پھونکتی پھرتی ہے سوا آتشِ عشق — بچیو اس آنچ سے اے پیر و جواں سنتے ہو

جوں موج مرا قافلہ غافل ہے سفر سے — کیا جانئے کہاں جائے گا، آیا ہے کدھر سے
کس رات میں جوں گل نہ ہوا غرق لہو میں — کس دن نہ بھری گود مری لختِ جگر سے
وہ خار تہیِ زردہ اس دشت میں میں ہوں — پالا ہے جسے آبلے نے خونِ جگر سے

دم قدم تک ہے ہمارے ہی جہاں کی رونق — اب بھی کوچوں میں کہیں شور و فغاں سنتے ہو

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے — بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ
گرچہ بلبل ہوں میں، تا گم دلے اس باغ کے بیچ — فرق کوئی نہ کرے گل کو جہاں خار کے ساتھ

قسمت کہ وہ چارہ گر اپنا — جو زخم سے تارِ فو نہ سمجھے
شایانِ چمن نہیں وہ بلبل — ہر گل کا جو رنگ و بو نہ سمجھے
سمجھو گے ہمارے بعد ہم کو — پر حیف کہ رو برو نہ سمجھے

قطعہ

انداز نگاہ رکھ سخن میں!
یعنی جو کہے ہے نیک کہہ تو!
دو گوش ترے ہیں اور زباں ایک!
تا دو نہ سنے نہ ایک کہہ تو!

نئی مطبوعات

کتاب / مصنف	قیمت	ملنے کا پتہ
تذکرۂ جگر (تذکرہ و سوانح) محمود علی خاں جامعی	۳/-	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵
ضدی (ناول) عارف مارہروی	۳/۷۵	راجدھانی پبلشرز، جیندی گڑھ
وحشی (〃) نریندر شرما	۳/۷۵	〃 〃
تارِ پیراہن (مجموعہ کلام) وفا صدیقی	۱/-	مرکز ادب، بدھوارہ، بھوپال
تیشہ (〃 〃) ظفر گورکھپوری	۳/۵۰	ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، جے. جے ہسپتال بمبئی ۳
دردِ دل (ناول) عادل رشید	۳/-	پنجابی پستک بھنڈار، دہلی ۶
کب صبح ہوگی (〃) عارف مارہروی	۵/-	〃 〃 〃
کلام لق لق حاجی لق لق	۲/۵۰	ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶
منم زلف (ناول) شوکت تھانوی	۳/-	ادبی دنیا، دہلی ۶
سنگ ریزے (〃) ابن حیات	۶/-	اردو مرکز، دہلی ۶
رضیہ (〃) بیگم معشوق علی	۱۱/-	سلطان حسین اینڈ سنز، کراچی

کتاب / مصنف	قیمت	ملنے کا پتہ
روزمرہ نفسیات (نفسیات) پروفیسر محمد اکرام طاہر	۲/-	میری لائبریری، چوک مینار لاہور ۲
شادی اور کامیابی (〃) یوسفس جیز مترجم جاوید شاہین	۲/۲۵	〃 〃 〃
روپ متی (ناول) فیاض حسین	۳/-	〃 〃 〃
میٹھے بول میں جادو (نیا ایڈیشن) مترجم کمال احمد رضوی	۳/-	〃 〃 〃
گفتگو اور تقریر کا فن (〃) جاوید شاہین	۲/۲۵	〃 〃 〃
شیشہ و تیشہ (طنزیہ و مزاحیہ مضامین) کنہیا لال کپور	۱/۵۰	〃 〃 〃

زیرِ طبع کتابیں

تاریخ الامت ششم (تاریخ اسلام) مولانا محمد اسلم جیراجپوری مرحوم　　مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

دو ہاتھ (افسانے) عصمت چغتائی　　" " " "

سرکارِ دو عالم (سیرت رسولؐ) محمد حسین حسان　　" " " "

خیالستان (مضامین) سجاد حیدر یلدرم　　" " " "

سات سال (ناول) ملک راج آنند　　" " " "

میر تقی میر (بچوں کے لئے سوانح) محمد حسین حسان　　" " " "

راہِ عمل (ناول) صالحہ عابد حسین　　" " " "

رنگ و بو (مجموعہ کلام) خرد غوث پوری　　مکتبہ گلستانِ ادب، کانسی پور روڈ، کلکتہ ۲

خالی مکان (") محمد علوی　　مکتبہ سوغات، بنگلور

نفسیات کی روشنی میں　تحقیقی مضامین کا انتخاب از "نصرت"　۱/۵۰　میری لائبریری۔ چوک مینار، لاہور

جینے کی اہمیت (نفسیات) لِن یوتانگ مترجمہ مختار صدیقی　۵/۵۰　" " "

قلو پطرہ (ناول) آئی. ہیگل مترجم علی ناصر زیدی　۲/-　" " "

میرے بھی صنم خانے (ناول) قرۃ العین حیدر　۳/-　" " "

تذکرۂ جگر

محمود علی خاں جامعی

جگرؔ کے متعلق مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے لیکن بہت کم حضرات نے ان کی نجی زندگی پر نظر ڈالی ہے حالانکہ شاعری کا تجزیہ کرنے کے لئے شاعر کی نجی زندگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے — محمود علی خاں صاحب نے بڑی جانفشانی اور کاوشوں کے بعد اپنے دیرینہ ساتھی جگرؔ مرادآبادی کے حالات زندگی، ان کے شعری سطالیے، منتخب کلام اور ان کی نجی زندگی کی جھلکیاں دکھانے کا ہے۔ زیر طبع کتاب کے لئے کافی مواد فراہم کر لیا ہے　　قیمت تین روپئے

جائزے

مرتب: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ

سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
صفحات: ۱۴۴
قیمت: ایک روپیہ ۵۰ پیسے
ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ دعوۃ و تبلیغ کے بانی کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی روشناس ہیں۔ اس مجموعے میں سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا الیاسؒ کے وہ اہم خطوط جمع کر دیئے ہیں جو مولانا مرحوم نے اپنے ساتھیوں، دوستوں اور کارکنوں کے نام دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں لکھے ہیں۔ علی میاں کے خیال میں "ان خطوط سے مولانا کے یقین و اعتماد، قوتِ ایمانی، حمیت اسلامی، دین کی فکرمندی، بے چینی، بے کلی، تعلق باللہ، دین کے فہم صحیح، مقاصد شریعت اور روح دین کی معرفت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان خطوط کے لکھنے والا..... ....دین کی جد وجہد اور ایک خاص نوع سے دین کے احیا و تقویت کے لئے اپنے کو مامور اور ذمہ دار سمجھتا تھا"

اور اس میں شک نہیں کہ ان خطوط کے ایک ایک لفظ سے لکھنے والے کے خلوص اور دلی لگن کا اظہار ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا یہ کام مولانا محمد الیاس مرحوم نے ایک مسجد میں بیٹھ کر بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا تھا اور یہ ان کے خلوص، لگن اور بے لوث جذبۂ عمل کا نتیجہ ہے کہ اُن کے انتقال کے بعد بھی ان کا لگایا ہوا پودا سرسبز و شاداب ہے اور تناور درخت بن رہا ہے۔

البتہ ان خطوط کی زبان ذرا مشکل ہے اور عام پڑھنے والوں کی سمجھ میں ذرا دقت سے آئے گی۔ بقول علی میاں: "...... ان خطوط کی زبان عام ناظرین کے لئے نامانوس ہے

اور ان کے مضامین عام سطح سے بلند ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کا خاصا حصّہ ایسا دقیق و لطیف ہے جو یا تو وہ حضرات سمجھ سکتے ہیں جو ان کی باتیں سنتے رہے ہیں۔ یا جنھوں نے تصوّف اور حقائق و معارف کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ "

تاہم ان لوگوں کے لئے خطوط کا یہ مجموعہ بہت کام کی چیز ہے جو اس دینی تحریک کی روح کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ محمد حسین حسّان

★

ادبی مقالات

از:۔ مبشر علی صدیقی
صفحات:۔ ۱۴۵ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت:۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

نثر کی ترقی کے ساتھ اردو ادب کا میدان بہت وسیع ہوگیا اور بہت سے نئے موضوع سامنے آئے۔ تنقید ادب کے ان ہی نئے موضوعات میں سے ایک ہے۔

مغربی ادب سے متاثر ہونے والے نقاد وجود میں آئے۔ زندگی اور ادب کے تعلق کا احساس شاعروں اور ادیبوں کی اصلاح و رہنمائی، زندگی کے بنیادی مسائل کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا نئے ناقد کے فرائض میں شامل ہوا۔

مبشر علی صاحب صدیقی کی یہ کتاب اسی رجحان کی حامل ہے۔ زیر نظر کتاب میں "حالی کی شاعری"۔ "اردو کی ابتدا"۔ "اردو مزاح نگاری"۔ "سب رس"۔ "اقبال کے نقاد"۔ "اقبال کی شاعری کے تین دور"۔ "جگر بیس سال قبل اور آج" کے عنوانات کے تحت ایک ایک مضمون ہے۔ مضامین گو مختصر ہیں مگر جامع ہیں۔ مبشر صاحب بات کہنے کا ڈھنگ جانتے ہیں۔ اور صاف ذہن اور غیر جانب دار دل کے مالک ہیں اور اسی لئے بقول سرور صاحب "ان کے مضامین میں مطالعے کی گہرائی" کے ساتھ ساتھ "وزن اور سنجیدگی ملتی ہے"۔

ادب سے دلچسپی رکھنے والے تمام حضرات اس کتاب میں دلچسپی کا سامان پائیں گے خاص طور پر طالب علموں کے لئے اس کی افادیت مسلم ہے۔

سارے مضامین مبشر صاحب کے ستھرے ذوق اور گہرے ادبی شعور کے

کیا ہی اچھا ہوتا کہ کتاب کے کاغذ اور اس کی طباعت کی طرف اتنی توجہ دی جاتی جتنی توجہ کے یہ مضامین حقیقتاً مستحق تھے۔

مسعود الحق

*

بچوں کا کھلونا

از:۔ شفیع الدین نیّر
صفحات:۔ ۸۰ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت:۔ ۷۵ نئے پیسے
ناشر:۔ نیّر کتاب گھر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

محمد شفیع الدین صاحب نیّر نے بچوں کے لئے اتنا لکھا ہے کہ "بچوں کے شاعر" ان کے نام کا جزو لاینفک ہو کر رہ گیا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تیس سال سے زیادہ عرصے تک جو شخص بچوں کے ادب اور خصوصاً شاعری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے اس کو یہ لقب زیب بھی دیتا ہے۔ نیّر صاحب کی اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۹۳۵ء میں چھپ کر خاصا مقبول ہوا۔ اب چوتھا اڈیشن نیّر کتاب گھر نے شائع کیا ہے۔ یہ اڈیشن کافی ترمیم، تنسیخ اور اضافے کا حامل ہے: بچوں کے لئے نظمیں کہنے کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ نیّر صاحب میں بدرجۂ اتم موجود ہیں یہ باتیں انھیں عملی کے باعث بچوں سے ربط رکھنے اور ان کے ذہن کو سمجھنے کے باعث حاصل ہوئیں۔ اسی لئے آپ کی نظمیں بچے بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ اس سے ان میں پڑھنے کا شوق بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ادب سے دلچسپی رکھنے والے ماہرین تعلیم نے نیّر صاحب کے اس کام کو سراہا ہے۔

ولی شاہجہاں پوری

*

چاند کی کہانی

مولف:۔ محمد اسحاق صدیقی
صفحات:۔ ۱۰۴ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت:۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
ناشر:۔ احباب پبلشرز، گولہ گنج۔ لکھنؤ

اس موضوع پر اردو میں پہلی بار کتاب لکھی گئی ہے۔ کوشش قابل تعریف ہے۔ زبان سلیس، اور خیالات ترتیب سے جمع ہیں۔ کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے میں

محنت کی گئی ہے اور بہت جانفشانی سے کام لیا گیا ہے۔ تصویریں اور ڈائگرام بھی بہت ہیں اور ان کے بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی ہے۔

چاند کے متعلق سبھی باتیں اس کتاب میں آگئی ہیں اور اردو میں یہ کتاب بچے اور بالغ دونوں کے لئے مفید اور دلچسپ ہے۔ کتابت اور چھپائی بھی اچھی ہے۔

چاند کتنا بڑا ہے؟ چاند کتنی دور ہے؟ چاند پر کیا ہے؟ یہ اور اسی طرح کے ۸ سوالات دلچسپ انداز میں پیش کئے گئے ہیں اور مولف نے ان کے جواب لکھنے میں ہوشیاری دکھائی ہے۔ جملے سیدھے سادھے ہیں اور الفاظ موتی کے مانند پروئے گئے ہیں۔ کتاب بہت خوب ہے۔ اور معلومات سے بھری ہوئی ہے۔

بس اس میں دو باتوں کی کمی ہے۔ ایک یہ کہ جہاں چاند کے فائدے بتلائے گئے ہیں ان میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے کہ چاندنی کا اثر پودوں اور سبزیوں پر بھی پڑتا ہے جو پودے چاند کی شروع تاریخوں میں بوئے جاتے ہیں وہ ان پودوں کے مقابلے میں جو بعد کی تاریخوں میں بوئے جاتے ہیں، زیادہ تیز بڑھتے ہیں۔ ان کی فصل بھی اچھی ہوتی ہے۔ اس قسم کا تجربہ کئی ملکوں کے کسان اور سائنس داں کر چکے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابھی حال میں جب سے کہ روس اور امریکہ مصنوعی چاند اڑا رہے ہیں، گگارین، تیتوف اور گلن نے زمین کے چکر لگائے ہیں۔ زمین کے متعلق چند نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں مثلاً ایک اہم بات یہ ہے کہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہماری زمین رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ یہ خیال پرانا ہے اور صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین گرم ہو رہی ہے اور اس کے ریڈیو ایکٹو مادّے اپنا رنگ دکھا رہے ہیں۔

کتاب لکھتے وقت غالباً مولف کی نظر سے وہ تحقیق اور ریسرچ کے نقطے نہیں گذرے ورنہ ان سب باتوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ جو نتیجے مولف نے چاند کے متعلق اخذ کئے ہیں وہ اس سے کچھ مختلف ہوتے جو کتاب میں دئے ہوئے ہیں۔ اور اس صورت میں کتاب بھی ایک مکمل اور جامع کتاب ہوتی۔

محمد امین

★

تمہارے اسلاف اور تم

از:۔ مولانا نسیم قادری بستوی

صفحات:۔ ۳۲ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت:۔ چھ آنے

ناشر:۔ مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف (ضلع بستی)

اس کتاب میں مسلمانوں کے عروج اور زوال کی تصویر نظم میں پیش کی گئی ہے اور اس کے علاوہ چند اور نظمیں بھی شامل کتاب ہیں جن میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان سے تعمیر و تنظیم ملت کے کام اور اصلاح و ہدایت کی اپیل کی گئی ہے۔ کتاب اچھی ہے۔

★

گل کدۂ فردوس

از:۔ مولانا نسیم قادری بستوی
صفحات:۔ ۴۸ سائز:۔ ۳۰×۲۰/۱۶
قیمت:۔ ۲۰ نئے پیسے
ناشر:۔ مکتبہ لطیفیہ، براؤں شریف (بستی)

مولانا نسیم قادری صاحب کی نعتوں اور اصلاحی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض نعتیں کیف آور اور بعض نظمیں ولولہ انگیز ہیں۔ اس کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔

شبنم قادری

سلسلہ منتخب کشمیری منظومات

۱۸×۲۲ سائز کی ان خوبصورت کتابوں میں نامور کشمیری شاعروں کا منتخب کلام، اس کا اردو ترجمہ، شاعر کی سوانح اور ان کے کلام پر تبصرہ پیش کیا گیا ہے۔ کشمیری زبان اور شاعری سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے کارآمد تحفے

نام شاعر	مرتب	قیمت	نام شاعر	مرتب	قیمت
رسول میر	محمد یوسف ٹینگ	۱/۰	حقانی	مولانا نظرت کاشمیری	۱/۵۰
مہجور	پروفیسر ترتیب	۱/۰	وہاب پرے	پروفیسر محی الدین حاجنی	۱/۵۰
گل ریز	پروفیسر جیالال کول	۲/۰	مقبول کرالہ واری	" حامدی کاشمیری	۱/۵۰
پرمانند	" ایس کے توشخانی	۱/۰	شمس فقیر	" شمس الدین	۱/۵۰
عبدالاحد نادم	میر غلام رسول نازکی	۱/۵۰	سہد گل		۱/۰
آزاد	پروفیسر ترتیب	۱/۵۰			

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

ادبی خبریں مرتبہ:۔ ظلّ عبّاس عبّاسی

تعلیم کا منصوبہ تیسرے پنج سالہ پلان میں تعلیم کی ترویج و اشاعت کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ مرکزی وزیر تعلیم کے اعلان کے مطابق تیسرے منصوبے میں ۶ سال سے ۱۱ سال تک کی عمر کے ۸۵ - ۸۰ فی صدی بچوں کے لئے لازمی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا، اور ۱۹۷۵ء تک ۱۴ سال تک کی عمر کے سب بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام ہو جائے گا۔

پندرہ نادر مطبوعات بھارت سرکار نے ملک کے بارے میں کتابیں چھاپنے کی وزارت سائنسی تحقیقات و ثقافتی امور کی اسکیم کے تحت قومی اہمیت کے پندرہ نادر مسودوں کی طباعت کے لئے منظوری دے دی ہے۔ ان مسودوں کو مرتب کرنے کا کام مختلف عالموں کے سپرد کیا گیا ہے۔ اِس سال کے آخر تک اس کام کے مکمل ہو جانے کی توقع ہے۔

سماجی کام کی انسائیکلوپیڈیا نئی دہلی کی ایک اطلاع کے مطابق ہندوستان میں سماجی کام کی ایک انسائیکلوپیڈیا تالیف کی جا رہی ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سماجی کام کے سلسلے میں تمام مکمل پالیسیوں پروگرام اور رجحان کو تاریخی پس منظر کے ساتھ باضابطہ اور معتبر اعداد و شمار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس کی تیاری منصوبہ بندی کمیشن کے ایما پر مرکزی سماجی بہبود بورڈ کی طرف سے کی جا رہی ہے۔

اخباری کاغذ پر پابندی کنٹرول آرڈر میں ترمیم نئی دہلی۔ ہند سرکار نے نیوز پرنٹ کنٹرول آرڈر بابتہ ۱۹۶۲ء میں ایک ترمیم کی ہے جس کی اطلاع ۲۰ جولائی ۱۹۶۲ء کو شائع کی گئی۔ اس ترمیم کی رو سے کسی اخبار یا رسالے کا پرنٹر یا پبلشر اپنے سرکولیشن میں اضافہ کے سبب درکار ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ضمیمے شائع کرنا یا صفحے بڑھانے کے لئے یا طباعت میں ضائع شدہ کاپیوں کی کمی پوری

کرنے کے لئے مقررہ حد سے زیادہ نیوز پرنٹ استعمال نہیں کر سکے گا۔ اخباری کاغذ کا یہ کوٹہ درآمد و برآمد کے چیف کنٹرولر کی جانب سے موقع بہ موقع مقرر کیا جاتا ہے۔ ترمیمی حکم میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخباری کاغذ کا کوئی صارف اپنا ذخیرہ دوسرے صارف کو تین ماہ سے زیادہ مدت کے لئے مبادلے پر نہیں دے سکتا۔

دو نئے اخبار

بھوپال کے پرجوش صحافی ایم عرفان نے "شعلۂ حیات" نامی ایک پندرہ روزہ اخبار یکم جولائی سے نکالنا شروع کیا ہے۔ اس سے قبل آپ کے جاری کئے ہوئے تین اخبار سرکاری "عنایتوں" کی تاب نہ لاکر بند ہو چکے ہیں۔

کامٹی سے ایک پندرہ روزہ رسالہ "نور" اگست ۱۹۶۲ء سے شائع ہو رہا ہے زبان کسی حد تک عام فہم اور آسان ہوگی۔ اس کے ایڈیٹر جناب تبسم شغائی ہیں جو آرتی پرکاش دھرم پیٹھ ناگپور سے چھپوا کر نیا گودام کامٹی سے شائع کریں گے۔ فل اسکیپ سائز کے تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہوگا۔

فرینکفورٹ کے کتابی میلہ کی تیاریاں

فرینکفورٹ (رٹاڈا) ۲۳ جولائی۔ ۲۰ سے ۲۵ ستمبر تک فرینکفورٹ میں ہونے والے بین الاقوامی کتابی میلہ کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں جس میں اس مرتبہ ۳۲ ممالک کے ناشرین اور کتب فروش شرکت کریں گے دیگر ممالک کے علاوہ آسٹریلیا نے بھی پہلی بار اپنی شرکت کے لئے لکھا ہے مشرقی بلاک کی طرف سے شرکت کرنے والوں میں پولینڈ، چیکوسلواکیہ، ہنگری اور روس شامل ہیں اس میلہ کا دلچسپ ترین پروگرام ۱۹ ممالک کی ایک متحدہ نمائش ہوگی جس میں سال رواں کی نئی اور تازہ ترین اشاعت کو پیش کیا جائے گا۔ اس بڑھتی مانگ کو مد نظر رکھتے ہوئے منتظمین نے نمائش گاہ کے میدان کو مزید وسعت دینے کا قصد کیا ہے۔ کیونکہ برطانیہ، فرانس، اٹلی۔ آسٹریا، پولینڈ، ہسپانیہ، نیشنلسٹ چین، ہنگری، چیکوسلواکیہ اور امریکہ نے ۵۰ بہترین کتب کی خاص نمائش میں شرکت کرنے کا اعلان کیا ہے

(باقی صٓ پر)

قیمت سالانہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	فی پرچہ دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد دتی نے کوہ نور پریس میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لئے۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی سے شائع کیا۔

پاک کہانیاں

مقبول احمد سیوہاروی

کہانیاں بچے اور بڑے سب ہی دلچسپی سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ قصے کے پیرائے میں ادب و تہذیب اور اخلاق و حکمت کی تعلیم بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں بھی رسول اکرم، خلفاء راشدین، صحابہ کرام اور بزرگان دین کی وہ سچی کہانیاں درج ہیں جن کے پڑھنے سے ایمان میں قوت آتی ہے اور اخلاق سنورتے ہیں یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔

قیمت: حصہ اول ۹۰ نئے پیسے
حصہ دوم ایک روپیہ ۱۰ نئے پیسے

Regd No D 58 August 1962
Kitad Numa
JAMIA NAGAR, NEW DELHI—25

کِتابُ نما
ماہنامہ

نگراں	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	مدیر
غلام ربانی تاباں		ریحان احمد عباسی
جلد ۳	ستمبر ۱۹۶۲ء	شمارہ ۹

اشاریہ

کتاب نما کے پچھلے شمارے میں ہم نے لکھا تھا کہ مہاراشٹر میں اردو زبان کی ترقی و توسیع اور مقامی زبان سے مسلم بچوں میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے مکتبہ جامعہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایس ایس سی کے امتحان میں مراٹھی میں اوّل آنے والے مسلم طالب علم کو اور اردو میں اوّل دوم اور سوم آنے والے طلبا کو انعامات دیے جائیں۔ اس سلسلے میں ہماری کوشش اور تیاریاں برابر جاری ہیں۔

مراٹھی میں اوّل آنے والے مسلم طالب علم کو "ڈاکٹر ذاکر حسین گولڈ میڈل" اور اردو میں اوّل آنے والے طالب علم کو "کاروے گولڈ میڈل" دیا جائے گا۔ اردو میں دوم اور سوم آنے والوں کو بالترتیب پچیس اور بیس روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نائب صدر جمہوریہ ہند نے ہماری درخواست پر اپنے نام کا گولڈ میڈل دیے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے اور اسی طرح مراٹھی کے عالم جناب کاروے صاحب (بھارت رتن) کی منظوری بھی ہمیں حاصل ہو چکی ہے۔ یہ تقریب اکتوبر ۱۹۶۲ء کے شروع ہفتے میں ہوگی۔

گہری دلچسپی رہی وہ ندوۃ المصنفین کے بانیوں میں سے تھے اور مختلف دینی مدارس کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر بھی تھے۔ اردو سے مولانا کو گہرا لگاؤ تھا۔ وہ ایک اچھے مقرر تھے اور متعدد قابل قدر کتابوں کے مصنف۔ ان کی موت سے ملک میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو مشکل ہی سے پُر ہو سکتا ہے۔ مولانا کے انتقال کی اطلاع ملنے کے بعد مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے دفتر میں بھی ایک تعزیتی جلسہ ہوا اور مولانا کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آمین

ستمبر کے پہلے ہفتے میں ہماری دو نئی کتابیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب عصمت چغتائی کے افسانوں کا مجموعہ "دو ہاتھ" ہے اور دوسری "روحِ اقبال" جس کا چوتھا ایڈیشن کافی ترمیم و اضافے کے بعد شایع ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ تین پُرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن بھی تیار ہو رہے ہیں۔

ہماری اردو کی درسی کتابیں "گوا" میں بھی منظور ہو گئی ہیں۔ اب اس سال گوا کے اسکولوں میں ہماری وہی کتابیں پڑھائی جائیں گی جو صوبہ مہاراشٹر اور گجرات میں رائج ہیں یہ کتابیں ہماری بمبئی برانچ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳ کے علاوہ مالپوکا (گوا) میں سلیمانیہ بک ڈپو سے بھی مل سکیں گی۔

(بقیہ خبریں ص ۳۲)

بہروں کے لئے تربیتی مرکز

اس سال ستمبر کے وسط تک حیدر آباد میں قوتِ سماعت سے محروم بالغ بہرے نوجوانوں کا تربیتی مرکز اپنے کام کا آغاز کر دے گا۔ یہ دیش میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ ہے یہ تربیتی مرکز مرکزی وزارتِ تعلیم کی طرف سے کھولا جا رہا ہے۔ اس میں ابتداءً ۳۰ افراد تربیت حاصل کر سکیں گے اور تیسرے پنجسالہ منصوبے کے اختتام تک اس ادارے میں ۱۲۰ اشخاص کو تربیت دی جانے لگے گی یہ ایک رہائشی ادارہ ہوگا اور خاص طور سے یہ بہروں کو انجینیرنگ سے متعلق کاموں میں تربیت دے گا تاکہ وہ لوگ اپنے گذر بسر کے لائق بن جائیں۔

منوہر پرشاد ماتھر

ہندو خواتین اور اُردو شاعری

ان دنوں ہندی زبان میں اُردو ادب بڑی تیزی سے منتقل ہو رہا ہے اور اردو شاعری کی حد تک تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندی دنیا نے اسے اپنا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے شعراء کے انتخابات ہندی جگت میں انتہائی مقبول ہو رہے ہیں اور نہ صرف ہمارے اساتذۂ سخن کے دیوان ہندی لپی میں منتقل کئے جا رہے ہیں بلکہ عہد حاضر کے ممتاز شعرا کے مجموعے بھی منظر عام پر ہندی والے ہی لا رہے ہیں ان میں بعض تو ایسے بھی ہیں جن کے اردو زبان میں انتخابات تک شائع نہیں ہوئے۔ ممتاز شاعر مخدوم کا "گل تر" اب ہماری زبان میں "مکتبہ صبا" کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جب کہ دو تین سال قبل مخدوم کا ہندی مجموعہ جس میں اُن کی تازہ ترین غزلیں بھی شامل تھیں شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ یہی نہیں اردو ادب پر مبسوط تحقیقی کتابیں بھی ہندی میں لکھی جانے لگی ہیں حال ہی میں شریمتی ڈاکٹر شکلا نے "تاریخ ادب اردو" شائع کر کے ہندی ادب میں گراں بہا اضافہ کیا ہے۔

اردو زبان میں اُردو شعرا کے تذکروں کی کمی نہیں اور ہر دور میں کوئی نہ کوئی تصنیف ایسی ضرور ملے گی جس میں اِس دَور کے یا اس وقت کے ممتاز شعراء کے تذکرے اور ان کے کلام کا انتخاب شائع کیا گیا ہے ساتھ ہی بعض محققین نے بڑی محنت اور لگن سے مخصوص طبقے کے شعرا تک کے تذکرے شائع کئے ہیں مثلاً "اردو کے ہندو شعرا"، "اردو کے پوربی شعرا"، "اردو کے عیسائی شعرا"، "اردو کے کشمیری شعرا"، "اردو کے دکنی شعرا" وغیرہ حال ہی میں جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب نے اس سلسلے میں "دکھنی ہندو اور اردو" کے نام سے دکن کے شاعروں اور نثر نگاروں کے مختصر حالات اور نمونہ کلام شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ([illegible]) شاعروں کا ذکر ہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ خواتین شعرا پر کسی محقق یا مصنف نے بھی اس قسم کا تذکرہ یا انتخاب وغیرہ کے شائع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی گو کچھ گلدستے یا اس قسم کے مختصر ترین تذکرے شائع ہوئے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی جیسا کہ ڈاکٹر جعفر حسین صاحب نے لکھا ہے کہ "اس زبان میں سرے سے کسی قابل ذکر شاعرہ کا وجود ہی نہیں ہے اور اس کے ثبوت میں ڈاکٹر صاحب نے یہ کہنا ہی کافی سمجھا کہ اردو ادب کی تواریخ (مثلاً آب حیات مصنفہ محمد حسین آزاد یا گل رعنا مصنفہ عبدالحق صاحب) میں کسی شاعرہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ مگر اتنا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہر دور میں عورتوں نے گیسوئے اردو کو سنوارنے کی اپنی بساط بھر کوششیں ضرور کی ہیں اور آج تو خواتین شعرا کی کمی نظر نہیں آتی۔ بہتوں کا کلام اردو کے مشہور و مقبول جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے کچھ کا "بانو" "خاتون مشرق" "ہم جولی" "حریم" "خزینہ" وغیرہ خواتین کے رسالوں تک محدود ہے۔ غالباً اس سے متاثر ہو کر جناب شاہ نصیر فریدی صاحب نے ہندو خاتون شعرا کا تذکرہ اور انتخاب "اردو کی پرسد ہندو کاوتریاں" کے نام سے ہندی لپی میں شائع کر لیا ہے اور روایتی طور پر انھیں "مقبول شعرا" کہہ کر کتاب کو محدود کر دینا مناسب سمجھا ہے۔ فریدی صاحب کے اس تذکرے میں کچھ تو عہد رفتہ کی یادگاریں ہیں کچھ صاحب دیوان ہیں کچھ شوقیہ شعر کہنے والیاں ہیں اور دو چار ایسی لڑکیاں بھی ہیں جو شاید مستقبل میں نام کمائیں۔

نہ معلوم کس مفکر نے شاعر کو خالق کہا ہے اور کس منچلے نے اس پر گرہ لگائی ہے کہ شاعر اگر خاتون ہو تو اسے خالق کہنا زیادہ حق بجانب نظر آتا ہے۔ ایسا ہے تو ان ہندو خواتین کو خالق کہہ لیجئے جنھوں نے اپنے روایتی پوجا پاٹ، بچوں کی نگہداشت، شوہر کی خدمت گزاری اور چولہے چکی کی جھنجھٹوں کے باوجود اور تعلیم و اکتساب سے بہت کم علاقہ رکھتے ہوئے بھی اپنے جوہر فطری سے شعر نکھارے ہیں۔ یہ امر ہمارے لئے کس قدر حوصلہ افزا ہیں کہ ہمارے باغ کی یہ بلبلیں جن کی نغمہ سنجی خود ان کی نشاط طبع کے لئے ہوتی رہی ہے۔ باغ اردو کی زینت کا بھی باعث ہیں جیسا کہ حضرت فراق گورکھپوری نے حریم ناز کے مقدمہ میں لکھا ہے "اردو کے باغ پر بجلیاں گر رہی تھیں لیکن باغ کی بلبل اپنے چہچہوں سے بہار کے گیت گائے جا رہی تھیں ان "پرسد کاوتریوں" کے کلام کے مطالعہ کے بعد ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ان بیبیوں نے چاردیواری میں مقید رہنے کے باوجود اپنے کو قفس میں محسوس نہیں کیا بلکہ گوشہ نشینی میں جو کچھ دیکھا یا محسوس

کیا اور ماحول سے جو کچھ قبول کیا بڑے دل کش انداز اور پیرائے میں بیان کیا ہے اور اپنے محسوسات کو خلعتِ جسمانیت دینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ اچھا سے اچھا شاعر جو محسوس کرتا ہے اس کا عشر عشیر بھی صفحۂ قرطاس پر وہ منتقل نہیں کر پاتا۔ پھر ان خواتین کی منظومات غزلیات، رباعیات قطعات وغیرہ پر اجمالی نظر بھی ڈالی جائے تو ماننا پڑے گا کہ وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ ان میں جذبات ہیں، احساس ہے، قومیت ہے، اخلاقیات کے درس ہیں، جوش و خروش ہے اور اندازِ بیان کی ندرت و تازگی بھی ملتی ہے۔ اکثر کے ہاں سلاست و روانی بھی پائی جاتی ہے اور کچھ شوکتِ الفاظ کی دلدادہ بھی ہیں اور بعض کے اشعار میں معنویت کا دریا لہریں لے رہا ہے۔ ان میں سے کچھ نے سائنس و فلسفہ کے علاوہ الہیات کے دقیق مسائل میں بھی اپنا دامن الجھا رکھا ہے۔ ان کے رشحاتِ قلم میں کہیں بھی فرسودہ خیالات نہیں ملتے بلکہ اس کے برعکس رنگینی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور یہاں قلم نسوانی حجاب و حیا کی پابندیوں کے ساتھ خوب بچ بچ کر چلا ہے۔ ان کے کلام میں وہی ساقی ہے وہی میخانہ ہے اور حقائق و معارف کی ویسی ہی گفتگو جیسی غالبؔ نے اختیار کی تھی

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو!
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

پران، روپ کنور اور رانی برکت رائے کے نام ان کے حکمت و موعظت سے لبریز بھجنوں اور مرثیوں کے باعث اردو ادب میں ہمیشہ قابلِ فخر سمجھے جائیں گے۔ روپ کنور کا "شانتی نامہ" اور رانی کے مرثیے آج بھی مسلم گھروں میں فخر کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور رانی برکت رائے سکینٹھ باشی حیدرآباد میں گیتا ماتا سے موسوم تھیں۔ انھوں نے کچھ اپنے رنگ کی غزلیں بھی لکھی ہیں۔ ایک شعر ہے ؎

آزمائش صبر کی ہو گی ختم جب دیکھنا
امتحاں ہو گا تمھارا عمر کٹ جانے کے بعد

درگا دیوی صنم اکبر آبادی کو فاضل مصنف نے غالبؔ کا ہم عصر بتایا ہے۔ کچھ روایتیں بھی نقل کی ہیں اور کچھ نوک جھونک بھی۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہیں اُن کے شعر ان کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں ؎

اپنی صورت دکھا ہی دی ہم نے ان کی اس پر بھی کچھ نظر نہ ہوئی

رہیں اب دیر ہی میں چل کے نغم اپنی کعبہ میں تو بسر نہ ہوئی

ان کے علاوہ مرحومہ گوپی دیوی ماتھر میرٹھی کا انداز بیان بھی شاید پسند آئے ۔

نام ہی نام خضر کا سُن لو کوئی اپنا تو رہنما نہ ہوا
وہ بشر ہی کیا ذات سے جس کی دوسرے کا کبھی بھلا نہ ہوا

ان کے علاوہ جناب فریدی صاحب نے ۱۹ اور کو تیر یوں کا ذکر کیا ہے ان میں محترمہ برج رانی بیزار دہلوی کا نام نامی بھی شامل ہے کیفی کی اس شاگرد کی عمر اس وقت ۰، سال سے بھی تجاوز ہو چکی ہے اور بقول ان کے ۔

آتش عشق سے جل بجھ کے ہوئی خاک مگر خاک اڑانا نہ میری بادِ صبا میرے بعد

بے زار اپنا دل ہوا بزمِ جہان سے کیا فائدہ بہار میں گلشن سنوار کے

لکھنؤ کی ۲۳ سالہ موہنی دیوی جس کو شاعری ورثہ میں ملی ہے "درد دل" کے نام سے اپنا مجموعہ شائع کر رہی ہیں ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے ۔

غفلت میں جو ہوا تھا مجھے اس کا غم نہیں
غم ہے تو یہ کہ ہوش میں آیا تو کیا کیا

ان دونوں علاوہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی کے خاندان سے تعلق رکھنا ہی اچھے شاعر اور با ذوق ادیب ہونے کی سند سمجھی جا سکتی ہے اور چندر کلا شرم لکھنوی اور دھرم دیوی لکھنوی ان کے ہی خاندان کے جواہر ہیں اول الذکر کا کلام تو اردو کے مقبول ترین پرچوں میں نمایاں مقام پاتا ہے۔ رومانیت سے بھرپور غزلوں کے علاوہ رباعیات اور سہرے لکھنے میں انھیں کمال حاصل ہے۔ ان کے دو شعر سنئے ۔

تجھے کچھ شرم رکھنا ہے اب اس عزم مصمم کی سفر تھوڑا سا ہے اے کارواں باقی نہ رہ جائے

تیری قسمت میں نہیں گو فرصت فکر سخن شرم پھر بھی قابل صد مرحبا سہرا ہے یہ

محترمہ دھرم دیوی کا ایک بلند پایہ شعر ملاحظہ ہو ۔

نہیں معلوم ان دونوں کا میں نے کیا بگاڑا ہے
مٹاتے ہیں دہر سے ہستی زمین و آسماں میری

محترمہ کنتی دیوی شبنم بریلوی، شاردا دیوی اور آگرہ کے رسالہ "منوا" کی ودیا گوپل انجم نے اردو اور فارسی زبان میں شعر کہے ہیں۔ اُن کی نظموں اور غزلوں میں جہاں پاکیزگی اور بلندیٔ خیال ہے وہیں فانی کی طرح حسرت و یاس بھی جھلکتی ہے۔ اس کے برخلاف الہ آباد کی برج کشوری سوشیلا کی نظموں میں طنز و مزاح کے جواہر پائے جاتے ہیں۔ ان پر صرف اکبر کا رنگ ہی غالب نہیں ہے بلکہ وہ اکبر کا ڈھنڈورا بھی پیٹتی ہیں۔

یہ فصاحت، یہ بلاغت یہ سلاست آپ کی، اس پہ سونے پر سہاگہ یہ ہے اکبر کی زبان

شریمتی رامیشوری دیوی نہرو صرف ہمارے وزیر اعظم کی رشتہ دار اور ہندوستان کی ممتاز سوشل ورکر ہی نہیں ہیں بلکہ فارسی اور عربی کی تعلیم نے جو انھیں بچپن سے ہی میسر ہوئی تھی انھیں ایک اچھی شاعرہ بھی بنا دیا۔ مگر سماجی کاموں کی وجہ سے فرصتِ سخن کم نصیب ہوئی ہے ان کا ایک شعر سنئے جو سروجنی نائیڈو کی شان میں پڑھا گیا تھا۔

دہن سے وقتِ سخن اُن کے پھول جھڑتے ہیں
یہ وہ ادا ہے کہ جس پر ہزاروں مرتے ہیں

اس طرح بریلی اتر پردیش کی سیاسی کارکن اور سوشل ورکر کملا چودھری کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا۔ موصوف ہندی کی ادیب ہیں اور ان دنوں ہندی خیالات کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔

خواتین کے لئے خصوصی طور پر شائع ہونے والے رسالوں میں جن بہنوں کا کلام شائع ہوتا ہے ان میں ودیا رتی نسیم، کرشنا کماری راحت جھانسوی اور رتن صاحبہ بنارسی قابلِ ذکر ہیں۔

اُن کی آنکھوں کا کیا قصور نسیم　　دل کو خانہ خراب ہونا تھا

بجھ گئی شمع ستارے بھی بجھے جاتے ہیں　　ایک میں ہوں جو بدستور جلے جاتا ہوں

(راحت)

حیدرآباد دکن کے مختصر قیام اور ادبی ماحول نے رتن دیوی بنارسی کے ذوقِ شاعری کو بڑی حد تک نکھارا ہے اور ان دنوں موصوفہ کلکتے سے گیسوئے اردو کو سنوار رہی ہیں آپ کا یہ شعر یقیناً پسند آئے گا۔

وعدہ تو کیا تم نے اور آئے نہ وعدے پہ ۔۔۔ جب تم کو نہ آنا تھا کیوں آئے خیالوں میں

محترمہ نام داس ماتھر زینت اور الٰہ آباد کی عندلیب سخن راج کماری سرور نہ صرف صاحب دیوان خواتین ہیں بلکہ ان دونوں کی شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے اور اکثر دور دراز مقامات تک مشاعروں کی صدارت بھی کرتی ہیں۔ دونوں ہی پختہ مشق ہیں۔ کلام میں روانی و برجستگی پائی جاتی ہے اور نزاکتِ خیال و لطافتِ بیان سے کلام کی خوبی دوبالا ہو گئی ہے۔ زینت صاحبہ کا پہلا دیوان "کلام زینت" دوسرا "بہارِ زینت" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ کچھ شعر ملاحظہ فرمایئے:۔

آپ کا اب حشر زینت دیکھئے ہوتا ہے کیا ۔۔۔ کوششِ پرواز تو ہے بال و پر کچھ بھی نہیں

حاصل ہوا وصال نہ کچھ عاقبت بنی! ۔۔۔ دونوں جہاں میں ہم تو کہیں کے نہیں رہے

محترمہ راج کماری لبھ پا سرور صاحبہ کا دیوان حضرت فراق کے مقدمے کے ساتھ "حریم ناز" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے ان کے دو شعر ملاحظہ فرمایئے:۔

یہ کاکل بھی سرگوشیاں کر رہا ہے ۔۔۔ اسے کس لئے سر چڑھایا گیا ہے

آنکھیں رکھتا ہے تو پہچان بھی پیدا کر ۔۔۔ تو جسے دیر سمجھتا ہے وہ کعبہ ہوگا

اور ہماری زبان کے لئے سرور صاحبہ کی عبارت بھی دیکھئے:۔

دل میں ہمارے پنہاں ہے رازِ اردو ۔۔۔ ہم سے قضا نہ ہوگی ہرگز نمازِ اردو

ہیں وجد میں فضائیں رقصاں ہیں چاند تارے ۔۔۔ سرور نے کس ادا سے چھیڑا ہے سازِ اردو

اردو زبان کی آبیاری کرنے والوں میں دو نوجوان لڑکیوں سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ شملہ کی کرشنا گیتا شبنم اور ضلع اناؤ لکھنؤ کی چندر کنور پھول۔ اول الذکر ریڈیو شملہ سے منسلک ہیں اور چندر کنور پھول ابھی فارغ التحصیل نہیں۔ ان کے اشعار شرح کے محتاج نہیں۔

غم کی منزل بھی ہے حسین منزل ۔۔۔ اس میں ہر موج ہی کنارہ ہے

اب جو دنیا ہے مہرباں ہم پر ۔۔۔ اس میں کچھ آپ کا اشارہ ہے

اس مختصر انتخاب کے بعد ناقدانِ فن اصلی عناصر کلام کا اندازہ خود کر لیں کیونکہ میں تو انیس کا سودائی ہوں! ... "کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں"

(بشکریہ "ہماری زبان" علی گڑھ)

غلام ربانی تاباںؔ

غزل

یوں ترے دورِ تغافل میں وفا رہتی ہے
شمع جیسے تہِ دامانِ صبا رہتی ہے

بند آنکھوں سے ہنسی لب سے خفا رہتی ہے
زندگی عشق میں پابندِ بلا رہتی ہے

دل اگر دل ہے تو وابستۂ غم بھی ہوگا
نکہتِ گل بھی کہیں گل سے جدا رہتی ہے

نطق نامحرمِ اسرارِ جنوں ہے اے دوست
درد بن کر دلِ شاعر میں نوا رہتی ہے

حُسن کی سعیِ کرم وجہِ تسلّی نہ ہوئی
ایک بے نام خلش دل میں سدا رہتی ہے

یوں چلو جیسے بیاباں میں ہوا چلتی ہے
یوں رہو جیسے گلستاں میں صبا رہتی ہے

ہائے مصروفیتِ شوق کا عالم تاباںؔ
ہر نفس کشمکشِ جرم و سزا رہتی ہے

(یہ غزل غلام ربانی صاحب تاباںؔ کے مجموعۂ کلام "حدیثِ دل" کے نئے ایڈیشن سے لی گئی۔ قیمت: نیا ایڈیشن دو روپے ۲۵ نئے پیسے)

علی عباس حسینی

برہما کی نئی اولاد

ڈاکٹر اندرا خوشی سے پُھلی جاتی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے قدِ آدم آئینے میں اپنے کو بار بار دیکھتی۔ کبھی اپنے بڑے بار پیٹے ہوئے جوڑے کو درست کرتی۔ کبھی آنکھوں کے دُنبالہ دار سُرمے کو رُومال کے کونے سے پونچھتی۔ کبھی چہرے اور گردن پر لگے ہوئے پاؤڈر کو اور ہلکا کرتی کبھی ساڑی کے آنچل کو سر پر لمبا کھینچ کر گھونگھٹ نکالتی اور ہاتھ جوڑ کر سلام کرتی اور کبھی بغیر گھونگھٹ نکالے ہی پرنام کرنے اور پاؤں چھونے کا چھب دیکھتی۔ وہ مسلسل گنگنائے جاتی اور بار بار اس طرح مسکراتی کہ اُس کے موتی جیسے دانت صاف چمک جاتے۔

اندرا حسینوں میں نہ تھی۔ پانچ فٹ چار انچ۔ قدسا نولی رنگت، چوڑا چہرہ۔ جبڑے کی ہڈیاں ابھری ہوئی۔ موٹی موٹی بھوئیں۔ میانہ آنکھیں۔ پھیلی ہوئی ناک کا بڑا دہانہ۔ بھرے بھرے ہونٹ۔ نہ صراحی دار گردن اور نہ بال سے باریک کمر۔ نہ کفِ دست خوبصورت اور نہ انگلیاں پتلی اور نازک۔ اعضا میں بس ایک چیز حسین تھی۔ بڑی سی جھولی میں بس ایک مال۔ گھٹنوں سے نیچے تک لمبے کالے بال۔ اِسی لئے وہ اُسے بہت عزیز تھے۔ میڈیکل کالج میں اس کے استادوں نے کئی بار اس سے ان لمبے بالوں کے کٹوا ڈالنے کی طرف اشارہ بھی کیا تھا، یہ ناگن جیسے بال نازک آپریشنوں کے انجام دینے میں حائل ہو سکتے تھے مگر اندرا نے ان کی اسی ہدایت کی طرف سے کان بہرے کر رکھے تھے جسے حُسن کے بھرے بازار میں سے یہی ایک جنس مل سکی ہو وہ اسے کیسے اپنے ہاتھوں سے گنوا دے۔

اور سچ بھی تھا۔ اس کے پاس سوائے ڈاکٹری کی ڈگری کے اور ان حسین بالوں کے اور تھا ہی کیا۔ نہ صورت، نہ دولت، نہ ذات۔ وہ میڈیکل کالج کے مہتر کی لڑکی تھی۔ اس ذات کی تھی جو سب سے بڑی خدمت گذار ہونے کے باعث بھی سب سے زیادہ نیچ سمجھی جاتی ہے۔ اچھوت ہونے نے ہی اندرا کو "اچھوتی" بھی بنا رکھا تھا۔ اپنی ذات برادری میں اس کی جوڑ کا لڑکا کہاں ہاتھ لگتا

ذات والے درجوں میں بھی پاس کی سیٹ پر منہ بنا کر ہی بیٹھتے۔ ایک نفظ النفات بھی کی تو اُسے ہوس کا شکار بنانے کے لیے نہ کہ شریک زندگی۔

ایک محسوس نا آسودگی نے اسے لباس و رنگ و روغن سے بے پروا بنا دیا تھا وہ لوگوں سے ملنے ملانے، جلسوں، پارٹیوں میں شریک ہونے سے گریز کرنے لگی تھی۔ وہ فرائض کو انجام دینے والی ایک مشین بن گئی تھی۔ ہاں اِدھر دو تین مہینوں سے اس میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے سوکھے گالوں پر سُرخی جھلک آئی تھی۔ اس کی بے کیف آنکھوں میں خمار کی کیفیت اور اس کی فوجی چال میں مستانہ خرامی کی جھلک آ گئی تھی۔

ان تبدیلیوں کا باعث منیش تھا۔ وہ اسی قصبے کا تحصیل دار ہو کر آ گیا تھا۔ جہاں کے نئے زنانے ہسپتال کی اندرا انچارج تھی۔ منیش اونچی ذات کا بھی تھا اور سجیلا خوش رو جوان بھی۔ دراز قد متناسب ہاتھ پاؤں، گندمی رنگ۔ آنکھوں میں سنجیدگی، ہونٹوں پر ہنسی۔ وہ نئے ہندوستان کا ایک سچا سپوت تھا۔ وہ ایک منصف حاکم ہی نہیں تھا بلکہ اپنے حلقوں کے باشندوں کا ہمدرد بھی تھا۔ وہ ان کی ترقی اور اصلاح کے ہر منصوبے میں رضاکارانہ جوش سے حصّہ لیتا تھا تحصیل کی عمارت اور ہسپتال پاس ہی پاس تھے اس لئے اندرا اور منیش سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ طبیعتوں کی یکسانیت نے ان میں ایک دوسرے کے لئے جذب و کشش بڑھائی۔ اور آہستہ آہستہ دونوں دلوں میں وہ آگ لگ اٹھی، جو سب سے زیادہ ٹھنڈی بھی ہے اور سب سے زیادہ گرم بھی اور جسے پریم اور محبت کے نام سے پکارتے ہیں مگر جیسے جیسے منیش اس کے خنک جھونکوں اور گرم لپٹوں سے بالیدہ ہوتا جاتا تھا ویسے ویسے اندرا سوکھتی اور سمٹتی جا رہی تھی۔ وہ ڈرتی تھی ذات کی ناگن محبت کی پری کو بھی ایک نہ ایک دن ضرور ڈس لے گی۔ اسی لئے وہ منیش سے ملنے میں جھجکنے اور رکنے لگی۔ منیش نے اس کے روکھے رویہ سے اکتا کر شکایت کرتے ہوئے دل کا حال کہہ ڈالا اور شادی کی پیش کش اس کے قدموں میں ڈال دی۔ اندرا نے انکار کرتے ہوئے وجہ انکار بھی بتا دی۔ مگر اس کے خیال کے برخلاف اس افشائے راز کا اثر منیش پر الٹا پڑا۔ وہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر ہاتھ جوڑ کر بڑی متانت سے کہا "جے ہو بھگوان! تو نے میری یہ دعا بھی سُن لی!"

پھر وہ اندرا سے بولا "میں اُس ذات کا ہوں جو برہما کے سر سے پیدا ہوئی مگر میری دلی تمنا یہی رہی کہ میں اس کے چرنوں تک پہنچ سکوں وہ تم نے پوری کر دی اب [illegible]

سرتاقدم بڑھاکے پرت ہوں گے! مگر اندرا اسی پہ اڑی رہی کہ وہ اپنے خاندان والوں سے ماتا پتا سے پوچھ لے۔ منیش نے بتایا کہ خاندان میں کوئی نہیں صرف ایک بوڑھی ماں ہے جو آج چودہ برس سے پوری کاشی اور ہردوار میں سارا وقت بسر کرتی ہے۔ وہ دنیا چھوڑ چکی ہے اور ذات بات کے جھگڑوں سے بالاتر ہے پھر بھی اندرا اڑی رہی کہ جس طرح بھی ہو اس کی اجازت حاصل کرلی جائے

اتفاق کہ منیش کی ماتا ہردوار کمبھ کے میلے جاتے ہوئے اسی قصبے کے اسٹیشن سے گزر رہی تھی منیش نے بڑی خوشامد سے انھیں ایک رات کے لئے اپنے یہاں اتار لیا تھا۔ آج اندرا کو انھیں کے سلام کو جانا تھا اور انھیں سے آشیرواد لینے کے لئے حاضر ہونا تھا۔ اسی لئے وہ بن سنور بھی رہی تھی اور خوشی سے کھلی پڑتی تھی۔ وہ گیت گنگناتے گنگناتے ایک لوری گنگنانے لگی۔ پھر دفعتاً خیال کی کڑی کی انتہا کو محسوس کرکے وہ چونکی، شرمائی، اور پھر وہ ہنستی ہوئی کمرے کی بجلی گل کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

برامدے میں ہسپتال کا چپراسی ہاتھ میں دواؤں کا بیگ لئے کھڑا تھا منیش کا اصرار تھا ماتا جی کا مکمل معائنہ کرکے کچھ دوائیں ضرور ساتھ کردی جائیں۔ وہ چپراسی کے ساتھ برآمدے کے زینے سے اتر رہی تھی کہ ہسپتال کا بہشتی منصور دوڑتا ہوا آیا اور گڑگڑا کر بولا "ہجور! ہجور! ہماری مہریا کو دیکھ لیجئے ایسا جان پڑتا ہے دم توڑ رہی ہے!"

اندرا فوراً نوکروں کی کوٹھریوں کی طرف مڑ گئی۔ منصور کی بیوی ایک کمرے پلنگ پر بے ہوش پڑی تھی۔ نہ سانس ٹھیک چل رہی تھی نہ نبض۔ اس نے منصور اور چپراسی کو باہر نکال کر مریضہ کا مکمل معائنہ کیا۔ چھ مہینہ کا بچہ پیٹ میں مر چکا تھا اور زہر جسم میں پھیل رہا تھا۔ پلنگ سمیت وہ اسے اٹھوا کر آپریشن روم میں لائی اور فوراً آپریشن کی تدبیریں کرنے لگی۔ نرسوں میں صرف ایک رات کی ڈیوٹی پر تھی۔ اس کی مدد سے اس نے آپریشن کیا۔ مردہ بچہ کاٹ کر باہر نکالا اور زچہ کے مسموم حصوں کو دھویا صاف کیا۔ اس درمیان میں اس کا جوڑا کھل گیا اور اس کے لمبے بال بار بار چہرے اور ہاتھوں پر پھیل کر اس کی تیز چلتی انگلیوں میں پھنسنے لگے۔ اس نے جھنجلا کر ایک نرس کو حکم دیا "انھیں پٹے نما کاٹ کر پھینک دو!"

اس نے ان محبوب جٹاؤں کو کب کاٹا اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ اسے اپنے تن من کا ہوش ہی نہ تھا۔ نہ اسے یہ دھیان تھا کہ اس کی قیمتی ساڑی بدنما دھبوں سے داغدار ہو رہی ہے نہ اسے یہ یاد تھا کہ منیش اس کا منتظر تھا نہ یہ کہ اس کی ماتا سے شادی کے لئے آشیرواد لینے کی اس نے شرط لگا رکھی تھی وہ اپنی زندگی کے سارے خوش آئند خوابوں کو بھول گئی۔

وہ منصور کی بیوی کی زندگی کے لئے کئی گھنٹوں تک یم دیوتا سے لڑتی رہی۔ جب وہ مریضہ کو خطرے سے نکال کر وارڈ کے ایک کمرے میں آرام کی نیند سوتی ہوئی چھوڑ کر نکلی تو اسے پہلی بار اپنی حالت کا خیال آیا۔ وہ صد درجہ تھک گئی تھی۔ اب کمزوری کے ساتھ ساتھ بھوک بھی محسوس ہوئی۔ سر ہلکا ہلکا لگا۔ ہاتھ بڑھا کر بال ٹٹولے جن کا کھیت کٹ چکا تھا۔ عمر بھر کی کمائی لٹ گئی تھی۔ ٹھنڈی سانس لی۔ پھر دفعتاً منیش یاد آیا اور اُس کی ماں۔ اُس نے نہ جانے کیسی بُری رائے قائم کر لی ہوگی۔ سوامی سے ملنے کی آس زندگی میں پہلی بار بندھی تھی۔ وہ بھی ٹوٹ گئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ بنگلہ ملا ہوا تھا مگر کوسوں دور محسوس ہونے لگا۔

وہ لڑکھڑائی۔ ٹیڑھے ترچھے قدم رکھتی، اپنے سونے کے تاریک کمرے میں پہنچی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ساڑی کھینچ کر فرش پر پھینک دی۔ ڈگمگاتی ہوئی "بیسن" کے پاس گئی۔ بڑی کوششوں سے اُس نے صابن سے منہ ہاتھ دھویا اور وہ اسی طرح پٹی کوٹ اور بلاؤز پہنے مسہری پر آ گر گر پڑی۔ اس پر مایوسیت کا دورہ پڑا۔ اُسے یقین آ گیا کہ آج رات منیش کی ماتا سے مل کر اس نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہے۔ وہ تھوڑی دیر خشک سسکیاں لیتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور نڈھال ہو کر سو رہی۔

صبح کو جب چڑیوں کے چہچہانے کی آواز آہستہ آہستہ اُس کے کانوں میں آ رہی تھی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے گدگدا رہا ہے۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ منیش بڑی بے تکلفی سے مسہری کی پٹی پر بیٹھا اُسے چادر اُڑھا رہا تھا۔ وہ ایک حیا دار دوشیزہ کی طرح اُچک کر اُٹھ بیٹھی اور اس نے سر سے پاؤں تک اپنے کو چادر سے ڈھنک لیا۔

اس نے منیش سے ڈانٹ کر پوچھا "یہ آپ میرے کمرے میں کیوں گھس آئے؟"

منیش نے ہتھیلی پر ایک چمکتی انگوٹھی رکھ کر کہا "یہ پہنانے!" اور شرارت سے آنکھ نچائی۔

اندرا نے ہکلا کر کہا "تم۔ م۔ مگر ماتا جی؟"

وہ ہنس کر بولا "جب تم نہ آئیں تو ہم دونوں تمہیں ڈھونڈتے ہوئے ہسپتال پہنچے۔ اس وقت نرس تمہارے پیارے بال ایک ٹرے میں رکھے باہر نکلی۔ ماتا جی نے ٹھٹھک کر اُس سے باتیں کیں۔ تمہیں جھانک کر آپریشن روم میں کام کرتے دیکھا۔ پلٹتے میں مجھ سے کہا "بیٹا کسی انسان کی جان بچانے کے لئے اپنا سب کچھ کھو دینے کو تیار رہے وہی سب سے اونچی ذات کا ہے نا!"

اندرا نے شرما کر منیش کے سینے میں اپنا منہ چھپا لیا۔

(بشکریہ آواز دہلی)

شرابِ کہنہ

سوز

سنہ ۱۷۲۰ء تا سنہ ۱۷۹۸ء

سید محمد میر سوز۔ آبا و اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ ان کی ولادت اور نشو و نما دہلی میں ہوئی۔ پہلے میر تخلص کرتے تھے، لیکن میر تقی میر کی شہرت اور شخصیت کا اندازہ کر کے سوز اختیار کر لیا۔ خود بھی اس طرف ایک شاعرانہ اشارہ کر گئے ہیں ؎

کہتے تھے پہلے میر میر، تب نہ ہوئے ہزار حیف
اب جو کہے ہیں سوز سوز، یعنی سدا جلا کرو

خوش طبع، متواضع اور مقبول لوگوں میں تھے، شاعری کے علاوہ خوش نویسی اور تیر اندازی میں بھی بڑے ماہر اور مشاق، موسیقی سے آگاہ اور ایک اچھے شہسوار تھے۔ شعر خوانی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ شعر اس طرح پڑھتے کہ سننے والے کبھی دم بخود ہو جاتے اور کبھی ان کے کمال اداکاری پر عش عش کرنے لگتے۔ ۱۷۷۱ء میں دلی کی تباہیوں سے متاثر یا اس کی خوش حالی سے مایوس ہو کر جب یہاں کے اہلِ کمال روزی اور سکون کی تلاش میں دوسری جگہوں کا رخ کرنے لگے تو انھوں نے بھی فقیرانہ لباس پہنا اور لکھنؤ کی راہ لی۔ بیس سال تک جد و جہد کرنے کے بعد جب کوئی خاطر خواہ صورت نہ نکلی تو مرشد آباد پہنچے۔ وہاں بھی قسمت نے یاوری نہ کی پھر لکھنؤ واپس آ گئے۔ آصف الدولہ نے اپنا استاد مقرر کر لیا۔ سال ہی بھر تک بے فکری اور فراغت کی زندگی بسر کر پائے تھے کہ سفر آخرت کا وقت آ گیا۔ لکھنؤ ہی میں مدفون ہوئے۔

دیوان نایاب ہے۔ تذکروں میں چند قطعے، رباعیاں اور زیادہ تر غزلوں ہی کے منتخب اشعار ملتے ہیں۔ شاعری کے بارے میں مولانا (محمد حسین) آزاد کی اس رائے سے اب تک کسی نے اختلاف یا اس کی تردید نہیں کی ہے۔

"میر سوز مرحوم کی زبان عجب میٹھی زبان ہے اور حقیقت میں غزل کی جان ہے"! ...
اُن کے شعر کا تو ام فقط محاورے کی چاشنی پر ہے، اضافت تشبیہہ، استعارہ، فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت کم ہیں، ان کے لحاظوں سے انھیں گویا اردو غزل کا شیخ سعدی کہنا چاہیئے"

انتخاب

چین آتا نہیں مجھے یارب ۔۔۔ دلِ پُر اضطراب ہوں کس کا

جن کو نت دیکھتے تھے اب اُن کا ۔۔۔ دیکھنا ہی خیال و خواب ہوا

کہاں میں اور کہاں اندیشۂ بوس و کنار اُس کا ۔۔۔ نہ بھائی! یہ خیالِ خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

مجھ سے مت جی کو لگا ڈر کہ نہیں رہنے کا ۔۔۔ میں مسافر ہوں کوئی دن کو چلا جاؤں گا

اہلِ ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا ۔۔۔ آہ یارب رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا

ابر کے قطرے سے ہو جاتے ہیں موتی، ناصحا ۔۔۔ کیا نہیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل ہوئے گا

خدایا کس کے بندے ہم کہاویں سخت مشکل ہے ۔۔۔ رکھے ہے ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا

اس سوا کھوج نہ پایا ترے دیوانے کا ۔۔۔ قطرۂ خوں ہے مگر خارِ بیاباں میں لگا

تمنا پیش کش، اُمید صدقے، آرزو قربان!
میں اپنے دل کی حسرت اپنے دل میں لے کے جاؤں گا

مروّتِ دشمنا! غفلت پناہا　　اِدھر بھی دیکھ تجھو مرا کے آہا
کئی اوقات سب لطلاں میں میری　　خدا وندا! کریما!! بادشاہا!!!
صرفت العمر فی لہوٍ و لعب　　فآہا ثم آہا، ثم آہا!!!

بستیاں اُجڑی ہیں اور اجڑے نگر آباد ہیں　　وے کہاں جن کے جُدا ہونے سے ہم ناشاد ہیں

کس طرح روتے ہو اے دیدۂ تر دیکھیں تو　　کس طرح بہتے ہو اے لختِ جگر دیکھیں تو
نوکِ مژگاں پہ تو آجاؤ جھمک کر پیارے　　لختِ دل آج تمھارا بھی ہُنر دیکھیں تو

آتا ہے وہ جفا جو، یتیغِ ستم کشیدہ　　دامن بدست چیدہ، ابرو بہم کشیدہ
صورت گرِ قضا نے، تجھ سا نہ کوئی کھینچا　　ہاں حُسنِ ماہ کہیئے، سو ہے قلم کشیدہ

جس گلشنِ جہاں میں کہ صیاد کا ہو خوف　　رہنا برنگِ بلبلِ تصویر شرط ہے

اشکِ خوں آنکھوں میں آکر جم گئے　　دُور رکے بھی دیکھنے سے ہم گئے

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا　　پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

جوں خضر، ہوس عمرِ ابد کی نہیں مجھ کو　　اُس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس گذر جائے

قطعہ

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ہو بدستور، کہ گاہے گاہے
دیکھ کر مُنھ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرد
یوں اشارت سے جتایا [illegible]

نئی مطبوعات

دو ہاتھ (افسانے) عصمت چغتائی قیمت ۳/۵۰ ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

روحِ اقبال (اضافہ شدہ نیا ایڈیشن) ڈاکٹر یوسف حسین ۷/۵۰ " " " "

تاریخ الامت ششم (اسلامی تاریخ) مولانا اسلم جیراجپوری ۳/۲۵ " " " "

بیوہ (ناول) منشی پریم چند ۲/۷۵ " " " "

خانہ جنگی (ڈراما) پروفیسر محمد مجیب ۱/۵۰ " " " "

حدیثِ دل (اضافہ شدہ نیا ایڈیشن) غلام ربانی تاباں ۲/۲۵ ملنے کا پتہ " " "

قوموں کا عروج و زوال سید اقبال احمد جونپوری ۷/- " شیرازۂ ہند پبلشنگ ہاؤس ۹۲ رضوی خاں جونپور (یوپی)

مذاہب کی روشنی میں

مضامین الہلال (مضامین) مولانا ابوالکلام آزاد ۳/۷۵ ادارہ اشاعت القرآن دہلی ۶

پتھر کے دیوتا (ناول) مصنف آرتھر کوئسلر مترجم گوپال متل ۱/- نیشنل اکاڈمی - ۹۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی ۶

پردۂ غفلت (ڈراما) ڈاکٹر سید عابد حسین ۱/- کتابستان الہ آباد

اُردو ادب کی تاریخ (پانچواں ایڈیشن) نسیم قریشی ۳/- فرینڈس بک ہاؤس، علی گڑھ

سفینہ و ساحل (دوسرا ایڈیشن) عزیز وارثی ۴/- مکتبہ شان دہلی ۶

تین لڑکیاں (ناول) شہزادہ تبسم ۴/- نیو تاج آفس، دہلی ۶

تیری صورت میری دنیا (") عادل رشید ۳/- نرائن دت سہگل، دہلی ۶

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ اُن کی زبانی مصنف مرزا فرحت اللہ بیگ مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی ۱/۲۲ آزاد کتاب گھر، دہلی ۶

کلیاتِ اقبال (اردو کلام) علامہ اقبال ۱/۰

کسان اور دیوتا (ناول) کرشن چندر ۱/۰

لاجی بنگا (") عادل رشید ۱/۰

برتھ کنٹرول ڈاکٹر وشنو داس ۱/۰

شکاری عورتیں (افسانے) سعادت حسن منٹو ۱/۰

منزل ایک مسافر دو (ناول) مہندر ناتھ ۱/۰

بھولنے والے (") زلیخا حسین ۱/۰

راہی کی روح (") جمیل انجم ۱/۰

ریشماں (") ذکی انور ۱/۰

بہشتی زیور اول تا سوم (مذہبی) مولانا اشرف علی تھانوی ۱/۰

" " چہارم تا ششم (") " " " ۱/۰

ناشر :- مشورہ بک ڈپو، دہلی ۶

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی ۲۵

فکر و خیال (۱۰۱ شعرا کا اہم طرحی کلام) مرتبہ زہیر کنجاہی ۱/۰ افقر اکاڈمی ۵/۸ جوہر ہڑیال راولپنڈی

ادب اور تنقید ڈاکٹر شاہ علی ۵/۰ مشتاق بک ڈپو نزد اُردو کالج، شیلڈن روڈ کراچی ۱

فن رباعی " " " ۵/۰ " " " "

اُردو انشائیہ " " " ۵/۰ " " " "

امام الہند ابوالکلام (حالات و افکار) سلیمان الہند ۵/۰ " " " "

زیرِ طبع کتابیں

ادب اور لغیات دیوندر اسّر قیمت ۲/۷۵ مکتبہ شاہراہ، دہلی ۶

مفتاح التبلیغ مولانا حسن خان میواتی ۲/۰ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی ۶

ارمغان (افقر موہانی کی منتخب غزلیں) مرتبہ زہیر کنجاہی ۱/۰ افقر اکاڈمی، راولپنڈی

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزہ

تذکرۂ جگر

از:- محمود علی خاں جامعی
سائز: $\frac{20\times30}{16}$ صفحات: ۱۷۶
قیمت: تین روپے
سنِ طباعت: فروری ۱۹۶۲ء
ناشر و طابع: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

۹ ستمبر ۱۹۶۲ء کو جگر صاحب مرحوم کی وفات کو پورے دو سال ہو جائیں گے اتنے دنوں میں ہندوستان اور پاکستان کا شاید ہی کوئی اخبار اور اردو رسالہ ایسا ہوگا جس میں اُن کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہو، بلکہ بعض رسالوں نے تو اہتمام اور خصوصیت کے ساتھ جگر نمبر شائع کئے۔ محض اس لئے نہیں کہ دورِ حاضر میں جگر اردو کے ایک خوش گو اور خوش آواز شاعر تھے بلکہ اس لئے بھی کہ شاعری کے علاوہ انسانی سیرت اور کردار میں بھی بہت سی ایسی خوبیاں اور قابلِ قدر صفتیں تھیں جن کو نہ اُس زمانہ کے لوگ نظر انداز کر سکتے ہیں اور نہ آیندہ لوگوں کو انھیں بھولنا چاہیے۔

یہ تذکرہ خود جگر صاحب کی خاطر بلکہ انھیں کی تحریک پر قلمبند کیا گیا تھا جو پہلی بار یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء میں پاکستان سے شائع ہوا۔ جگر صاحب مرحوم کی مقبولیت اور ہندوستان سے ان کا تعلق کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے وطن میں بھی چھپے اور وہ بھی مکتبہ جامعہ جیسے ادارے کی طرف سے۔

محمود علی خاں صاحب مرتب تذکرہ، بہت سی معیاری اور مفید کتابوں کے مترجم اور مولف کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں متعارف اور مشہور ہونے کے علاوہ جگر صاحب مرحوم کے اُن مخصوص دوستوں اور قدردانوں میں سے ہیں جنھوں نے مسلسل ۳۵ برس تک اُن کو ہرحال اور ہر دور میں دور و نزدیک رہ کر دیکھا ہے۔ دوستی کی بنیادیں ملک سے وابستگی یا مشاغل میں شریک رہ کر نہیں بلکہ محض اخلاص، محبت اور قدرشناسی پر مبنی رہی ہیں اسی لئے سیرت کے وہ پہلو جو روشن، مسلّم اور قابلِ قدر تھے اُن کی جمع و ترتیب میں کوئی گوشہ اور کوئی واقعہ نظرانداز نہیں ہونے دیا ہے۔ اس کی تشریح اور وضاحت نیز اس پر اظہارِ مسرت میں بھی کسی تامل یا اختصار و انتخاب سے کام لینے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اب رہ گئیں "ممدوح" کی لغزشیں اور خامیاں اُن کو بھی یکسر فراموش نہیں کیا ہے، "نو در"، "غصہ" اور "شراب کا خروج" ان عنوانات کے تحت کمزوریوں، معائب اور قابلِ اعتراض باتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اشاروں کنایوں میں نہیں بلکہ صراحت سے اور کہیں کہیں تفصیل کے ساتھ ـــ ایک دوست سے کسی دوسرے دوست کی سیرت نگاری کے سلسلے میں اس سے زیادہ توقع بھی نہ کرنا چاہئے۔

پوری کتاب میں چار بڑے بڑے باب قائم کئے ہیں اور اُن کے تحت بہت سے عنوان اور سرخیاں ہیں جس میں پیدائش سے لے کر موت تک کی قریب قریب سب ہی ضروری باتوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے اس طرح سوانح، سیرت، شخصیت اور شاعری سے متعلق کم و بیش وہ تمام معلومات یک جا ہو گئی ہیں جن سے جگر صاحب مرحوم کو سمجھنے میں آج مدد ملتی ہے اور اور آیندہ بھی اس کتاب کے حوالے درست اور مرتب کی شہادتیں معتبر سمجھی جائیں گی۔

"وضع داری، آمدنی، مذہب، ترنم، شراب اور شاعری" ان پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آیندہ بھی لکھا جائے گا لیکن اس تذکرے میں "شادیوں"، "تلمذ"، "نذرانہ" اور "متشاگرد" کے عنوانوں سے جو باتیں لکھی گئی ہیں وہ جگر صاحب مرحوم کے بہت سے واقف کاروں کی معلومات میں اضافے کا سبب بنیں گی اور ہو سکتا ہے کہ نقادوں یا مداحوں کے لئے بھی اور مسالا بہم پہنچائیں۔

صـ ۸۰ کی تیسری سطر میں "اعزاز" کے تحت حکومتِ ہند کی طرف سے "پدما بھوشن" کا ذکر واقعے کے خلاف ہے، دوسرے اڈیشن میں اسے حذف کر دینا چاہئے۔

معقول کتابت و طباعت، سرورق پر ادیا آما مرحوم کا بنایا ہوا مشہور ما سکیچ اور اندر

۱۹۵۵ء کی ایک تصویر ان چیزوں سے بھی کتاب کی ظاہری اور معنوی خوبیوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔

رشید نعمانی

★

ساحر اور اُس کی شاعری

مرتبہ : پرکاش پنڈت
سائز : ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات : ۱۶۰
قیمت : ایک روپیہ
ناشر : سٹار پبلیکیشنز - ۲۷۱۵
دریا گنج دہلی ۶

اس مجموعے میں ساحر لدھیانوی کی ۹۱ نظموں اور ۱۲ فلمی گیتوں کا انتخاب شامل کیا گیا ہے جو یقیناً ایک مفید اور کامیاب کوشش ہے۔ فلم انڈسٹری متمدن دنیا کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اخبار۔ ریڈیو۔ اور ٹیلی ویژن کی مانند "فلم" بھی عوامی ذہن کی تربیت وتہذیب اور سماج سدھار کا موثر ذریعہ ہے۔

ساحر کے فن کی بنیاد خلوص ہے اسی لئے ان حسین اوراق میں شدّت احساس، فکر، مشاہدہ اور ماحول کے سچّے تاثرات کی جلوہ گری ملے گی۔ تاج، چکلے اور مادام وغیرہ مختصر نظموں کے علاوہ ایک طویل نظم "پرچھائیاں" بھی شامل کی گئی ہے جو بے حد لائق تحسین ہے۔

ساحر کی آواز بے انصافی کے خلاف ایک احتجاج ہے۔ وہ امن ومحبت کا پیغامبر ہے۔ ثنا خوان تقدیس مشرق ہے میرے عہد کے حسینو، اور بلاوا میں شاعر کی آواز ایک عالمگیر اپیل کی ضمانت بن جاتی ہے اور وہی آواز فلمی گیتوں کے روپ میں "وہ صبح کبھی تو آئے گی"۔ "چاند مدھم ہے"، "مردوں نے بنائیں جو رسمیں، اُن کو حق کا فرمان کہا" میں ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑ تی ہے۔

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ساحر کی زندگی، شخصیت اور فن پر کیفی اعظمی، کنہیا لال کپور، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس، سجاد ظہیر، سردار جعفری اور دیوندر ستیارتھی کے مضامین بھی شامل کر دئے گئے ہیں نیز فلمی سیکشن میں جاں نثار اختر اور فلمی اداکارہ نرگس

نے ساحر لدھیانوی کا نہایت خلوص کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔

کتاب کے آخری صفحے پر شاعر کی خوبصورت تصویر ہے۔ حُسن طباعت بھی کچھ کم جاذبِ نظر نہیں غرض یہ مجموعہ ہر لحاظ سے پسندیدہ اور قابلِ مبارکباد ہے۔

سیفی پریمی

★

ادھورے خاکے

از:- شرف کمالی
سائز:- ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات:- ۱۴۴
قیمت:- تین روپے
ملنے کا پتہ:- شرف کمالی۔ کالسنہ ضلع رتناگیری

شرف کمالی صاحب کالسنہ، چپلون۔ ضلع رتناگیری میں رہتے ہیں۔ "ادھورے خاکے" اُن کا مجموعۂ کلام ہے اور اُن کی پندرہ سالہ کوششوں کا مظہر۔

شرف صاحب کا کہنا ہے کہ "میرا دل حالات سے بہت جلد متاثر ہوجاتا ہے اور جس وقت اور جہاں کبھی آوازِ صداقت بلند کرنے کا موقع آتا ہے یہ بلا جھجک میدان میں اتر آتا ہے"۔ غالباً طبیعت کا یہی جوش ہے جو اُن کی شاعری کا سب سے بڑا محرک ہے۔ شرف صاحب کی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر ان کو جو ماحول ملا وہ ایسا لگتا ہے کہ اردو شعر کی باریکیوں، اُس کے حُسن اور اُس کی لطافتوں کے لئے کچھ بہت سازگار نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس ماحول میں "ہر ہر قدم پر ہمت افزائیاں ہوتی رہیں"۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر ٹھیک ہی ہے کہ ہر ہر قدم پر ہمت افزائیاں اور تحسین فن کار کے لئے بسا اوقات دشمن ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "ادھورے خاکے" میں اگر ایسے رواں شعر ہیں ؎

ذرہ کی بھی قیمت ہوتی ہے، ہر چیز کا بدلہ ملتا ہے
اک میری وفاؤں کا لیکن دنیا میں کوئی انعام نہیں

تو دوسری طرف ؎

ہچکیاں آرہی ہیں پیہم   تذکرہ میرا چھڑ گیا تو نہیں

تیز تر ہو رہی ہے نبضِ حیات   وہ لبِ بام آ گیا تو نہیں

جیسے اشعار بھی کثرت سے موجود ہیں ۔ ان اشعار میں زبان کی جو بے لطفی ہے وہ ظاہر ہے۔

اشاعت سے پہلے اگر شعرا اپنے کلام کا انتخاب کر لیا کریں تو بہت اچھا رہے۔ ایسے اشعار خود شاعر ہی قلم زد کر سکتے ہیں جو ان کے مجموعے کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔

کتاب کا پیش لفظ، جناب عبدالحمید صاحب ایڈیٹر "صبحِ امید" بمبئی نے لکھا ہے۔ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں "آپ بھی کسی سے رومان لڑانا چاہیں تو اس کلام سے فیض اٹھائیے"۔ اس قسم کا سطحی اور گھٹیا اندازِ تحریر کے لئے نہیں ہوتا۔ چند بے تکلف دوست بیٹھ کر آپس میں اس قسم کی ہلکی پھلکی گفتگو کر سکتے ہیں مگر کتاب کے دیباچے میں ایسے طرزِ اظہار سے اگر گریز کیا جائے تو اچھا ہے۔

کتاب کی طباعت بہت اچھی ہے اور کاغذ مناسب۔

مسعود الحق

★

ممتاز القواعد

از:۔ ایس۔ جالب مظاہری
سائز:۔ ۱۸×۲۲ صفحات:۔ ۱۸۵
قیمت:۔ دو روپے ۵۰ نئے پیسے
پبلشرز:۔ علوی بک ڈپو۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

فارسی زبان سے ہمارا تعلق بڑا پرانا ہے، اور اس کی ملاحت اور اس کے لطف سے ہم محظوظ بھی ہوتے ہیں۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس تعلق اور دلچسپی کے باوجود فارسی زبان سے ہمارے طالب علموں کی واقفیت عموماً برائے نام ہی رہتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے طالب علم فارسی قواعد سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے۔ چنانچہ فارسی میں اظہارِ خیال کرنے اور زبان کی باریکیوں اور لطافتوں سے پورے طور پر لطف اٹھانے کے معاملے میں وہ اکثر گھاٹے میں رہتے ہیں۔

ایس۔ جالب مظاہری صاحب کی یہ کتاب ایک لغت کی حیثیت رکھتی ہے،

طالب علموں کے لئے بھی اور فارسی زبان کے پڑھانے والوں کے لئے بھی۔ انھوں نے اس تالیف کی ترتیب میں جس کاوش و تلاش سے کام لیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ قواعد فارسی کے جملہ مسائل پر آپ نے نظر ڈالی ہے۔ مناسب مثالوں سے ان مسائل کی وضاحت کرنے اور بات سمجھانے میں مختلف ذہنی معیاروں کا جس طرح خیال رکھا گیا ہے وہ مظاہری صاحب کے معلمی کے پندرہ سالہ تجربے کا شاہد ہے۔

کتاب کی افادیت اور مظاہری صاحب کی سعی کامیاب کے ثبوت میں یہ بات کیا کم ہے کہ کتاب کا مقدمہ ایک اہل زبان یعنی جناب رئیس، خانہ فرہنگ ایران ڈاکٹر احمد نیاہی ایم۔اے پی۔ ایچ۔ ڈی لٹ نے لکھا ہے۔ اور امید ظاہر کی ہے کہ ایسی کوششوں سے ہندوستان میں فارسی کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔

مسعود احمد

★

وطنی نظمیں

از:۔ شفیع الدین نیّر
سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات:۔ ۸۰
قیمت:۔ ۸۵ نئے پیسے
ناشر:۔ نیّر کتاب گھر۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
سن طباعت:۔ بار دوم جون ۱۹۶۲ء

نیّر صاحب کی نظموں کے بارے میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ نیّر صاحب کی ہیں۔ اب اُن کا نام اور کلام، رسمی تعارف سے بے نیاز، اپنی سند آپ ہے۔ ۱۹۳۴ء میں ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ "بچوں کا تحفہ" شائع ہوا جس کی اشاعت اب تک پچاس ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نظموں کے کئی اور مجموعے شائع ہوئے ہیں اور سب ہی "بچوں کا تحفہ" کہلانے کے مستحق ہیں۔ نیّر صاحب سے بچوں، بالخصوص چھوٹے بچوں کو جو کچھ اور جس قدر اس وقت تک مل چکا ہے وہ اس زمانے میں شاید ہی کسی اور سے ملا ہو۔ اُن کے کلام میں شاعر کا دل دھڑکتا ہے اور معلم کی نظر کام کرتی ہے۔ اُن کی نظمیں، بچوں کی طبیعت کو صرف خوش ہی نہیں کرتیں بلکہ اُن کے جذبات کو سنوارتی اور اخلاق کو درست بھی کرتی ہیں۔

"وطنی نظمیں" پہلی بار ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھیں۔ اب نظرثانی کے بعد صاف ستھرے طور پر ان کی دوبارہ اشاعت کی گئی ہے۔ یہ نظمیں بچوں میں وطن کی لگن پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اُن میں یگانگت بھی پیدا کرتی ہیں اور انھیں عظمتِ وطن کا احساس بھی دلاتی ہیں۔ قومی یک جہتی اور جذباتی ہم آہنگی کو عزیز رکھنے والے ہر ایک محبِ وطن کو چاہئے کہ ایسی نظمیں اپنے بچوں کو پڑھائے اور یاد کرائے۔ یہ نظمیں نونہالانِ وطن کی ذہنی اور جذباتی تربیت کا ایک موثر ذریعہ ہیں اور اُن کے لئے سامانِ لطف بھی۔

عبداللہ ولی بخش قادری

★

مسنون دعائیں

از:۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری

سائز: $\frac{18\times 22}{16}$ صفحات:۔ ۹۶

قیمت چھ آنے

ناشر:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ دہلی ۶

جدید ایڈیشن جنوری ۱۹۶۲ء

اس مجموعہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن دعاؤں کا ذکر ہے جو وقتاً فوقتاً موقع بہ موقع آپ بارگاہِ خداوندی میں پیش فرماتے تھے۔ ان دعاؤں کے ترجمے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح ایک مومن اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں ہر وقت یادِ الٰہی میں سرشار رہ سکتا ہے۔ ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہے۔

شبنم قادری

★

اسلامی نام

از:۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب، بلند شہری

سائز:۔ $\frac{20\times 30}{16}$ صفحات:۔ ۳۲

قیمت:۔ چار آنے

ناشر:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ دہلی ۶

سن طباعت جنوری ۱۹۶۲ء

اسلام چند رسموں اور عقیدوں کا نام نہیں بلکہ ایک عملی زندگی کا نام ہے جو انسان کے ہر شعبۂ حیات میں رہنمائی کرتا ہے۔ اسی طرح نام رکھنے کا مسئلہ ہے۔ بعض حضرات کو عجیب عجیب

نام رکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ نام کا اثر انسان کے کردار پر بھی پڑتا ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں بھی ہدایت فرمائی ہے کہ نام کیسے رکھنے چاہئیں اور کسی کو بُرے نام سے نہ پکارا جائے، اچھے سے اچھے نام سے پکارا جائے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نام رکھتے وقت ایک مسلمان کو کس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔

شبنم قادری

★

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

از:- مولانا عبد الباطن صاحب جون پوری

سائز:- ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات:- ۷۶

قیمت:- بارہ آنے

ناشر:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ دہلی ۶

سن طباعت:- جنوری ۱۹۶۲ء

اعتراض کرنے کی ہر جگہ گنجائش نکل آتی ہے چنانچہ اسلام جیسے عظیم الشان اور سچے مذہب پر بھی بعض لوگوں نے اعتراض کئے ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کے جواب میں مسلمان علماء نے بہت کچھ لکھا ہے جس سے ہر انسان کے قلب کی تسلی ہوجاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے مگر وہ کون سی تلوار تھی؟ فولاد کی نہیں بلکہ رسول اللہ کے اخلاق کی، خُلق و مروّت کی، رافت و رحمت کی

اس کتابچہ میں غیر مسلموں کے بیانات سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان اور بالخصوص غیر مسلموں کے لئے یقیناً مفید ہو گا

شبنم قادری

پاکستانی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
امریکی ناول اور اس کی روایات	رچرڈ چیز، مترجم سید وقار عظیم	۵/-
اقبال اور گوئٹے	محمد اشرف خاں	۲/-
اجالا	قیسی رام پوری	۷/۵۰
اجنبی حکمراں	پنڈرل مون	۴/-
ارمانوں کی بستی	مجاہد لکھنوی	۵/۸۰
آزادی اور تہذیب	مترجم عبادت بریلوی	۴/-
آنچ	رئیس احمد جعفری	۶/-
اسرار حرم	اعجاز الرحمن	۴/-
اور تارا ٹوٹ گیا	خالد چودھری	۳/۳۷
آن	رئیس احمد جعفری	۴/۷۵
آتش کدہ	جانباز مرزا	۲/۵۰
الہارون	عمر ابو النصر	۲/۲۵
ایران جاگ اٹھا	انعام اللہ خاں	۱/۲۵
اللہ کی باتیں	محمد اسماعیل	-/۶۵
انیقہ	ابن حیات	۴/۲۵
اونٹ سے اونٹ	لال یعقوب	۲/۵۰
انتخاب سودا	ثاقب کانپوری	۳/۵۰
آداب بندگی	محمد اقبال سلمان	۳/-

کتاب	مصنف	قیمت
آخر شب	یونس جاوید	۴/-
اندھیری رات کے مسافر	یونس ادیب	۳/۵۰
امتیاز	خواجہ احمد عباس	۳/-
اچھی صورت بری نگاہ	ریاض ارشد	۳/-
اسمارائیں	ممتاز مفتی	۴/۵۰
آگ	ابراہیم موج	۲/-
انقلاب	راحت آرا بیگم	۱/۷۵
ایک داغ نہاں اور	ایم ذکا انصاری	۳/۵۰
ابلیس	الیاس سیتاپوری	۵/۵۰
اسی کا نام دنیا ہے	رئیس احمد	۱۲/-
اردو تنقید کا ارتقاء	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۷/۵۰
اسد اللہ	منشی امیر احمد سیاب	۲/۲۵
پیچ و خم	ادا شیرازی	۲/-
انقلاب مصر	عشرت رحمانی	۵/-
انتخاب اصغر	جمیل نقوی	۲/-
اجالے سے پہلے	ابراہیم	۳/-
اندھیر	سید محمد ایوب	۳/-
ایک مجاہد ایک شہید	مائل ملیح آبادی	۲/۵۰

بادۂ شبانہ	اختر انصاری	۳/۵۰
باجی	مسعود الحسن ڈار	۲/۰
بھڑکتے شعلے	عزیز آفاقی	۱/۷۵
بازار حیات	احمد ندیم قاسمی	۳/-
برف کے پھول	کرشن چندر	۳/-
باطو خاں	وائی ماں	۷/-
بے کلی	عذرا اجمال	۶/۷۵
برگ سبز	ابو مسلم صحافی	۱/۷۵
بنت الہوس	اشرف درانی	۴/۵۰
بہکے قدم	سید امرت	۳/۵۰
بانسری کی آواز	راحت آرا بیگم	۱/۲۵
بہرام کی گرفتاری	ظفر عمر	۳/۲۵
بھنور	صنم پرویز	۲/۵۰
پردیسی	صابرہ انجم	۱/۵۰
پہلی عورت	ریاض ارشد	۲/۵۰
پہلو	محمد لطف اللہ عدیل	۲/-
پیار کے راہی	مائل ملیح آبادی	۵/-
پیاسی	احمد شجاع پاشا	۷/۵۰
پراسرار عرب	خان محبوب طرزی	۳/۵۰
پرائی آگ	سید امرت	۲/۵۰
پشیمانی	عذرا اجمال	۶/-
پراسرار تہہ خانہ	عارف حجازی	۲/۵۰
پہلی چوٹ	ریاض ارشد	۲/۷۵
پگلی	شوکت تھانوی	۳/۷۵
پیلو	احمد شجاع پاشا	۷/۵۰
پھول اور پتھر	خالد غزنوی	۱/۲۵
پراسرار ساز	محمد جلیل الرحمٰن	-/۷۵
تیر نیمکش	خلیل احمد	۴/۰
تذکرۂ انگلستان	بریگیڈیئر گلزار احمد	۲/۵۰
تعمیر حیات	فیروز شاہ	۵/۵۰
تاریخ عالم	مولوی رحیم بخش	۴/-
تاریک سویرا	احمد شجاع پاشا	۴/۵۰
تلاش سکون	خواجہ عبدالحمید	۳/۰
تلاش بہاراں	جمیلہ ہاشمی	۱۰/-
تحلیل نفسی	حزب اللہ	۱۲/-
تاریخ خوارج	عمر ابو النصر	۵/-
ٹکنیکل کورس	حیدر خادلی	۲/۵۰
ثمینہ	ایاس سیتاپوری	۶/۵۰
ثمر گناہ	اکرام الدین	۳/۰
ثمرہ دیانت	قاضی عزیز الدین	۳/-
ثقافت کی تلاش	نسیم حجازی	۲/۵۰
جی۔ٹی۔ایس	انور جلال	۴/۲۵
جال	رئیس احمد	۶/-
چنگیز خاں	ہیرلڈ لیم	۴/-
جیتا جاگتا	مترجم محمد یوسف	۳/۵۰
جزیروں کے گیت	رضیہ قمر جعفری	۲/۰
جادو کی رسیں	رحمان مذنب	۵/۰
جہاں آرا	قمر تسکین	۶/۵۰
جدائی	عذرا اجمال	۶/۷۵
جھوٹے بندھن	ایس۔ اے صدیقی	۳/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
جوا	ابن حیات	۴/۰
چنگاریاں	چھیل داس	۱/۵۰
جنگلی	آرزو چودھری	۴/۵۰
چیلنج	قیسی رام پوری	۴/۵۰
حادثے	ظفر عالمگیر	۳/۰
حاتم کی کہانی طائی کی زبانی	فرید رضوان	۲/۷۵
خطاکار	وحشی محمود آبادی	۲/۰
خونی ملکہ	عشرت جہاں	۲/۰
خزینہ	شباب کیرانوی	۴/۵۰
خوفناک سازش	ببر	۲/۰
خوناب	اختر انصاری	۲/۰
دھتکارے انسان	عنایت اللہ	۵/۰
دوزخ	سعید بھوپالی	۱/۵۰
دوشیزہ	ڈاکٹر یوسف حسین	۳/۰
دردِ عشق	ضیاء الرشید	۲/۲۵
دلِ دیوانہ	سعید امرت	۳/۰
دلہن	محمود ریاض	۵/۰
دھمکہ	نائب نقوی	۵/۰
درسِ وفا	مولانا ابوالکلام آزاد	۱/۲۵
داشتہ	سعید لدھیانوی	۵/۰
داستان انتقام	شیخ محمد رضا	۳/۵۰
دھوکا	پروفیسر ایم طاہر جمیل	۱/۲۵
روحِ سلمیٰ	سکندر اقبال	۴/۰
راستے	ظفر عالمگیر	۳/۵۰
رخسانہ	عاجز بدایونی	۴/۰
رانی	قیسی رام پوری	۶/۰
رحمت کا خزانہ	محمد عبدالقیوم	۳/۵۰
رخشی	لیلیٰ قزلباش	۲/۵۰
رقیب	عذرا اجمال	۶/۰
رضیہ سلطانہ	قیسی رام پوری	۵/۰
رونق	،،	۳/۲۵
رخشاں	سعیدہ مظہر	۳/۵۰
زینب	قمر تسکین	۴/۷۵
زندگی اور عمل	ڈاکٹر	۲/۵۰
زہرہ	اکرام الدین	۴/۵۰
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	مترجم رئیس احمد جعفری	۳/۵۰
زرینہ	عابد رشید	۳/۰
زہر آرزو	ساغر صدیقی	۲/۰
سوزِ شبِ غم	سلیم چودھری	۳/۰
سرد شعلے	جی۔ ایم۔ ناز	۲/۱۲
سنگم اور سائے	عبدالقدیر رشک	۱/۷۵
سیم و زر	بیگم نسیم انہونوی	۱/۲۵
سورج کا داغ	اے۔ حمید	۳/۵۰
سعدیہ	قیسی رام پوری	۸/۰
سفینہ	ایم ذکا انصاری	۳/۲۵
سارا جہاں اداس ہے	قمر تسکین	۵/۰
سالنامہ پاکستان	عبدالجمیل خاں	۲/۵۰
سرمایۂ زندگی	محمد احتشام الحسن	۳/۰
سنجیدہ	قیسی	۲/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
ستم آرا	قیسی رام پوری	۵/۵۰
سوز ناتمام	میمونہ تسلیم	۳/-
سسلی سے اٹلی تک	وحشی مارہروی	۸/-
سلطانہ	رئیس احمد جعفری	۱۲/-
ساحل سے دور	سردار محمود	۴/-
سلیمان شکوہ	آرزو چودھری	۵/-
سلطان احمد نبیل	محمد رحیم دہلوی	۲/-
سائرہ	قیسی رام پوری	۵/۵۰
سوچیے اور دولت کمائیے	مترجم محمد غوث صدیقی	۵/۵۰
۱۸۵۷ء کے ہیرو	سیدہ انیس فاطمہ	۳/-
سناٹا	احمد ندیم قاسمی	۳/۵۰
سرفروش دکن	وحشی مارہروی	۳/۵۰
ساز و صدف	عدم	۲/۲۵
سرخ و سیاہ	لعل	۵/۵۰
شرط وفا	مجاہد لکھنوی	۴/۵۰
شیشہ و سنگ	خنجر لکھنوی	۲/-
شبنم	عزیز احمد	۵/-
شائستہ	نادرہ خاتون	۵/-
شکستِ صلیب	رئیس احمد جعفری	۷/۵۰
شہر سوئے دیوانے	احمد شجاع	۵/-
شعلے	واجدہ تبسم	۳/-
شام ڈھلے	عابد رشید	۴/۵۰
شہزادی	محمد سعید	۴/۵۰

کتاب	مصنف	قیمت
شرح بانگ درا	یوسف سلیم چشتی	۵/-
شہاب الدین غوری	رئیس احمد	۸/-
شمع	اے۔ آر خاتون	۵/-
شمع علم	سعید امرت	۳/-
شاہدہ	انتصار حسین	۳/-
صدا الصحرا	ایم۔ اسلم	۱/-
صیاد	،،	۳/-
طبقات	احسان دانش	۲/۵۰
عابدہ کے نام	منظور ممتاز	۲/۵۰
عرفان اقبال اور افاداتِ نیازی	بشیر مخفی	۳/-
عتاب	آرزو چودھری	۴/-
عجمی دلہن	ندیم صہبائی	۵/-
عظمت رفتہ	ضیاء الدین احمد	۱۰/-
عبرت بہارستانی	امیر مینائی	۳/۵۰
عربی دلہن	ابو سعید عباسی	۲/-
غلامان سمرو	نرگس جمال	۳/۷۵
غلغلہ	احمد سعید	۲/-
فسانہ	عشرت رحمانی	۳/-
فتنۂ پرویز	ایم عبدالرحمٰن	۴/-
فاتح ایران	غضنفر علی	۴/-
قوم اور قومیت	اسٹالن	۱/۵۰
قرآنی دستور حیات	مولانا ابو یحییٰ خاں	۴/-

ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

مرتبہ :۔ ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

جشنِ شاد عارفی اکتوبر کے پہلے ہفتے میں کلچرا ینڈ ویلفیر رام پور (یوپی) کے اہتمام سے جشنِ شادؔ عارفی منایا جارہا ہے اس موقع پر شادؔ عارفی کے فن پر خصوصاً اور جدید شعر و ادب کے مسائل پر عموماً ایک سیمپوزیم ہوگا جس میں اُردو کے اہم نقاد حصّہ لیں گے۔ مشاعرہ ہوگا اور ایک ادبی نمائش کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔

افقر اکادمی راولپنڈی (پاکستان) میں ادبی کتابوں کی اشاعت کرنے والے ایک ادارے افقر اکادمی، کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہ ادارہ ہند و پاکستان کے ادبی رسائل اور بہترین کتابیں شائقین کو مہیا کرے گا اکادمی کی رکنیت کے "قواعد و ضوابط" اس پتے سے منگائے جا سکتے ہیں۔

مہتمم افقر اکادمی ۔ ۸۔ ڈی چوہڑ ہڑپال ۔ راولپنڈی (پاکستان)

پڑھنے والی مشین لندن کے بازاروں میں ایک پڑھنے والی مشین بھی آگئی ہے یہ مشین یوں تو تجارتی معلومات مہیا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے مگر اس کی ایک قسم کو امریکہ کے محکمۂ ڈاک نے "ڈاک سارٹر" کے طور پر مستعار لیا ہے۔ یہ مشین ایک گھنٹے میں ۹۰۰۰ پتے پڑھ سکتی ہے۔ جو پتے صاف نہیں ہوتے یا جو اچھی طرح سے ٹائپ نہیں ہوتے انھیں یہ مشین ایک طرف پھینک دیتی ہے۔ یہ مشین ٹائپ کئے ہوئے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ پتوں کو پڑھ سکتی ہے۔

برقی نرس برطانیہ میں نرسوں کی کمی کو دور کرنے لئے ایک خودکار مشین ایجاد کی ہے جسے برقی نرس کہا جاتا ہے۔ یہ مشین خود بخود مریضوں کی نبض، سانس کی رفتار، دل کی حرکت، درجۂ حرارت ریکارڈ کرے گی۔ اس مشین کی ایجاد کے بعد تربیت یافتہ نرسوں کو اس طرح کے کاموں سے فرصت ملے گی اور وہ مریضوں کی دیکھ بھا

پر زیادہ وقت صرف کر سکیں گی۔

خلائی تسخیر کا ایک نیا باب

ماسکو ۱۵؍اگست ۱۹۶۲ء خلائی جہازوں کی مشترکہ پرواز کا پروگرام جن پر سوویت یونین کے شہری خلا باز میجر آندریا نکولائف اور لفٹننٹ کرنل پاویل پپوویچ تھے، مکمل طور پر پورا ہوا۔

مشترک خلائی پرواز کے دوران خلائی جہازوں کے درمیان دوطرفہ ریڈیو رابطہ پہلی بار برقرار رکھا گیا۔ پرواز کے دوران خلابازوں نے ایک دوسرے سے گفتگو کی، مشاہدات پر تبادلۂ خیال کیا اور اپنے کام میں تال میل پیدا کیا طویل خلائی پروازوں کے دوران رسل ورسائل کا انتظام کرنے کے متعلق بہت قیمتی مواد ملا۔

اس مشترکہ پرواز کے ذریعہ زبردست سائنسی اور ٹکنکل اہمیت کا مواد جمع کیا گیا جو بیرونی خلا کی مزید تسخیر اور انسان کے پرانے خواب یعنی دوسرے سیاروں تک پہنچنے کے کام میں غیر معمولی اہمیت اختیار کرے گا۔

شاہد صدیقی

۳۱؍جولائی کی رات کو اردو کے مشہور شاعر شاہد صدیقی حیدر آبادی کا دماغ کی رگیں پھٹ جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی عمر ۵۱ سال تھی۔

جلسۂ تعزیت

۱۶؍اگست کو ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد کی طرف سے ملک کے ممتاز شاعر و صحافی جناب شاہد صدیقی (صاحب چراغ منزل) کی اچانک وفات پر جلسۂ تعزیت "ایوان اردو" میں منعقد ہوا۔ نواب میر احمد علی خاں ریاستی وزیر اندھرا پردیش نے اس جلسے کی صدارت فرمائی۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی، پروفیسر سید محمد، پروفیسر عالم خوندمیری نے تقریروں کے ذریعہ شاہد مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا۔ آدج یعقوبی، وقار خلیل، بانو طاہرہ سعید، مرزا شکور بیگ، وحید مرزا، صلاح الدین نیر اور سعادت جہاں رضوی نے منظوم خراج عقیدت ادا کیا۔ قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔ دو منٹ کی خاموشی اور فاتحہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

سالانہ چندہ: ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	فی پرچہ: دس نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کیلئے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

شیدا
پروفیسر محمد مجیب کی لکھی ہوئی
بچوں کے لئے ایک بیوقوف
کی سبق آموز کہانی۔
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
لال مرغی
لال مرغی اور اس کے نکھٹو ساتھیوں کی کہانی
اور مکار لومڑی کو پکڑ دینے کے دلچسپ
حالات۔
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
چنبیلی
ایک چھوٹی سی خوبصورت
سفید بالوں والی بلی کی
مزیدار کہانی۔
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
بچوں کے لئے
مزیدار کہانیاں
نظمیں
اور
ڈرامے
بچوں کا کھلونا
بچوں کے مشہور شاعر شفیع الدین نیر کی
۳۱ اچھی اچھی نظموں کا مجموعہ
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
بچوں کے افسر
حامد اللہ افسر کی لکھی ہوئی ہلکی پھلکی
اور دلچسپ نظمیں
قیمت: ۵۰ نئے پیسے
آؤ ڈراما کریں
ڈرامے کی تکنیک پر بچوں کے لئے
سہل اور سادہ زبان میں پروفیسر محمد مجیب
کی ایک نئی اور انوکھی کتاب
قیمت: نئے پیسے
غیر ذمے دار لڑکا
مدہولی صاحب کا لکھا ہوا ایک ڈراما
ایک غیر ذمے دار لڑکے کی زندگی
کی کہانی
قیمت نئے پیسے
شمو کی عید
احسن عثمانی کے تین مختلف
اور دلچسپ ڈرامے
قیمت
۵۰ نئے پیسے
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

Regd No D 58 September 1962

Kitab Numa

JAMIA NAGAR, NEW DELHI—25

بچوں کے لئے نئی کتابیں

کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
دادا نہرو	(سوانح)	منور لکھنوی	ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
خرگوش کا سپنا	(ناول)	کرشن چندر	" ۷۵ " "
تاروں کی سیر	(")	"	" ۷۵ "
تین اناڑی	(")	عصمت چغتائی	" ۳۰ "
دہلی	(تاریخ و تمدن)	مجاہد حسین زیدی	" ۵۰ "
ہماری پارلیمنٹ	(شہریت)	کیلاش چندر	" ۵۰ "
پاک کہانیاں اول	(کہانیاں)	مقبول احمد سیوہاروی	۹۵ "
" دوم	(")	" "	ایک روپیہ ۱۵ "
رسول پاک صلعم	(مذہبی)	عبدالواحد سندھی	" ۵۰ "
سرکار دوعالم	(سیرت)	محمد حسین حسان	دو روپے
میر تقی میر	(سوانح)	"	(زیر طبع)

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

کتاب نُما
ماہنامہ

عصمت چغتائی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ صفِ اوّل کی لکھنے والی ہیں۔ آپ کی کہانیوں کے چار مجموعے اور تین ناول شایع ہو چکے ہیں۔ بیشتر کہانیوں کے ترجمے ہندوستان کی متعدد زبانوں کے علاوہ انگریزی، روسی، چیک اور جرمن زبانوں میں ہوئے ہیں۔

عصمت چغتائی ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئی ہیں، لکھنؤ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں آپ کا پہلا ڈراما 'فسادی' شایع ہوا اور کافی پسند کیا گیا۔ اس کے بعد سے برابر لکھ رہی ہیں۔ کلیاں، چوٹیں، چھوئی موئی اور ایک بات کہانیوں کے مجموعے اور ٹیڑھی لکیر، ضدی اور تین اناڑی ناول شایع کر چکی ہیں۔

آج کل بمبئی میں مقیم ہیں۔ مکتبہ جامعہ کو آپ کے افسانوں کا نیا مجموعہ "دو ہاتھ" شایع کرنے کا فخر حاصل ہے۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

نگراں
غلام ربانی تاباں

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی

مدیر
ریحان احمد عباسی

جلد ۳ | اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء | شمارہ ۱۰

اشاریہ

قومی یک جہتی، عوام میں ذہنی بیداری اور اردو زبان کی خدمت مکتبہ جامعہ کا نصب العین رہا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ اس عظیم مقصد کو لے کر ہم نے نہ صرف دشوار گزار منزلوں کو آسان بنایا بلکہ اس میں نئی نئی راہیں بھی پیدا کی ہیں۔ اسی جذبے کے تحت جیسا کہ کتاب نما کا گزشتہ شماروں میں اعلان کیا تھا، مہاراشٹر میں اردو زبان کی ترقی و توسیع کے لیے اور قومی یک جہتی کے پیش نظر وہاں کی مقامی زبان سے مسلم بچوں میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے مکتبہ جامعہ نے طلائی تمغے اور مختلف انعامات دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے اس نیک اقدام کو ہر جگہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ انعامات دینے کی یہ تقریب ۶/ اکتوبر ۶۲ء کو شام کے ۵ بجے بمبئی کے سینٹ زیویرہائی اسکول ہال میں انجام پا رہی ہے۔

مکتبہ جامعہ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے چیرمین جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب اور جنرل منیجر جناب غلام ربانی صاحب تاباں اس تقریب میں شرکت کے لیے بمبئی تشریف لے جا رہے ہیں۔ افتتاح اور انعامات دینے کی رسم عالی جناب شانتی لال شاہ وزیر تعلیم صوبہ مہاراشٹر کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائے گی اور جلسے کی صدارت عالی جناب ملک بھائی عبدالقادر وزیر خزانہ بمبئی و اوقاف فرمائیں گے۔ اس تقریب کی روداد ہم کتاب نما کے اگلے شمارے میں شائع کر سکیں گے۔

[illegible]

اس بار بھی مکتبہ جامعہ کی طرف سے "فن اور فن کار" کے پروگرام کا اہتمام کیا جارہا ہے اس پروگرام میں "غزل مستقبل کی شاعری نہیں ہے" کے عنوان کے تحت ایک سمپوزیم ہوگا جس میں مقامی ادبا کے علاوہ علی گڑھ سے جناب آل احمد سرور صاحب اور جناب مجنوں گورکھپوری صاحب شرکت فرمائیں گے۔

یو پی گورنمنٹ نے اس سال ہندی، سنسکرت اور اردو کے ادیبوں کو ان کی تخلیقات پر ۴۰۵۰۰/- روپے کی مجموعی رقم کے انعامات دینے کا اعلان کیا ہے۔ اردو کے جن ادیبوں کو یہ اعزاز حاصل ہوئے ہیں ان کے نام اس طرح ہیں۔

جعفر علی خاں اثر لکھنوی	فرہنگِ اثر	۵۰۰/- روپے
سید صباح الدین محمد عمر	ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کا فوجی نظام	۱۲۰۰/- "
شجاعت علی سندیلوی	حالی بحیثیت شاعر	۸۰۰/- "
غلام ربانی تاباں	حدیثِ دل	۵۰۰/- "
پروفیسر رشید احمد صدیقی	ہم نفسانِ رفتہ	۵۰۰/- "
سراج لکھنوی	شعلۂ آواز	۵۰۰/- "
محمد عتیق صدیقی	گلکرسٹ اور اس کا عہد	۵۰۰/- "
رام لال	گلی گلی	۵۰۰/- "

ہم اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی حکومت اُتر پردیش اردو کے ادیبوں کی ہمت افزائی کرتی رہے گی۔

اردو کے مشہور محقق اور ادیب جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ کا ۲۵ ستمبر کو سری نگر میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔ اس وقت آپ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو و فارسی کے صدر تھے۔ تینتیس سال سے آپ برابر اردو کی خدمت مختلف طریقوں سے کر رہے تھے۔ اردو ادب خصوصاً دکنی اردو کی جو خدمات آپ نے کی ہیں اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ زورؔ صاحب کے انتقال سے اردو ادب کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے۔ ہم مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں اور ان کے پسماندگان کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

ڈاکٹر عابد حسین

اُردو شاعری کی سیکولر روایات

سیکولر کا لفظ بھی اُن آوارہ گرد لفظوں میں سے ہے جو وطن سے بے وطن ہو کر اپنا بھرم کھو بیٹھتے ہیں اور ہر نئے دیس میں شبہہ کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں خاص کر ہمارے دیس میں تو بہت سے لوگوں کو سیکولر کے نام سے وحشت ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو مذہب کے خلاف یا اس سے بہت دور ہے۔ اس لیے اُردو میں سیکولر کا ترجمہ غیر مذہبی لامذہبی یا لادینی کیا جاتا ہے۔ مگر اصل میں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ سیکولر کے معنی ہیں دنیاوی، دنیا سے تعلق رکھنے والا۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ دین و دنیا کو آن میل بے جوڑ سمجھتے تھے۔ اسی طرح جیسے دنیا اور آخرت یا لوک اور پرلوک کی زندگی کو۔ مگر جب انھوں نے دین اور دنیا کی حقیقت کو تھوڑا بہت سمجھا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں جنھیں وہ الگ الگ سمجھتے رہے اصل میں الگ نہیں ہیں بلکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دین دنیا کی کُنجی — اچھائی اور بُرائی کا معیار دین اور دنیا کے لیے جُدا جُدا نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ وہی اچھے کام جو آدمی دنیا میں کرتا ہے دین مذہب کی نظر میں نیک اعمال قرار پاتے ہیں اور آخرت میں نیک جزا کے مستحق ہوتے ہیں اس لیے ہمیں سیکولر کے نام سے بھڑکنا نہیں چاہیئے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ جس چیز کو ہم سیکولر کہتے ہیں وہ اخلاقی معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں۔

اس بات کو ذہن میں رکھیے تو آپ کو سُن کر تعجب نہیں ہوگا کہ مذہب سیکولر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ بودھ مت جس کی بنیاد خالص اخلاقی اصول پر رکھی گئی ہے ایک سیکولر مذہب ہے۔ اسی طرح ایک مسلکِ انسانیت بھی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ آج کی بات چیت میں سیکولر روایات سے ہماری مراد مسلکِ انسانیت کی روایات ہیں جو کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ اہلِ دل میں سینہ بسینہ چلی آئی ہیں۔

عجیب بات ہے کہ یہ روایت زیادہ تر اُردو شاعری کی اس صنف میں پائی جاتی ہے

جو ہمارے بھاری بھر کم نقادوں کے نقد و نظر کی ترازو میں سب سے ہلکی ہے یعنی غزل۔ اور اسے یہ فارسی غزل سے ورثے میں ملی ہے۔ سچ پوچھیے تو اُردو غزل اور فارسی غزل دونوں میں مسلک انسانیت کی روح کی تصوف کی بدولت پیدا ہوئی۔ تصوف کی بدولت پیدا ہوئی۔ تصوف کے شروع سے دو رُخ چلے آتے ہیں ایک طرف وہ وجودِ حقیقی یا خدا کے مقابلے میں انسان اور انسانی زندگی کا ناچیز اور نابود ہونا دکھاتا ہے اور شاعری کی زبان سے کہتا ہے ؎

ہستی اپنی حباب کی سی ہے　　　یہ نمائش سراب کی سی ہے

اور دوسری طرف نمود ظاہری یا کائنات کے مقابلے میں انسان کی بڑائی پر اور زندگی کی اہمیت پر زور دیتا ہے ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں　　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یہی انسان کی عظمت اور زندگی کی اہمیت کا تصور مسلک انسانیت کی بنیاد ہے۔
مسلکِ انسانیت کو جسے اہلِ مغرب ہیومانزم کہتے ہیں صرف اس دنیا سے اور اس زندگی سے سروکار ہے۔ آخرت یا پرلوک سے کوئی دلچسپی نہیں اس کے نزدیک دنیا کا نچوڑ کائنات کا خلاصہ انسان کی ذات ہے۔ غزل گو شاعروں نے انسان کی عظمت کا مضمون طرح طرح سے باندھا۔ کسی کو انسان میں خدا کی خدائی کا جلوہ نظر آتا ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ؎

بے حقیقت نہ جان اے تسلیم　　　مظہرِ قدرتِ خدا ہوں میں

کوئی مذہبی تصور کا سہارا لے کر کہتا ہے کہ جب ساری مخلوق کو جن میں فرشتے بھی شامل ہیں چنوتی دی گئی کہ کون ہے جو خدا کی طرف سے دنیا پر حکومت کرنے کی ذمہ داری قبول کرے تو کسی کو یہ بوجھ اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی سوا انسان کے ؎

سب پہ جس بار نے گرانی کی　　　وہ ترا ناتواں اٹھا لایا

ایک کو چشمِ تصور سے یہ نظر آتا ہے کہ انسان کو ترقی کی منزلیں طے کرتے دیکھ کر ستارے ڈر رہے ہیں کہ کہیں اس کی آب و تاب کے سامنے ان کی چمک ماند نہ پڑ جائے ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

دوسرا عقیدے کی آنکھ سے یہ دیکھتا ہے۔ نوعِ انسانی کا ایک چنا ہوا فرد عالمِ قدس کی اس بلندی تک [illegible]

باوجود یکہ پر و بال نہ تھے آدم کے وہاں پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

اگر کوئی پوچھے کہ انسان کو یہ شرف کس وجہ سے حاصل ہوا تو اُردو کا شاعر جواب دیتا ہے کہ اس کے لئے اس کے پاس دل ہے جو محبت کا خزانہ ہے دنیا میں محبت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور دل سے بڑھ کر کوئی خزانہ نہیں۔ سچی محبت اصل میں محبوب حقیقی یا خدا سے ہوتی ہے۔ مگر دیکھنے والی آنکھ کو بندوں میں بھی خدا کا جلوہ نظر آتا ہے اور چاہنے والا دل چاہت میں حقیقی اور مجازی کا فرق نہیں کرتا۔ دراصل انسان دنیا میں آیا ہی اس لئے ہے کہ بے حس ہے درد سنسار کے ادا س سناٹے میں محبت اور ہمدردی کے جانفزا نغموں سے زندگی اور زندہ دلی پیدا کردے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

محبت، ہمدردی، انسان دوستی کو ہمارا شاعر پریت کی ریت کہتا ہے اور اسے عبادت کی رسموں سے جن پر مذہب میں اس قدر زور دیا جاتا ہے، کہیں زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک ان ظاہری رسموں کو ترک کرنا محبت کی راہ کا پہلا مرحلہ ہے۔

کس کا کعبہ، کیسا قبلہ، کون حرم ہے کیا احرام ! !
کوچے کے اُس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

دیر و حرم، کعبہ و بت خانہ عبادت کے مرکز ہیں، انسان کا دل محبت کا مندر ہے۔ اُردو کا شاعر اکثر دلوں کو مقابلے کی ترازو میں تولتا ہے۔ اور فارسی کے شاعر کی طرح جس نے انسان کے دل کو ہزاروں کعبوں سے بہتر ٹھہرایا ہے۔ اسے بھی دل کا پلّہ ہر ایک عبادت گاہ سے بھاری نظر آتا ہے۔

لے کے کعبے سے کیا سیر میں تبخانے تک کعبۂ دل ہی کی تعمیر بہت اچھی ہے

بلکہ اس کے نزدیک کعبۂ دل کے ہوتے ہوتے کسی اور معبد کی ضرورت ہی نہیں۔

دیر و حرم کو دیکھا اللہ ری فضولی یہ کیا ضرور تھا جب دل سا مکاں بنایا

اسی لیے وہ مذہبِ عشق کے پیروؤں کو تلقین کرتا ہے کہ کعبے اور بت خانے کا خیال چھوڑ کر کسی صاحبِ دل کے دل میں جگہ پانے کی سعی کریں۔

کعبے کو بھی نہ جایئے دیر کو بھی نہ کیجیے منہ دل میں کسی کے گر دیاں ہووے تو راہ کیجیے

یہ عبادت گاہیں بیچ کے مرحلے ہیں جن سے راہِ عشق کا سالک گذرتا ہوا چلا جاتا ہے کہ دل کی منزل پر پہنچ کر سوزِ محبت کی آنچ میں زندگی بسر کرے۔

دیر و حرم سے گذرے اب دل ہے گھر ہمارا ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

مذہب کے ٹھیکہ داروں سے آرزو شاعروں کو خدا واسطے کا بیر ہے۔ زاہد، شیخ، واعظ، ناصح سب اُسے ظاہر بیں ظاہر پرست نظر آتے ہیں جنہیں حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ وہ طالب حق کو جتاتا ہے ؎

جامۂ احرامِ زاہد پر نہ جا تھا حرم میں لیک، نامحرم رہا

اسے بڑی شکایت یہ ہے کہ مذہب کی تلقین کرنے والے عام طور پر لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرنے کے لیے محبت کی موہنی کی بجائے لالچ کے لاسے سے کام لیتے ہیں۔ جب واعظ اُسے جنت کے سبز باغ دکھا کر جتاتا ہے کہ اُس کا جی شراب طہور پر لہرائے تو وہ طنز سے کہتا ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

ہمارے پُرخلوص شاعر کے نزدیک جب تک خدا پرستی کا محرّک خالص عشقِ الٰہی کا جذبہ نہیں ہے بلکہ اس میں لالچ کا کھوٹ ملا ہوا ہے، ساری عبادت بے کار ہے۔ وہ حضرت واعظ کا وعظ جس میں طرح طرح سے جنت کا لالچ دلایا ہے سنتے سنتے جل کر کہہ اٹھتا ہے ؎

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

کبھی کبھی وہ ان حضرت سے اس قدر بدگمان ہو جاتا ہے کہ اُسے ہر وقت اور ہر جگہ ان کی نیت ڈانواڈول نظر آتی ہے۔ چنانچہ نماز کے وقت انہیں مسجد کی طرف آتا دیکھ کر پکار اٹھتا ہے ؎

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

یہ تو خیر زیادتی ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ان بزرگ کو ذرا اپنے زہد و تقویٰ پر ناز ہے۔ اور اس کا بے جا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ شاعر کی حساس طبیعت اپنے سوا کسی اور کے یہاں نمود و نمائش کا شائبہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ وہ بناوٹی ادب کے ساتھ ان سے عرض کرتا ہے ؎

ترکِ دنیا کے ملائق تو کیے سب ناصح گر مناسب ہو تو اک ترک ریا اور سہی

ہوتے ہوتے اسے ان کی خدا پرستی سے ایسی ضد ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ محض ان کو چڑانے کے لیے بُت پرست کہنے لگتا ہے ؎

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو اُن نے تو!
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے معبود کی تصویر اس کے دل کے آئینے میں ہر وقت رہتی ہے اور وہ جب گردن جھکاتا ہے اس کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے چنانچہ وہ ظاہر پرست شیخ سے بڑے فخر و ناز سے کہتا ہے ؎

ہر آن دیکھتا ہوں میں اپنے صنم کو شیخ — تیرے خدا کا طالب دیدار کون ہے

مذہب کا نام بدنام کرنے والے شیخ اور اس کے جوڑی دار برہمن سے اُردو شاعر کی لڑائی کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ دونوں بزرگ مذہب کی آڑ میں آپس میں کٹے مرتے تھے اور اپنے بھولے سادے پیروؤں کو بھی لڑاتے رہتے تھے۔ ان دنوں جیسے دیکھیے سیاست کی زہریلی دارو پی کر بہک رہا تھا مگر ہمارا شاعر شعر کی شراب ناب میں مست تھا۔ اس کا دل وطن اور اہل وطن کی محبت میں سرشار تھا۔ اس میں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی کی تفریق نہ تھی۔ اسے اپنے سارے دیس کی مٹی کا ایک ایک ذرّہ اور ہر دیس والے کے بدن کا ایک ایک رواں عزیز تھا سگے بھائیوں کی آپس کی مار دھاڑ دیکھ کر اس کا دل تڑپ جاتا تھا۔ اور وہ بے اختیار چلا اٹھتا تھا ؎

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو بُرا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پُرانے
آپس میں بیر رکھنا تونے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے
کچھ فکر پھوٹ کی کر، مالی ہے تو چمن کا — بوٹوں کو پھونک ڈالا اس بِس بھری ہوا نے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے — خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

آخر میں وہ ایک ایسا پیام دے گیا جو اُردو شاعری کی سیکولر روایات کا نچوڑ اور اُردو شاعر کے محبت بھرے دل کی پکار ہے ؎

آ مل کے غیریت کے پردوں کو پھر اٹھا دیں — بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی — آ اک نیا شوالا اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ — دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
بھارت کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(بشکریہ "آواز" دہلی)

عبدالمجید حیرت

غزل

وہی، سچ تو یہ ہے کہ کچھ پا گئے
اُدھر سے جو کٹ کر اِدھر آ گئے

فراغت کی راتیں نہ فرصت کے دن
ہمیں تو یہ دنیا کے غم کھا گئے

بہ مشکل ہوئی تھی سحر رونما
سحر ہی سے بادل مگر چھا گئے

نہ جانے، یہ افکارِ تہذیبِ نو
زمانے کو کیوں اس قدر بھا گئے

رہا ہوش باقی نہ سر پیر کا
مغنّی نہ معلوم کیا گا گئے

اٹھائے گا پھر کون بارِ وفا!
اگر اہلِ ہمّت بھی گھبرا گئے

یہ مانا کہ کچھ پھول ایسے بھی تھے
جو سورج کی گرمی سے کُملا گئے

مگر ایسے غنچوں پہ بھی اک نظر ق
جو مالی کی غفلت سے مُرجھا گئے

نگاہیں تھیں جن کی بڑی دوربیں
وہی کون سا رازِ دل پا گئے

وہ آ بھی گئے بہرِ پرسش تو کیا
خلش کون سی دور فرما گئے

وہی چارہ گر تھے کہ تھکتے نہ تھے
وہی چارہ گر ہیں کہ اُکتا گئے

مسائل کو حیرتؔ کے آساں تو کیا!
وہ آئے تو کچھ اور اُلجھا گئے

(بشکریہ نقوش، لاہور)

مصنف : پشکن　　　　مترجم : مجتبائی عباس

تابوت ساز

آدریان پروخوروف کے گھر کا سارا ساز و سامان جنازہ لے جانے والی گاڑی پر لد چکا تھا۔ مریل گھوڑے چوتھی دفعہ اس سڑک کی طرف چلے جہاں اس نے نیا مکان خریدا تھا۔ اس نے دکان مقفل کر کے باہر دروازے پر اس اعلان کی تختی لٹکا دی کہ گھر کرایہ یا فروخت کے لیے خالی ہے اور خود پیدل اپنے نئے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس مکان کی اسے مدت سے آرزو تھی اور اس نے ایک بھاری رقم ادا کر کے اسے خریدا تھا۔ مگر جب وہ نئے گھر کی پیلی دیواروں کے قریب پہنچا تو اسے بہت تعجب ہوا کہ اب اس کے دل میں ذرا بھی خوشی نہ تھی۔ نئے گھر کی اجنبی دہلیز سے گزر کر اس نے دیکھا کہ سارا سامان ابھی تک گڈمڈ پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اسے اپنا پرانا ٹوٹا پھوٹا مکان یاد آیا۔ جہاں وہ اٹھارہ سال تک رہا تھا۔ اور جہاں ہر چیز قرینے سے لگی رہتی تھی۔ اس نے اپنی نوکرانی اور دونوں لڑکیوں کو ان کی سستی پر ڈانٹ بتائی اور خود گھر کی درستگی میں ان کی مدد کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہر چیز قاعدے سے رکھ دی گئی۔ مقدس شبیہیں، چینی کے برتنوں کی الماری، میز، صوفہ اور پلنگ پچھلے کمرے میں ترتیب سے لگا دیے گئے۔ آدریان پروخوروف کے کام کا سامان یعنی مختلف قسم، مختلف رنگوں اور مختلف پیمائش کے تابوت، ماتمی لباس، ماتمی عبائیں اور دستاریں اور مشعلوں سے بھری ہوئی الماریاں باورچی خانے اور دالان میں رکھ دی گئیں۔ باہر کے دروازے پر سائن بورڈ لٹکا دیا گیا جس پر ایک موٹے سے کیوپڈ کی تصویر بنی تھی جس کے ہاتھ میں ایک الٹی مشعل تھی، نیچے لکھا تھا کہ "سادے اور رنگین تابوت یہاں بنائے جاتے ہیں، نیز کرایہ پر ہر وقت مہیا کیے جا سکتے ہیں پرانے تابوتوں کی مرمت کا بھی انتظام ہے۔" اس کی بیٹیاں اپنے کمرے میں چلی گئیں، نئے گھر کا معائنہ کرنے کے بعد وہ کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا اور سماوار گرم کرنے کا حکم دیا۔

پڑھے لکھے قارئین واقف ہیں کہ شیکسپیر اور سر والٹر اسکاٹ نے اپنی تصنیف

میں گورکنوں کو بڑا خوش طبع اور زندہ دل دکھایا ہے تاکہ اس طرح کے تضاد سے وہ ہمارے ذہن پر گہرا اثر چھوڑ سکیں۔ مگر ہمیں سچائی زیادہ عزیز ہے اس لیے ہم ان کی تقلید نہیں کر سکتے۔ اور یہ کہنا پڑے گا کہ ہمارے تابوت ساز کی طبیعت اس کے منحوس پیشے کے لیے مناسب تھی۔ آدریان پروخوروف بہت خاموش اور افسردہ مزاج آدمی تھا۔ اس کی چپ صرف دو موقعوں پر ٹوٹتی تھی۔ ایک جب اُسے اپنی لڑکیاں کھڑکی میں سے تاک جھانک کرتی نظر آتیں اور یا جب اسے کسی بدنصیب (یا خوش نصیب) گاہک سے اپنی محنت کی زیادہ سے زیادہ اجرت وصول کرنی ہوتی۔ اُس وقت بھی حسب معمول آدریان گم سم کھڑکی کے پاس بیٹھا چائے کی ساتویں پیالی پی رہا تھا اور اپنے افسردہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ اسے وہ موسلا دھار بارش یاد آئی جو پچھلے ہفتے ریٹائرڈ شدہ بریگیڈیر کا جنازہ قبرستان میں پہنچنے پر ہوئی تھی۔ پانی پڑنے سے نہ جانے کتنی عبائیں سکڑ گئی ہوں گی ٹوپیوں کے پٹے تڑ مڑ گئے ہوں گے۔ اس کے ہاں کا سامان بہت پرانا اور خستہ حالت میں تھا۔ اس لیے اسے ڈر تھا کہ چیزوں کو ٹھیک کرانے میں کافی روپیہ خرچ ہو جائے گا۔ اُس نے سوچا تھا کہ یہ نقصان سوداگر کی بوڑھی بیوہ کی تجہیز و تکفین سے پورا ہو جائے گا جو پچھلے سال سے گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ وہ اس محلے میں رہتی تھی جو وہاں سے کافی دور تھا۔ پروخوروف کو ڈر تھا کہ اس کے وارث وعدہ کرنے کے باوجود وقت پر اسے بھول جائیں گے اور کسی پاس کے تابوت ساز سے معاملہ کر لیں گے۔

وہ اسی سوچ میں پڑا تھا کہ باہر کے دروازے پر کسی نے تین بار کھڑ کھڑ دستک دی۔ "کون ہے؟" آدریان نے چلا کر پوچھا۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی جو کوئی جرمن کاریگر معلوم ہوتا تھا کمرے میں داخل ہوا اور بشاش لہجے میں آدریان سے کہنے لگا "معاف کرنا ہمسائے" اس نے ٹوٹی پھوٹی روسی میں کہا جسے سن کر کوئی ہنسے بنا نہیں رہ سکتا۔ "اگر میری وجہ سے تمہارے کام میں حرج ہوا ہو تو معاف کرنا، مگر میں کئی دن سے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ میں موچی کا کام کرتا ہوں میرا نام گوٹلیب شلٹز ہے۔ تمہاری کھڑکی میں سے جو چھوٹا سا گھر نظر آتا ہے نا، میں اسی میں رہتا ہوں۔ کل میری شادی کی پچیسویں سالگرہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہاری لڑکیاں آکر ہمارے ہاں کھانا کھائیں۔" یہ دعوت بڑی خوش دلی سے قبول کر لی گئی۔ آدریان نے موچی کو بیٹھنے اور چائے پینے کو کہا اور کچھ ہی دیر میں اُس کی سادہ اور پر خلوص طبیعت کی وجہ سے دونوں گھل مل کر باتیں کرنے لگے۔ آدریان نے پوچھا "شاؤ تمہارے کاروبار کا کیا حال ہے؟" شلٹز

سے چل رہا ہے" شلٹز نے جواب دیا " اور بیچ تو ہمارے ہاں بھی ہمیشہ رہتی ہے مگر اس کی شکایت کیا؟ میرا کام تو تمھاری طرح کا نہیں ہے کیونکہ زندہ آدمی بغیر جوتوں کے گذارہ کر سکتا ہے مگر مردہ بغیر تابوت کے نہیں رہ سکتا ۔" بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک!" آدریان نے اتفاق کرتے ہوئے کہا" مگر سانتھ صاحب یہ بھی تو ہے کہ زندہ آدمی کے پاس جوتے خریدنے کو دام نہ ہوں تو وہ ننگے پیر پھرے گا تمھارا نقصان نہیں کرے گا ۔ مگر مردہ بھک منگوں کو مفت تابوت دینا پڑتا ہے"

کچھ دیر تک یوں ہی بات چیت چلتی رہی۔ آخر موچی اٹھا اور جانے کی اجازت چاہی چلتے چلتے ایک دفعہ اپنے ہاں آنے پر پھر اصرار کیا۔

اگلے دن دوپہر کے وقت آدریان اور اس کی بیٹیاں اپنے گھر سے نکل کر پڑوسی کے گھر جانے کے لیے روانہ ہوئیں ۔ دونوں خواتین پیلے رنگ کی ٹوپیاں اور سرخ سلیپر پہنے ہوئے تھیں جو وہ خاص خاص موقعوں پر پہنتی تھیں ۔

موچی کا ننھا سا کمرہ مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ ان میں زیادہ تر جرمن اہل حرفہ، ان کی بیویاں اور ان کے شاگرد شامل تھے۔ صرف ایک روسی افسر تھا، وہ تھا پولیس کانسٹبل یورکو۔ جب مہمان میز پر بیٹھے تو دونوں ایک دوسرے کے پاس پاس تھے۔ شلٹز، اس کی بیوی اور ان کی سترہ سالہ لڑکی مہمانوں کے ساتھ شریک طعام تھے اور کھانا پیش کرنے میں نوکروں کی مدد بھی کر رہے تھے۔ بیر پانی کی طرح پی جا رہی تھی۔ یورکو نے چار آدمیوں کے برابر کھایا۔ آدریان بھی کچھ پیچھے نہ تھا، مگر اس کی بیٹیاں بڑے تکلف سے کھا رہی تھیں۔ گفتگو زیادہ تر جرمن زبان میں ہو رہی تھی۔ آوازیں بلند سے بلند ہوتی جا رہی تھیں کہ اتنے میں میزبان نے سب کو اپنی طرف متوجہ کرکے ایک بوتل کھولی اور بہ آواز بلند روسی زبان میں کہا" میری نیک شریک زندگی لوئیزا کا جام صحت!" ہلکے رنگ کی شامپین بوتل میں سے ابلنے لگی ۔ مہمان خوشی خوشی لوئیزا کا جام صحت پینے لگے۔ میزبان نے دوسری بوتل کا کاگ اڑاتے ہوئے کہا" اور یہ ہے میرے عزیز مہمانوں کا جام صحت!" مہمانوں نے شکریہ ادا کرکے گلاس پھر خالی کر دیے۔ اب کیا تھا پے در پے جام صحت پیے جانے لگے۔ پہلے ہر مہمان کا جام صحت پیا گیا، پھر ماسکو شہر کا، پھر جرمنی کے چھوٹے چھوٹے درجن بھر غیر معروف شہروں کا، پھر ہر قسم کے کاروبار کا، پھر ہر کاریگر اور اس کے شاگرد کا۔ آدریان نے نہایت ایمان داری سے ہر دفعہ گلاس خالی کیا۔ آخر میں وہ نشے میں اتنا مست ہو چکا تھا کہ ترنگ میں آکر اس نے بھی ایک جام صحت تجویز کیا جو بے

خوشی خوشی پیا۔ اتنے میں ایک مہمان نان بائی نے اپنا گلاس اٹھاکر پرجوش لہجے میں کہا" ان کا جام صحت جن کے لیے ہم کام کرتے ہیں یعنی ہمارے گاہکوں کے لیے!" یہ جام صحت بھی اوروں کی طرح متفق طور پر جوش وخروش کے ساتھ پیا گیا۔ اب مہمانوں نے ایک دوسرے سے معانقہ شروع کیا۔ درزی نے موچی سے، موچی نے درزی سے، نان بائی نے ان دونوں سے، پھر سب لوگوں نے نان بائی سے؛ اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا۔۔۔۔ ان باہمی معانقوں کے دوران میں یورکو نے تابوت ساز سے کہا" پڑوسی! تم اپنے مردوں کا جام صحت پیو نا؟" اس پر سب ہنس پڑے سوائے تابوت ساز کے جس نے غصے سے بھویں سکیڑ لیں۔ مگر سب پینے پلانے میں اتنے مشغول تھے کہ کسی نے اُس کی اس حرکت پر توجہ نہ دی۔ جب سب رخصت ہونے کے لیے اٹھے تو گرجا سے شام کے گھنٹوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

مہمانوں کے رخصت ہوتے ہوتے کافی دیر ہوگئی سب نشے میں دھت تھے۔ موٹے نان بائی اور ایک جلد ساز نے جس کا چہرہ سرخ مراکو چمڑے میں مجلد معلوم ہوتا تھا کانسٹبل کو بغلوں میں ہاتھ دے کر اس کے ٹھکانے تک پہنچا دیا۔ اور اس طرح روسی کہاوت کہ "قرض کی ادائگی نعمت ہے" پورا کر دکھایا۔ تابوت ساز گھر پہنچا تو ناراض اور جھنجھلایا ہوا تھا۔"آخر یہ کیا بات ہے" اس نے بہ آواز بلند سوچتے ہوئے کہا "کہ اور سب پیشے تو قابلِ عزت ہیں، میرا پیشہ کس بات میں گھٹیا ہے؟ کیا تابوت ساز جلاد کا بھائی بند ہوتا ہے؟ آخر یہ غیر ملکی احمق جرمن کس بات پر ہنس رہے تھے؟ کیا ان کے خیال میں تابوت ساز احمق اور مسخرہ ہے؟ اور میں۔۔۔ میں سوچ رہا تھا کہ اپنے نئے گھر کی خوشی میں جو دعوت کروں گا تو ان سب کو بلاؤں گا، مگر اب؟ اب نہیں۔۔۔ بس اب تو میں ان لوگوں کو بلاؤں گا جن کی میں خدمت کر رہا ہوں، یعنی عیسائی لاشوں کو۔" "جناب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کی نوکرانی نے اس کے جوتے اتارتے ہوئے کانپ کر کہا۔" ذرا آپ سوچیے تو ۔۔۔ خدا کے لیے اپنے اوپر صلیب کا نشان بنائیے۔ مردوں کو اپنے گھر دعوت پر بلائیے گا؟ اف خدایا میری توبہ!" "ہاں تو کیا ہوا، خدا گواہ میں ایسا ہی کروں گا" آدریان نے کہا" اور کل ہی بلاؤں گا! اے میرے محسنوں کی روحو کل رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ اور جو کچھ روکھا سوکھا میرے پاس ہے اس میں شریک ہو کر میری عزت بڑھاؤ۔" یہ کہہ کر تابوت ساز اپنے پلنگ پر لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔

صبح کا اندھیرا پوری طرح غائب نہ ہوا تھا کہ آدریان کو اٹھنا پڑا۔ تاجر کی مال والی پیوہ [illegible]

انتقال رات کو ہو گیا تھا۔ اس کے مختار خاص کے پاس سے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ خبر آدریان کو پہنچانے آیا۔ تابوت ساز نے اُسے دس کوپک انعام دیے۔ اور خود عجلت کے ساتھ کپڑے تبدیل کر کے ایک گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر وہاں پہنچا۔ میت کے دروازے پر پولیس کا پہرہ تھا تاجر گدھوں کی طرح منڈلاتے ہوئے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ میت میز پر رکھی تھی۔ بے جان مومی چہرے کی نقش و نگار ابھی تک بگڑے نہ تھے۔ رشتہ دار، پڑوسی اور نوکر چاکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ ساری کھڑکیاں کھلی تھیں۔ اندر مومی شمعیں جل رہی تھیں اور پادری دعائے میت پڑھ رہے تھے۔

آدریان نے متوفیہ کے بھتیجے کے پاس گیا جو نہایت فیشن ایبل کوٹ میں ملبوس ایک نوجوان تاجر تھا۔ آدریان نے جا کر کہا کہ تابوت، شمعیں، تابوت بردار اور جنازے کے ساتھ کی اور ضروری چیزیں جلد از جلد اچھی حالت میں مہیا کر دی جائیں گی۔ وارث نے بے خیالی کے ساتھ شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ مول تول کرنا نہیں چاہتا ہر بات اس کے ایمان پر چھوڑتا ہے۔ تابوت ساز نے حسب عادت قسم کھا کر کہا کہ وہ ایک کوپک زیادہ لینا بھی حرام سمجھتا ہے۔ اس کے بعد اس نے مختارِ خاص سے نظروں ہی نظروں میں کچھ طے کیا اور اپنے گھر آ کر تیاری میں مشغول ہو گیا۔ شام تک ہر چیز قاعدے کے مطابق وہاں پہنچ گئی۔ اور وہ کوچوان کو چھٹی دے کر اپنے گھر پیدل روانہ ہوا۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ تابوت ساز بخیریت نکتسکی دروازے تک پہنچ گیا۔ جب وہ شہیدوں کے گرجا کے پاس سے گزرا تو ہمارے دوست یورکو نے ڈپٹ کر پوچھا "کون ہے؟" مگر پھر تابوت ساز کو پہچان کر اس نے اُسے شب بخیر کہا۔ رات زیادہ گزر چکی تھی۔ آدریان گھر کے قریب پہنچا تو اسے ایسا لگا کہ کوئی چپکے سے اُس کے دروازے میں غائب ہو گیا۔ "اس کا کیا مطلب؟" آدریان سخت حیران تھا۔ اس وقت کسی کو میری ضرورت ہو سکتی ہے؟ کیا خبر کوئی چور ڈاکو ہو؟ اسے فوراً اپنے دوست یورکو کو مدد کے لیے بلانے کا خیال آیا۔ اتنے میں ایک آدمی دروازے کے پاس پہنچا اور اندر داخل ہی ہونے والا تھا کہ اس کی نظر آدریان پر پڑی جو تیزی سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ٹھہر گیا۔ اس نے اپنی وردی کی ٹوپی سلام کے طور پر اٹھائی۔ آدریان کو اس کا چہرہ کچھ دیکھا دیکھا معلوم ہوا۔ "آپ کو کیا مجھ سے ملنا ہے؟" اس نے تقریباً ہانپتے ہوئے سوال کیا۔ "اندر تشریف لے آیئے۔" "تکلف کی ضرورت نہیں صاحب" اجنبی نے کھوکھلی آواز میں جواب

[illegible]

جلدی تھی کہ اسے خود ہی تکلف گوارا نہ تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ گھر کی سیڑھیوں تک پہنچ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے دوسرا بھی۔ آدریان کو لگا کہ اس کے گھر میں کچھ لوگ اِدھر اُدھر چل پھر رہے ہیں۔ "لعنت خدا کی، آخر یہ بات کیا ہے؟" اس نے تیزی سے اندر داخل ہوتے ہی سوچا اور ... اس کے گھٹنے جواب دے گئے جب اس نے دیکھا کہ سارا کمرہ لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے چاندنی ان کے مردہ اور نیلگوں چہروں، دھنسے ہوئے دہانوں، دھندلی نیم وا آنکھوں اور پتلی ہوئی ناکوں پر پڑ رہی تھی۔ آدریان نے خوف زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو پہچانا جن کے کفن دفن میں اس نے مدد کی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والا وہی فوجی افسر تھا جو پچھلے ہفتے موسلادھار بارش میں دفن ہوا تھا۔ سب مرد اور عورتیں اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور اسے سلام اور مبارکباد پیش کرنے لگے۔ سوائے ایک غریب کے جو چند ہی دن ہوئے مفت دفنایا گیا تھا۔ اُسے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی، وہ کمرے کے کونے میں ایسی عاجزی سے کھڑا تھا جیسے اُسے اپنے چیتھڑوں پر شرم آ رہی ہو۔ سوائے اس کے سبھی ڈھنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ خواتین ربن والی ٹوپیاں اوڑھے تھیں، فوجی افسر اپنی کرم خوردہ یونیفارم میں تھے۔ سب کی حجامتیں بڑھی ہوئی تھیں۔ تاجر نہایت بڑھیا لباس میں تھے۔ فوجی افسر نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا "ہم سب تمہارے بلاوے پر اٹھ کر آئے ہیں۔ صرف وہ جو خاک در خاک ہو چکے تھے یا وہ جو صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے اور اٹھنے سے معذور ہیں نہیں آ سکے، مگر ان میں سے ہر ایک آنے کا اتنا خواہش مند تھا کہ نہ رک سکا ..." اس پر ایک چھوٹا سا ڈھانچہ مجمع میں گھس کر راہ بناتا ہوا آدریان کی طرف آیا۔ اس کے بے رونق چہرے پر محبت بھری خوفناک مسکراہٹ تھی۔ شوخ سبز اور سرخ رنگ کے کپڑے کی دھجیاں اس کے چاروں طرف اس طرح لٹک رہی تھیں جیسے وہ کوئی کھمبا ہو۔ ٹانگوں کی ہڈیاں اس طرح کھڑکھڑا رہی تھیں جیسے ہاون میں موسلی۔ "ارے پروخوروف! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟" ڈھانچے نے کہا۔ "کیا تم ریٹائرڈ شدہ سارجنٹ پیوتر پتروویچ کریل کن کو بھول گئے جس کے لیے تم نے پہلا تابوت بیچا تھا، جو تھا تو صنوبر کی لکڑی کا مگر تم نے بلوط کا کہہ کر بیچا؟" ان الفاظ کے ساتھ ڈھانچے نے اپنا بازو بغل گیر ہونے کے لیے بڑھا دیا۔ آدریان نے پوری طاقت سے چیخ ماری اور اسے دھکا دے کر اپنے سے پرے کر دیا۔ پیوتر پتروویچ جھول کر زمین پر ہڈیوں کا ڈھیر بن کر آ رہا۔ لاشوں میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سب اپنے ساتھی کی ہتک کا بدلہ لینے کے لیے، کوستے اور دھمکیاں دیتے ہوئے اٹھے

کی طرف بڑھے۔ بدقسمت میزبان ان کی چیخوں سے تقریباً بہرا اور ان کے حملے سے آتنا بدحواس ہوا کہ بے ہوش ہو کر مرحوم سارجنٹ کی ہڈیوں کے ڈھیر پر گر پڑا۔

سورج کی شعاعیں تابوت ساز کے پلنگ پر پڑ رہی تھیں۔ گرمی سے اس نے آنکھیں کھولیں تو خادمہ کو سماوار میں انگارے سلگانے میں مصروف پایا۔ آدریان کو گزشتہ رات کے خوفناک واقعات یاد آئے۔ تریوخینا، فوجی افسر اور سارجنٹ کریل کین، ابھی تک اس کے تخیل میں دھندلے دھندلے سایوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ پہلے تو وہ چپ چاپ انتظار کرتا رہا کہ شاید ملازمہ خود ہی بات چھیڑے اور رات کے واقعہ کا انجام بتائے۔

"آدریان پروخوروف جناب، آج آپ بہت دیر تک سوتے رہے" اکسینا نے اسے لباس دیتے ہوئے کہا۔ ہمارا پڑوسی درزی آپ سے ملنے آیا تھا اور پولیس کانسٹبل یہ بتلانے کہ آج انسپکٹر صاحب کی سالگرہ ہے۔ مگر آپ تو ایسے بے خبر سو رہے تھے کہ ہمارا جی نہ چاہا کہ آپ کی نیند خراب کریں!"

"مرحومہ تریوخینا کے ہاں سے تو کوئی نہیں آیا؟"

"مرحومہ؟ یعنی کیا... کیا وہ مر گئیں؟"

"تم بھی کتنی احمق ہو۔ کیا کل تم نے ان کا کفن دفن کا سامان تیار کرنے میں میرا ہاتھ نہیں بٹایا تھا؟"

"آپ کا دماغ درست ہے جناب؟ یا ابھی تک رات کی شراب کا خمار باقی ہے؟ کل کس کا کفن دفن ہوا تھا؟ سارے دن تو آپ اُس جرمن کے ہاں دعوت میں رہے۔ رات کو بالکل مدہوش واپس آئے اور آتے ہی ایسے بے سدھ پلنگ پر پڑ گئے کہ اب جاگے ہیں۔ گرجا کے گھنٹے بھی کب کے بج کر بند ہو گئے۔"

"اچھا؟ سچ مچ؟" تابوت ساز نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"سچ مچ نہیں تو کیا؟" ملازمہ نے جواب دیا

"اگر ایسا ہے تو لاؤ چائے جلدی سے، اور لڑکیوں کو بھی بلا لاؤ۔"

یہ کہانی مشہور روسی مصنف الیکساندر پشکن کی کتاب "ایوان بیلکن کی کہانیاں" سے لی گئی۔ اس کتاب میں پانچ کہانیاں اور ایک دلچسپ مضمون جو ان کہانیوں کے خیالی مصنف "ایوان بیلکن" کی مختصر سوانح حیات ہے، شامل ہیں۔ ۸۰ صفحات کی اس مجلد کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ ۱۲ نئے پیسے ہے۔

شرابِ کہنہ

میر

۱۷۲۴ء ——— ۱۸۱۰ء

خدائے سخن میر محمد تقی میرؔ، والد کا نام نامی محمد متقی جو ایک صاحب دل اور درویش صفت بزرگ تھے۔ عمر کے دسویں ہی سال میں سید امان اللہ (میر متقی کے ایک غیر معمولی معتقد اور ارادت مند) کی ہمدردی اور تربیت اور باپ کی شفقت دونوں سے محروم ہو گئے۔

اعزا یا خاندان والوں میں کوئی ایسا نہ ملا جسے یہ اپنا غم گسار یا سرپرست بنا سکتے۔ عاجز و مجبور ہو کر آگرہ چھوڑا اور دہلی آ گئے۔ یہاں بھی خاطر خواہ معیشت اور اطمینان کے وسائل گو محدود ہی رہے پھر بھی اس دیار میں رہ کر جو کچھ پڑھ لکھ سکتے تھے، پڑھا لکھا، شاعری شروع کی، اور شہرت حاصل کی۔ یہی وجہ تھی کہ دتی سے چلے جانے کے بعد بھی اس سرزمین سے وابستگی اور یہاں کی طرح طرح کی یادیں ان کے دل سے محو نہ ہو سکیں۔

میرؔ نے استغنا اور درویشی کے ماحول میں آنکھیں کھولیں، بچپن میں ہی یتیمی کا صدمہ برداشت کیا۔ متعلقین کی بے رخی اور بے اعتنائیوں کا سامنا کیا۔ ترکِ وطن، اس کے بعد ہی سے نادر کی خوں ریزیاں، ابدالی کی ہلاکت خیزیاں، جاٹوں کی لوٹ مار، روہیلوں کی یلغار، اس نوعیت کے مسلسل واقعات اور پیہم سانحے انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان کے چرکے اپنے دل پر سہے۔ گداز طبیعت اور درد مند دل کیوں کر اور کب تک ان تباہیوں اور ہلاکت آفرینیوں سے مغموم و متاثر نہ ہوتا۔ یہی وہ صدمے اور حالات تھے جن کی بنا پر حزن و ملال اور ناامیدی ان کی

۱؎ ولادت اکبر آباد ۱۱۳۶ھ وفات لکھنؤ ۱۲۲۵ھ۔ مولوی عبدالحق کی رائے میں میر

سیرت اور شخصیت میں رچ اور بس گئیں۔

میرؔ کا سوز و الم اور ان کے کلام کی شہرت و قبولیت کوئی وقتی یا عارضی چیز بن کے نہیں رہی، بلکہ ان کا کیف اور کسک اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اردو زبان اس کے بولنے اور سمجھنے والے باقی ہیں۔ میرؔ اپنی اس حیثیت اور مرتبے سے خود بھی واقف اور آگاہ تھے چنانچہ اپنے کلام میں جا بجا اس کا ذکر کیا ہے کہیں فخر کے لہجے میں کہیں مشورے کے طور پر اور کبھی بہت تعلّی کے ساتھ ـــ اور اب یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کیوں ایسا نہ کرتے جب کہ ان کی برتری یا عظمت کا اعتراف اور اظہار ناسخ، ذوقؔ اور غالبؔ سے لے کر آج تک تمام سخن ور اور اہلِ قلم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

غمِ دوراں اور غمِ جاناں دونوں سے میرؔ نے جی بھر کے مقابلہ کیا، غمِ دوراں تو ان کی آنکھوں دیکھی سیاسی ابتری، انتشار اور طوائف الملوکی سے ظاہر ہے، اور غمِ جاناں کے ثبوت میں جنون کے دورے، مثنوی خواب و خیال، کلیات میں متعدد غزلیں اور بیسیوں شعر نیر و نشتر کی صورت میں موجود ہیں۔

میرؔ کو اردو داسوخت کا موجد بھی کہا جاتا ہے، تمام اصنافِ سخن میں انھوں نے مشقِ سخن فرمائی ہے مگر اُن کے اصلی جوہر ان کی غزلوں ہی میں نمایاں ہیں یا پھر مثنویوں میں۔

اُردو کے چھے دیوان اور ایک فارسی دیوان (غیر مطبوعہ) کے علاوہ انھوں نے (فارسی) نثر میں بھی تین کتابیں لکھی ہیں (۱) ذکرِ میرؔ (آپ بیتی جس سے اس دور کے بعض سیاسی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے) (۲) نکات الشعراء (اردو شاعروں کا ایک قابلِ قدر تذکرہ) (۳) فیضِ میر (بیٹے کی تعلیم و تربیت کی خاطر ایک رسالہ جس میں مفید اور سبق آموز حکایتیں ہیں)

میرؔ نے اپنی عمر کے دس سال آگرے میں گزارے، کم و بیش پچاس سال دلّی میں رہے اور ساٹھ برس کی عمر سے آخری دم تک (تقریباً ۲۹، ۳۰ سال) لکھنؤ میں بسر کیے۔

لکھنؤ بھی میر صاحب اس طرح نہیں گئے جیسے ان کے دوسرے ہم عصر، بلکہ نواب آصف الدولہ نے اُن کی تشریف آوری کا خاص اہتمام کیا، احترام کے ساتھ آئے اور عزت کے ساتھ رہے۔ لکھنؤ کے عوام و خواص نے بھی میرؔ کے رتبے کا پاس اور ان کی شاعری کا پورا لحاظ رکھا۔ آخر وقت تک اس اعزاز اور قدر دانی میں فرق نہیں آیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ [illegible] زمانہ سے محفوظ نہ رکھ سکے۔

انتخاب

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے — درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

سخت کافر تھا جن نے پہلے میر — مذہب عشق اختیار کیا

کہتے ہو تو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
کہنے کی ہیں سب باتیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

گزرے ہے لہو واں سر ہر خار سے اب تک — جس دشت میں پھوٹا ہے مرے پاؤں کا چھالا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی — ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا

اے بوئے گل سمجھ کے مہکیو چمن کے بیچ — زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں چمن کے بیچ

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

شہر خوبی کو خوب دیکھا میر — جنس دل کا کہیں رواج نہیں

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے — دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

جائے ہے جی نجات کے غم میں — ایسی جنت گئی جہنم میں

مجھ کو دماغ وصف گل، یاسمن نہیں — میں جوں نسیم، باد فروش چمن نہیں

ہوگا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میر — کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز — اسی خانہ خراب کی سی ہے

تب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے — اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

ب کر کے فراموش تو ناشاد کروگے — پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کروگے

میرے تغیرِ حال پہ مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے

اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق
وہ اس کی وفا پیشگی وہ اُس کی جوانی
یہ کہہ کے ہیں رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میرؔ
سُنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم باد و باراں ہے

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے!!
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

رباعی

ملئے اُس شخص سے جو آدم ہووے — ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے

ہو گرمِ سخن تو گرد آوے یک خلق — خاموش رہے تو ایک عالم ہووے

منظور عبدالرحمن
کوآرڈینیٹر اردو مرکز جامعہ ملیہ نئی دہلی۔

جامعہ ملّیہ کے اُردو مرکز

جامعہ ملیہ نے اپنے جشنِ چہل سالہ (منعقدہ نومبر ۱۹۶۰ء) کے موقعہ پر طے کیا تھا کہ دہلی میں اُردو کی ترقی و ترویج کے لیے تجربے کے طور پر اردو مراکز قائم کیے جائیں۔ اس طرح جامعہ نے نہ صرف اپنے تعلیمی و تہذیبی مقاصد کے حصول کے لئے بلکہ ہندوستان کے تہذیبی اتحاد کو باقی رکھنے اور مستحکم کرنے کی خاطر ٹھوس قدم اُٹھائے۔ یہ منصوبہ دہلی میں اپنی طرز کا بالکل ہی نیا منصوبہ ہے۔

اردو مراکز کے منصوبے کا آغاز یکم مئی ۱۹۶۱ء کو ہوا جبکہ سب سے پہلا اردو مرکز دہلی کے شہری علاقے باڑہ ہندو راؤ میں قائم ہوا۔ بعد ازیں یکے بعد دیگرے تین مراکز کالکاجی، اندرا نگر اور مالویہ نگر کی پنجابی بستیوں میں قائم ہوے۔ ان نئی بستیوں کی آبادی اردو سے روشناس ہے لیکن یہاں نہ تو کوئی کتب خانہ ہے اور نہ ہی کوئی ایسی دکان جہاں سے اردو کی معیاری کتابیں دستیاب ہو سکیں۔ ایسی صورت میں آبادی کا اردو سے تعلق رفتہ رفتہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اردو مراکز کے قیام سے اردو کے بہی خواہوں کو اپنے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان ملا۔

اردو مراکز کی چار سرگرمیاں ہیں۔ دارالمطالعہ، کتب خانہ، اردو تعلیم اور ادبی محفل اب تک چاروں مرکزوں میں ۴۴۰۱ کتابیں موجود ہیں جو بیشتر ناولوں و افسانوں پر اور بقیہ کتب ڈراموں، ادب و تنقید اور نظم وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ قارئین کی اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے بارے میں رائے لینے کے لیے ایک سوال نامہ مرتب کیا گیا ہے جو ہر ایک کتاب کے ہمراہ ممبران کو دیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے قارئین کے تنقیدی شعور اور رائے کا علم ہوگا۔ علاوہ ازیں ۶۳۰ افراد مرکزوں کے ممبر بن چکے ہیں جو ان سینکڑوں کتابوں سے مستفید ہو رہے ہیں ممبران سے کسی قسم کا بھی معاوضہ نہیں لیا جا رہا ہے۔ دارالمطالعہ کے لیے دس رسائل فراہم کیے جا رہے ہیں، یعنی نقوش (لاہور) نقش ادبی ڈائجسٹ (کراچی) بیسویں صدی (دہلی)

آجکل (دہلی) جامعہ (دہلی) سریتا (دہلی) ماہ نو (کراچی) شمع (دہلی) ـ ہفتہ وار ہماری زبان علی گڑھ اور کتاب نما دہلی، جنہیں ممبران بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ مرکزوں کے ممبران خصوصاً اپنے بچوں کو اردو تعلیم دلائیں گذشتہ موسم گرما کی طویل تعطیلات میں ۶۰ طلباء حیات اللہ انصاری صاحب کے قاعدے کی بنیاد پر زیر تعلیم تھے۔ اردو پڑھنا لکھنا سیکھنے والوں میں مدرسوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء، دکانوں اور کارخانوں میں کام کرنے والے محنت کش نوجوان سب ہی شامل ہیں۔ تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اب تک مرکزوں میں کئی ادبی محفلیں منعقد ہو چکی ہیں۔ جن میں دہلی کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں نے مقالے اور افسانے سنائے اور شاعرانہ کلام سے محظوظ کیا۔ ادبی محفلوں کی وجہ سے مرکزوں کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے۔ ان محفلوں کے ذریعے ادیبوں اور شاعروں کا ممبران سے رابطہ مضبوط ہو رہا ہے اور ادبی ذوق اور شوق کی نشو ونما ہو رہی ہے۔

الغرض مذکورہ سرگرمیوں کے ذریعے اردو مراکز اپنے علاقوں میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں اور ان کا دائرۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ مرکزوں کی حاضری، تعداد ممبران اور اجرائے کتب و رسائل کے بتدریج اضافہ سے ہو رہا ہے۔ سینکڑوں گھروں میں اردو کی معیاری کتابیں پہنچ چکی ہیں۔ اردو کے قدیم اور جدید ممتاز ادیبوں اور شاعروں کا تعارف ہو چکا ہے۔ اس طرح اردو مراکز کے ذریعے ٹھوس تعمیری ادبی سرگرمیاں جاری ہیں۔

مجلس آداب کتاب

کتاب، ناشر، مصنف، لائبریری اور قاری کے درمیان ایک ایسا رابطہ جس کے ذریعے عوام میں شوقِ مطالعہ ذوقِ نظر خرید اور خواہش و احترام کتاب کا نظریہ پیدا کیا جائے۔ سات آٹھ ماہ کی مسلسل کوششوں کے بعد ایک نئی تنظیم "مجلس آداب کتاب کراچی" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے یہ ادارہ انگریزی، بنگالی، اردو، پنجابی، سندھی، پشتو، کشمیری، عربی اور فارسی زبانوں میں بین الاقوامی اندازِ فکر و نظر رکھتے ہوئے ایسے پمفلٹ اور لٹریچر پیش کرے گا جو اس مقصد کو جاری رکھ

نئی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
بابائے اردو عبدالحق (تذکرہ)	عبداللطیف اعظمی	۴/۵۰	ناشر ادارہ فروغ اردو لکھنؤ
اردو ناول کی تنقیدی تاریخ	ڈاکٹر احسن فاروقی	۳/۵۰	"
آئینۂ دل (ناول)	عادل رشید	۶/-	الہ آباد پبلشنگ ہاؤس الہ آباد ۳
ماحتا کا زہر (بچوں کا ناول)	"	۱/۵۰	"
دو بیل (بچوں کی کہانی)	"	۱/۵۰	"
حسن بلال (مجموعہ کلام)	امجد حیدرآبادی		امجد اکادمی بیرون دبیرپورہ حیدرآباد
عبقات (تصوف)	مولانا مناظر احسن گیلانی	۱۰/۵۰	اللجنۃ العلمیہ چھل گوڑہ حیدرآباد
کلیات شامی	مبارزالدین رفعت	۳/-	انجمن ترقی اردو، علی گڑھ
فن تحریر کی تاریخ	محمد اسحق	۷/۵۰	"
فرانسیسی ادب	ڈاکٹر یوسف حسین	۱۳/-	"
خاموش نگاہیں (ناول)	انور جمالی	۲/۵۰	کتابی دنیا، لکھنؤ
ہجر و وصال	مولانا ابوالکلام آزاد	۳/۵۰	چمن بکڈپو اردو بازار دہلی ۶
انسان کی حیات صالحہ	"	۳/۵۰	"
تذکرۂ امام غزالی	مولانا اسلام الحق	۲/-	"
ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	۴/۷۵	اردو گھر، علی گڑھ
نفسیات کی روشنی (مضامین)		۱/۵۰	میری لائبریری انارکلی لاہور
نفسیات اور عمل (مقالے)		۲/-	"
چنگ و رباب (طنز و مزاح)	کنہیا لال کپور	۱/۵۰	"
سیرۃ الرسول من القرآن	مفتی انتظام اللہ شہابی	۱۰/-	ملنے کا پتہ: مشتاق بکڈپو نزد اردو کالج کراچی ۵
گنجینۂ گوہر (خاکے)	شاہد احمد دہلوی	۶/-	
سرکشی ضلع بجنور (تاریخ)	سرسید احمد خاں	۶/-	
حقوق الاسلام	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۲/-	

زیرِ طبع کتابیں

آیورویدک فارماکوپیا (اضافہ شدہ نیا ایڈیشن) کویراج وید پرکاش ۵/۰ آیوروید سماچار، امرتسر
کلیات غالب (دیوان فارسی) مرزا غالب ۵/۰ پیری لائبریری انارکلی لاہور
تذکرہ جگر مراد آبادی مرتبہ محمد عارف جیلانی مکتبہ ماحول، بندر روڈ کراچی
فانی اور ان کی شاعری ڈاکٹر محمد احسن فاروقی " " " "
اختر شیرانی (فن اور شخصیت) انور عارف جمیل اختر " " " "
طرحدار لونڈی (ناول) منشی سجاد حسین مشتاق بکڈپو نزد اردو کالج کراچی

تصانیف سیدہ شہزادی خدیجہ بنت سیدنا طاہر سیف الدین

ترتیل القرآن

ترتیل یعنی قرآن پاک صحیح طرح پڑھنے کا آسان قاعدہ
طریقہ تعلیم کی عین ضروریات کے مطابق یہ کتاب آسان
زبان میں اس طرح لکھی گئی ہے کہ اس کی مدد سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی قرآن پاک کو باسانی پڑھ سکیں گے۔ یہ
کتاب اردو، گجراتی بخط عربی تینوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

منہاج القرآن

یہ عربی قاعدہ صرف سات اسباق پر مشتمل ہے ہر سبق کے
متعلق شروع میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ معلم
اس کے مطابق صحیح تعلیم دے سکیں۔ اس قاعدہ کی مدد سے صرف ایک گھنٹہ روزانہ کی مشق کے بعد طالب علم میں
قرآن مجید پڑھنے کی پوری پوری صلاحیت پیدا ہو جائیگی۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

تیسیر القرآن

یہ آسان قاعدہ بچوں کی سہولت کے پیش نظر لکھا گیا ہے، درج شدہ ہدایت
کے مطابق اس قاعدہ کی مدد سے بچہ از خود قرآن پڑھنے لگے گا اور استاد کو
بہت کم بولنے کی ضرورت پڑے گی۔

تینوں کتابیں الادارۃ الثقافیۃ العلمیہ بمبئی نے شائع کی ہیں۔ اور
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ۔ نا ر جے جے اسپتال بمبئی ۸ سے مل سکتی ہیں۔

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

انشاء اللہ خاں انشاء
عہد اور فن

مصنف: اسلم پرویز
صفحات: ۲۵۶ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: چار روپے
سنِ طباعت: جولائی ۱۹۶۱ء
ناشر: مکتبہ شاہراہ دہلی

انشاء کی شخصیت اور کارنامے جس قدر دلچسپ اور ہمہ رنگ ہیں ان سے واقفیت ابھی تک اس قدر کم اور ناقص تھی۔ ان کے متعلق ناقدین اور محققین نے جو کچھ تھوڑا بہت لکھا بھی تھا وہ بکھرا ہوا تھا اور رفتہ رفتہ گم نامی کی نذر ہوتا جا رہا تھا۔ ان سب کی جانچ پرکھ نئے مواد کی تلاش اور حاصل شدہ معلومات اور نتائج کی جدید تحقیق و تنقیدی اصولوں کے مطابق ترتیب و تالیف کی جو ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی اسے اسلم پرویز صاحب نے بڑی محنت اور ذہانت کے ساتھ پورا کیا ہے۔ اس اعتبار سے اردو میں انشا پر یہ پہلی مبسوط کتاب ہے جس کا ادبی حلقوں میں یقیناً "خیر مقدم" کیا جائے گا۔

انشاء کا کلام کلاسیکی اردو شاعری میں ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی شاعرانہ شخصیت پر ان کی بے اعتدالیوں کے گہرے سائے بھی پڑتے رہے۔ الفاظ کے کرشمے اور کرتب دکھانا۔ بے نقط اشعار کے لامتناہی سلسلے۔ متقے۔ پینترے۔ یہ سب ان کی حیرت انگیز ذہانت اور واقفیت پر تو دلالت کرتے ہیں مگر ان کی شاعری کو بالاتر کرنے کے بجائے پست تر کر دیتے ہیں۔ ان کی ذہانت، غیر سنجیدگی اور مسخرے پن کی بدولت ہمیشہ غلط راہوں میں انھیں بھٹکاتی پھری۔ ہر انداز اور ہر طرز کے تجربے کیے۔ مگر اپنے کسی تجربے کو اس کے

منطقی عروج تک نہ پہنچا سکے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شروع سے آخر تک ایک انتشار، افراتفری اور (Romantic) کا احساس ہوتا ہے۔

فاضل محقق نے بعض ایسی غلط فہمیاں بھی دور کی ہیں جن پر لوگ عرصے سے اعتبار کیے ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر ان کی تحقیق کے مطابق انشا کی ایک مشہور غزل۔ (کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے تھے) کے بارے میں محمد حسین آزاد مرحوم نے جو واقعہ لکھا ہے وہ محض زیب داستاں کے لیے تھا۔ نہ یہ غزل انشا کے آخری ایام کی ہے اور نہ ان کی زندگی کے آخری دن اس قدر فلاکت و ستم زدگی میں گزرے جس قدر آزاد مرحوم نے بیان کیے تھے۔ اسلم پرویز صاحب نے مذکورہ غزل کو انشا کے اس دور کے کلام میں شامل کیا ہے جو انھوں نے دہلی میں گزارا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں۔ ان کے بعد ان کی رائے کی صحت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح انشا کے آخری ایام کے بارے میں بھی ان کی رائے قابل قبول ہے۔

انشا کی بانذی یاسمین اور غالب کی ایک ہم طرز غزل پر بھی مؤلف کی تحقیق بڑی دلچسپ اور قابل غور ہے۔ (ص ۸۰)

اسلم پرویز صاحب نے انشا کی رنگا رنگ شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں بڑی کاوش اور دیانت داری سے کام لیا ہے۔ ہر پہلو کو اتنی ہی اہمیت دی ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ کتاب کے مطالعے سے کہیں بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنے موضوع کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر اور خامیوں کو کم کر کے پیش کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر اس قسم کی کتابوں میں دیکھا گیا ہے۔ ہر مقام پر وہ رائے دینے میں محتاط رہے ہیں۔ کتاب کی عبارت سادہ اور رواں دواں ہے۔ جا بجا انشا سے متعلق تصانیف، ان کی زندگی کے دلچسپ اتفاقات ان کی پھبتیوں اور فقروں کی گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحقیق جو اپنی خشکی اور پھیکے پن کی وجہ سے عام طور پر بدنام ہے، یہاں اس الزام سے بری نظر آتی ہے۔

انشا کی نثری تصانیف کا بھی تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے مختلف نایاب نسخوں کی نشان دہی کی گئی ہے اور ہر کتاب کی اہمیت پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بہتر ہوتا اگر ان تصانیف کی علمی و ادبی قدر و قیمت پر اتنی ہی تفصیل سے تبصرہ کیا گیا ہوتا جتنی تفصیل سے ان کی شاعری پر کیا گیا ہے کیونکہ جیسا کہ خود فاضل محقق کا خیال ہے انشا کی نثری

تصانیف کی اہمیت بعض محاذ سے ان کی شاعری سے کہیں زیادہ ہے۔

یہ کتاب ادب کے طالب علموں کے لیے ہر لحاظ سے اہم ہے، اور یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کا اسی گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا جائے گا جس کی وہ مستحق ہے۔

(صدیق الرحمٰن قدوائی)

★

اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو

از:- ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
صفحات ۴۸ سائز ۱۸×۲۲/۸
قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
ناشر:- آزاد کتاب گھر کلاں محل دہلی
سن طباعت جولائی ۱۹۶۱ء

سائنس کی ترقیات نے دنیا بھر کے انسانوں کو ایک عالمی برادری کے رشتے میں منسلک کر دیا ہے۔ اس رشتے کی ترقی کے ساتھ دنیا بھر کی قوموں میں ایک دوسرے کو سمجھنے کی خواہش تیز تر اور ضرورت شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ زبان اس افہام و تفہیم کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر اردو کو بھی غیر ممالک میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ مغربی ممالک کی متعدد یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے اور غیر ملکی طلبا اردو پڑھنے کے لیے ہندوستان آ رہے ہیں۔

مادری زبان کی تعلیم میں وہ دشواریاں پیش نہیں آتیں جن سے کہ غیر ملکی طالب علموں کو زبان سکھانے کے دوران دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بالخصوص جب کہ زبان سیکھنے کا مطلب یہ ہو کہ "طالب علم نہ صرف لفظ اور فقروں کی ساخت سے مکمل طور پر واقف ہو بلکہ اہل زبان کی طرح بے تکلفی سے بات چیت بھی کر سکے۔" اہل زبان کا زبان پر قدرت حاصل کرنا لاشعوری عمل ہے۔ غیر زبان والوں کے لیے ان مراحل سے گزرنا ایک شعوری کوشش، مسلسل مشق و مزاولت اور ریاضت چاہتا ہے۔

توضیحی لسانیات نے زبانوں کے سائنٹیفک تحلیل و تجزیہ کے اصول قائم کر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل پیش کر دیا ہے۔ زبان میں آوازوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ ذخیرۂ الفاظ کم ہو تو کام چلایا جا سکتا ہے" لیکن اگر اصوات کا صحیح صدی علم نہ ہو تو ایک معمولی جملہ

نہیں بولا جاسکتا" اس باعث صوتیات کو لسانیات کے دیگر شعبوں پر فوقیت حاصل ہے۔ صوتیات کے ذریعے ہی یہ ممکن ہے کہ ہم کسی بھی زبان میں استعمال ہونے والی جملہ آوازوں کی درجہ بندی کرسکیں آوازوں کے غیر منضبط مجموعے کو منضبط کرسکیں اور آوازوں کو ضابطے کے تحت لاکر ان کی وسعتوں کو محدود کرسکیں جس سے اس پر عبور حاصل کرنا آسان ہوجائے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے زیر نظر کتاب میں تعلیم زبان کے اس پہلو پر زور دیا ہے انھوں نے اردو میں مستعمل آوازوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس تجزیہ سے عملی طور پر استفادہ کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ تعلیم زبان کے خاکے کا یہ ایک گوشہ ہے لیکن بہت اہم اور بہت روشن۔ اور صوتیات پر اس سے پیشتر اور بھی کتابیں لکھی جاچکی ہیں، لیکن صوتیات کی عملی تطبیق میں بھی یہ پہلی کوشش ہے اور مستحسن۔ ڈاکٹر صاحب موصوف خود غیر ملکی طلبا کو اردو پڑھانے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کی علمی بصیرت اور ان کے عملی تجربہ کا عمدہ امتزاج موجود ہے۔ اس کتاب میں جن مسائل کو چھیڑا گیا ہے ان پر تفصیلی بحث سے اجتناب کرکے محض ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس سے کتاب کی مقصدیت اور افادیت میں یک گونہ اضافہ ہوا ہے۔ یہ کتاب مختصر ہے مگر کسی بڑے کام کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے اور زبان و تعلیم زبان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے نشان راہ۔ کتاب کا موضوع علمی ہے اور بہت خشک۔ مگر مصنف کے قلم کی سحرکاری اور انداز بیان کی دل کشی قاری کو کہیں بھی "بدمزہ" نہیں ہونے دیتی۔ توقع ہے کہ اردو داں اور اردو دوست حلقوں میں کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

عتیق احمد صدیقی

★

مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط

مرتبہ :- ڈاکٹر خلیق انجم

صفحات : ۲۷۲　سائز: ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت :- چار روپے

ناشر :- مکتبہ برہان، دہلی ۶

سن طباعت :- نومبر ۱۹۷۱ء

علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے مرزا مظہر جان جاناں کے فارسی خطوط کے اردو میں ترجمے اور ان کی تالیف و اشاعت کی خبر یقیناً باعث مسرت ہے۔

صوفیائے کرام میں انھیں اعلیٰ مرتبہ نصیب ہوا ہے۔ مگر مرزا محض ایک صوفی صافی ہی نہیں اپنے زمانے کے نامور شاعر اور استادِ فن بھی تھے۔ در اصل وہ مرشد اہلِ دل تھے خواہ یہ دل والے مے خانۂ معرفت کے رندانِ باصفا ہوں یا شرابِ شعر و سخن کے جرعہ کش اس پیر کامل کی چشم کرم نے ہر تشنہ کام کو بقدر شوق سیراب و سرمست کیا اور اسی کے فیض سے بزمِ سخن آج تک آراستہ ہے۔ مرزا کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اُردو کے اکابر شعرا کی ایک پوری نسل کی تربیت کی۔ چنانچہ مرزا کی شخصیت سے اور ان کی زندگی کے ہر ہر پہلو سے اہلِ ذوق کو جو دلچسپی ہونی چاہیے اور رہی ہے اس کے پیشِ نظر ان کے خطوط کے ترجمے اور اشاعت کا کام بہت ضروری تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر خلیق انجم نے اس کی طرف توجہ دی۔

کتاب کے ابتدائی تین ابواب میں مؤلف و مترجم نے مرزا سے موصوف کے مختصر حالات زندگی قلم بند کیے ہیں، ان کے صوفیانہ نظریات کی تشریح کی ہے۔ اور ان کے خطوط کی نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ابواب چونکہ اصل متن کے پس منظر کا کام کرتے ہیں اس لیے بہت اہم ہیں۔ ان ابتدائی صفحات میں مجتمع مواد کو فاضل مؤلف نے بڑی تحقیقی کاوش سے مرتب کیا ہے انھوں نے ہر اہم پہلو پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔

مرزا کی شخصیت کا احترام حقائق کی تلاش اور تجزیے میں کہیں حائل نہیں ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی رائے کے اظہار میں ناظرین کے جذبات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے جن میں سے بیشتر مرزا کی ذات سے مذہبی عقیدت رکھتے ہوں گے۔ چنانچہ علمی تحقیق کا حق بھی ادا ہو گیا ہے اور تعظیم و تکریم کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ یہ خوبی اس لیے اہم اور قابلِ ستائش ہے کہ اس قسم کی کتابوں میں کسی ایک پہلو کے تشنہ رہ جانے کا یا افراط و تفریط کی بدولت اس کے مجروح ہو جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

ترجمہ کرنے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور اصل متن کا از حد لحاظ رکھا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ عبارت کی اس روانی اور بے تکلفی کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے جو صرف مکتوب نگاری کی صنف سے مخصوص ہے اسی لیے خطوط کا یہ مجموعہ پُر از معلومات ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہے۔

کتاب کے آخری صفحات میں خطوط کے علاوہ مرزا کی بعض اہم تحریروں کے تراجم بھی دیے گئے ہیں۔ حواشی جو کئی صفحات پر مشتمل ہیں کتاب کے مطالعہ میں بڑے مددگار ثابت

ہوتے ہیں۔ ان سے مرزا کے ہر مکتوب الیہ کا فرداً فرداً تعارف ہوتا ہے۔ ہر مکتوب سے متعلق وضاحت طلب امور کی توضیح ہوتی ہے۔ اور اشارات کی تفصیل سے بھی واقفیت ہوجاتی ہے۔ یہ کام کتنی دقتِ نظر مستقل مزاجی اور محنت چاہتا ہے اس کا اندازہ صرف ان حواشی کے مطالعہ سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی فاضل مولف نے بڑی صلاحیت اور قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔

صدیق الرحمٰن قدوائی

★

اشک و تبسّم

از : موج رامپوری
صفحات : ۱۴۸ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت : تین روپے
سنِ طباعت : جولائی ۱۹۶۲ء
ناشر : سنتوش کمار سکسینہ موج رامپوری
محلہ جھنڈا، رامپور

"نام سنتوش کمار، تاریخ پیدائش ۱۳ مئی ۱۹۳۵ء، موج تخلص، سکسینہ کایستھ اور رام پور کا ساکن ہوں" ان الفاظ سے شاعرِ موصوف نے خود اپنے "تعارف" کا آغاز فرمایا ہے اور جناب شاد عارفی نے اپنے "نقد و تعارف" کے دوران تحریر فرمایا ہے کہ "شعر اس کی گھٹی میں پڑا ہے" مزید برآں پروفیسر لوگندر پال صابر نے "یہ کتاب اور اس کا مصنف" کے زیرِ عنوان لکھتے ہوئے رائے ظاہر کی ہے کہ "مجھے ان کے کلام کے اس حصے میں جو میں نے دیکھا ہے کسی قسم کے فنی عیوب نظر نہیں آئے اور مجھے یقین ہے کہ ان کا پورا کلام فنی عیوب سے اسی طرح پاک ہوگا کیونکہ ان کے فن جاننے کا ایک دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ مولانا ابر احسنی گنوری کے تربیت یافتہ ہیں۔

"اشک و تبسم" ان ہی نوجوان موج کی جولانئ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس مجموعے میں تقریباً چالیس غزلیں، چند نعت، دس نظمیں اور پینتیس کے لگ بھگ قطعات شامل ہیں۔ لیکن ان کا اصل رنگ غزل میں نکھرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ زبان میں شگفتگی، انداز میں دلکشی اور خیال میں رنگینی کے ساتھ نیرنگئ زمانہ کی جھلک بھی موجود ہے۔ وہ اشعار

ملاحظہ فرمائیے ؂

ابھی دیوانگی میں ہوش کا ہے شائبہ باقی　　ابھی تو دھجیاں ہاتھوں میں باقی ہیں گریباں کی

عقل انساں بڑھی زورِ انساں بڑھا　　چشم انسانیت کم نظر ہو گئی

"نعت" لکھ کر موج صاحب نے اپنی شرافتِ نفس اور رواداری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے لیکن غالباً اپنی نظم "حسین" سہواً "نعت" کے تحت شامل کر گئے ہیں۔ ان کی نظمیں ایک نوجوان اور غیور ذہن کی کشمکش کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں شعور کی خامی تو کہی جا سکتی ہے لیکن خلوصِ نیت اور دردمندی کی کسی طور کمی نہیں ہے۔ قطعات میں بھی ان کی طبیعت کا رنگ نمایاں ہے۔

اس مجموعے میں غزلوں کی کتابت بلاوجہ کچھ عجیب پینترے بدل بدل کر کی گئی ہے اور طباعت بھی بس یونہی سی ہے۔ البتہ کاغذ ٹھیک استعمال کیا گیا ہے۔ بہر حال "اشک و تبسم" ایک حساس دل اور صاحب فکر نوجوان شاعر کا نقشِ اوّل ہے جو سمت اور منزل دونوں کا پتہ دیتا ہے۔ اس دور میں ایسے مجموعوں کی اشاعت کو فالِ نیک سمجھنا چاہیے۔

عبد اللہ ولی بخش قادری

۲۳ راگست ۶۲ء

★

پندرہ روزہ **آگ** لکھنؤ

ایڈیٹر: احمد ابراہیم علوی

پتہ: ۱۱۔ ہاتھی خانہ، لکھنؤ

زرسالانہ: دو روپے ۲۵ نئے پیسے

یہ پندرہ روزہ گزشتہ ایک سال سے شائع ہو رہا ہے۔ گویا امتحان کی پہلی کڑی منزل سے گزر چکا ہے۔ اس وقت پچھلے تین چار شمارے زیرِ نظر ہیں جن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "آگ" برابر اس بات کے لیے کوشاں رہا ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو مختلف معلومات افزا مضامین اور نئی نئی دلچسپیوں کے سامان بہم پہنچاتا رہے۔ ادبی تشنگی کو سیر کرنے کے لیے ۳۰×۲۰ سائز کے چار صفحات پر مشتمل اس پرچے میں ایک طویل نظم، اداریہ، ایک مضمون، ایک افسانہ، دلچسپ خبریں، کتابوں پر تبصرے اور مختلف اشتہارات سبھی کچھ شامل ہیں۔

مرتبہ: ظلِ عباس عباسی

ادبی خبریں

کُل ہند اردو کانفرنس

اس بار کل ہند اردو کانفرنس ۲۴، ۲۵ ، اور ۲۶ ، نومبر کو جے پور میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس میں ایک نمائش بھی ہوگی جس میں نادر و نایاب قلمی کتب، وصلیاں، خطاطی کے جواہر پارے اور دوسری مطبوعہ یا اہم کتابیں وغیرہ رکھی جائیں گی۔ ایک آل انڈیا طرحی مشاعرہ بھی ہوگا۔

امریکی طلبا اور اردو تعلیم

۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء کو شعبہ اردو دلی یونیورسٹی نے ان امریکی طلبا کے لیے جو ہندی اور اُردو پڑھنے ہندوستان آئے ہیں ایک استقبالیہ تقریب کا انتظام کیا۔ جلسے کی صدارت جناب ڈاکٹر نگیندر، صدر شعبہ ہندی دلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کہا کہ "امریکہ اور ہندوستان کے درمیان دوستی کے تعلقات خاصے پرانے ہیں۔ آزادی کے بعد یہ اور بھی مضبوط ہوتے جا رہے ہیں ——— ہندی ہماری قومی زبان ہے اور ہندوستان کی چودہ زبانوں میں جو زبان ہندی سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ اردو ہی ہے۔ اس لیے ہمیں خوشی ہے کہ امریکی یونی ورسٹی کے طلبا ہندی کے ساتھ ساتھ اردو بھی پڑھیں گے ——"

جلسے کے بعد ایک مختصر سی "محفل شعر و سخن" منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی (صدر شعبہ اردو دلی یونیورسٹی)، جاوید وششٹ، مغیث الدین فریدی، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ذکیہ انجم، ثروت رخسانہ، زبیر رضوی، فرقت کاکوروی اور شمیم کرہانی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

(سکریٹری شعبہ اردو۔ دلی یونیورسٹی)

تحریک آزادی کے مجاہدین

حکومت مغربی بنگال نے تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لیے تین آدمیوں کی ایک ریاستی کمیٹی بنائی ہے۔ یہ قدم مرکزی حکومت کی وزارت عاشمی تحقیق اور ثقافتی امور کے ایماء پر اٹھایا گیا ہے۔ مضامین کا انتخاب [illegible]

کی دیکھ بھال کرے گی۔

اخبار و رسائل کی نمائش

آزاد ہند اردو لائبریری چناری ضلع شاہ آباد کے زیر اہتمام ایک ادبی نمائش ۲۹ ر اور ۳۰ ر اکتوبر کو منعقد ہو رہی ہے جس میں اردو، ہندی، اور انگریزی زبانوں کے اخبار و رسائل کی نمایش کی جائے گی۔ اخبار و رسالے کے مالکان سے درخواست ہے کہ وہ ایک ایک کاپی بھیج کر نمایش کو کامیاب بنانے میں تعاون فرمائیں۔

(سکریٹری آزاد ہند اردو لائبریری)

کتابوں کی نمائش

۱۹ ر ستمبر ۱۹۶۲ء تک مغربی جرمنی کے مقام فرنیکفرٹ میں دنیا کی سب سے بڑی کتابوں کی نمایش ہوئی۔ یہ نمائش یونین آف جرمن پبلیشرز اور بک سیلرز کی جانب سے ہر سال یورپ کے موسم بہار میں منعقد کی جاتی ہے اور ۱۹۴۹ء سے جاری ہے۔ اس نمایش میں دنیا کے کونے کونے کے کتب فروش اور پبلشرز جمع ہوتے ہیں، اسی نمایش میں جرمن پبلشرز کی جانب سے "امن کا انعام" بھی کسی مشہور مصنف کو پیش کیا جاتا ہے۔ گزشتہ سال یہ انعام ہمارے صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے حاصل کیا تھا۔ اس نمایش کو دیکھنے کے لیے عوام کا بھی زبردست ہجوم رہتا ہے۔ مگر عام طور سے عوام کا داخلہ محدود اوقات کے لیے رہتا ہے تاکہ ہم پیشہ لوگوں یعنی کتب فروشوں اور پبلشرز کو آپس میں میل جول بڑھانے اور جانکاری حاصل کرنے میں خلل نہ ہو۔

ادبی گزٹ

کراچی سے "ادبی گزٹ" کے نام سے "شمس زبیری" سہیل جالبی کی ادارت میں ایک ماہنامہ کا اجرا ہوا ہے "ادبی گزٹ" پہلا ماہانہ اخبار ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ادبی صحافت کو جنم دیا جائے "مسائل ادب کو آگے بڑھایا جائے آزادی اور جرأت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے" "ادبی گزٹ" اختلافات کی اہمیت واضح کرنے ہی کے لیے شایع کیا گیا ہے لیکن یہ کسی گروہ کا اخبار نہیں ہے۔ اخبار کی قیمت ۱۳ نئے پیسے ہے اور کا شانۂ اردو ۲ اکبر روڈ ملکر اچی سے مل سکتا ہے۔

تاریخ ہند کی کہانیاں
حصہ اوّل
پرانے زمانے کے بادشاہوں
کے دلچسپ حالات
قیمت ۸۰ نئے پیسے
حصہ دوم
مسلمان بادشاہوں کے عروج
وزوال کی کہانی آسان زبان میں
قیمت ۸۰ نئے پیسے
حصہ سوم
مغلوں کے آخری تاجدار اورنگ زیب
کے بعد سے ۱۸۵۷ء کے تمام حالات
قیمت ۸۰ نئے پیسے
حصہ چہارم
پہلی جنگِ آزادی (انقلاب ۱۸۵۷ء) سے
۱۹۴۷ء تک کے اہم تاریخی واقعات
قیمت ۹۵ نئے پیسے
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

Regd. No. D 58 October 1962

KITAB NUMA

JAMIA NAGAR, NEW DELHI-25.

کتاب نما
ماہنامہ

نگراں غلام ربانی تاباں	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	مدیر ریحان احمد عباسی
جلد ۳	نومبر ۱۹۶۲ء	شمارہ ۱۱

اشاریہ

۱۹۲۰ء میں مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی کے ہاتھوں وجود میں آنے کے بعد ہی سے جامعہ ملیہ نے اپنی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں کے ذریعے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ بچوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہو اور وہ سچے محبِ وطن اور اچھے شہری ثابت ہوں۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ان ہی اعلیٰ مقاصد کو لے کر مکتبہ جامعہ نے تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ہمیں فخر ہے کہ ہم نے ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں اور وقت کے تقاضوں کو بہ حسن و خوبی انجام دیا اور ہر عہد اور ہر دور میں ادب کی شمع کو روشن رکھا اور اردو زبان کی خدمت اور ملک کو پیش آنے والی ضرورتوں کے مطابق بنانے کے ساتھ ساتھ قومی یک جہتی اور عوام میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کو اپنا مقصد بنایا۔

چنانچہ قومی یک جہتی کے پیش نظر مکتبہ جامعہ نے اردو اور مراٹھی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے سلسلے میں دونوں زبانوں کے کامیاب طلبا کو انعامات دینے کا ایک سلسلہ شروع کیا جیسا کہ آپ کتاب نما کے پچھلے شماروں میں پڑھ چکے ہیں یہ انعامات مہاراشٹرا ایس۔ ایس۔ سی بورڈ کے امتحان میں مراٹھی میں اول آنے والے مسلم طالب علم کو اور اردو میں بالتخصیص مذہب اول دوم اور سوم آنے والے طلباء کو دیے جانے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نائب صدر جمہوریہ نے اسے پسند فرمایا اور ہماری درخواست پر اپنے

نام کا گولڈ میڈل مراٹھی طالب علم کے لیے اور مہاراشٹر کے ماہر تعلیم ڈاکٹر کاردے نے اپنے نام کا گولڈ میڈل اردو زبان کے طالب علم کے لیے دیے جانے کی منظوری عنایت فرمائی۔ سکریٹری ایس۔ ایس۔ سی بورڈ پونہ کی اطلاع کے مطابق مندرجہ ذیل طلباء انعام کے مستحق قرار پائے گئے۔

- "ڈاکٹر ذاکر حسین گولڈ میڈل" عبدالباری لے سلام پاٹل (کے۔ ای۔ پرتاپ ہائی اسکول، املینر)
- "ڈاکٹر کاردے گولڈ میڈل" کماری پیش امام مریم عبدالقادر (انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول، بمبئی)
- اردو میں دوم انعام "عبدالرحمٰن فتح محمد (صابو صدیق ٹکنیکل ہائی اسکول بمبئی)
- " " سوم " " صفدری حسین ابوالحسن (انجمن ترقی تعلیم ہائی اسکول مالیگاؤں)

انعامات دینے کی تقریب اور جلسہ ۶ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو شام کے چھ بجے بمبئی کے سینٹ زیویر ہائی اسکول ہال میں انجام پانا طے ہوا۔ افتتاح اور انعامات دینے کی رسم عالی جناب شانتی لال ایچ شاہ وزیر تعلیم صوبہ مہاراشٹر اور جلسے کی صدارت عالی جناب صلاح بھائی عبدالقادر وزیر شراب بندی و اوقاف نے منظور فرمائی۔ جلسے کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور مکتبہ جامعہ کے جنرل منیجر غلام ربانی تاباں صاحب بھی دو دن قبل بمبئی تشریف لے گئے تھے کہ بدقسمتی سے اسی دن یعنی ۶ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کی صبح مہاراشٹر کے گورنر جناب ڈاکٹر سُبّرائین کا انتقال ہو گیا ظاہر ہے کہ اس سانحہ کے بعد تقسیم انعامات کی کارروائی نہیں کی جا سکتی تھی۔ چناں چہ یہ تقریب سردست ملتوی کر دینی پڑی۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے سینکڑوں ہمدرد اور احباب کو اس التواء کی وجہ سے تکلیف ہوئی اور خاص طور پر ہمیں ہمدردی ہے ان بچوں سے جو انعام حاصل کرنے کی غرض سے اس روز بمبئی آئے اور انہیں مایوس لوٹنا پڑا۔ بہرحال ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ان کی مایوسیاں قطعی عارضی ہیں اور انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا تعلیمی میلہ اپنی سابقہ روایات کے مطابق اس سال ۹ر۱۰ر اور ۱۱ر نومبر کو ہو رہا ہے اس بار بھی مکتبہ جامعہ کی طرف سے "فن اور فن کار" کے پروگرام کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس پروگرام میں "اردو غزل کا مستقبل" کے عنوان کے تحت ایک سمپوزیم ہوگا جس میں جناب آل احمد سرور صاحب، جناب مجنوں گورکھپوری صاحب، جناب سجاد ظہیر صاحب، جناب راجندر ناتھ شیدا صاحب

(بقیہ اشاریہ صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ فرمائیے)

سید احتشام حسین

اردو ادب پر ٹیگور کا اثر

اردو ادب پر ٹیگور کے اثرات کا اندازہ لگانا اتنا آسان نہیں ہے جتنا بادی النظر میں دکھائی دیتا ہے۔ اصل اثر ہمیشہ گہرا ہوتا ہے اور غیر محسوس طور پر کام کرتا ہے اور ان لوگوں کے شعور کا جز بن جاتا ہے جن کے ذریعے وہ پھیلتا اور ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم ایک نامکمل اور سطحی اندازہ ٹیگور کی تصانیف کے اردو تراجم سے ان کے کارناموں پر اور نقادوں کی آرا سے متاثر ہونے والے شاعروں اور ادیبوں کے اعترافات اور اظہار عقیدت ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس سے پوری تصویر نہیں بن سکتی، لیکن اس اثر کی نوعیت اور وسعت معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے انہی واضح اور نمایاں حقائق کا دیکھنا ضروری ہے اس کے بعد ہی ان کے دور رس پہلوؤں کے متعلق غور کیا جا سکتا ہے۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ ٹیگور نے انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے بنگالی ادب میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا، اردو ادب سے ان کا تعارف یقیناً کسی قدر تاخیر سے ہوا۔ اس وقت تک ان کی کم و بیش بیس کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ جن میں نظم، گیت، ڈرامے، افسانے اور مضامین بھی شامل ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے نہ صرف اردو کے عام پڑھنے والے بلکہ ادیب اور عالم بھی بنگالی ادب کے خزانوں تک رسائی حاصل کرنے سے محروم تھے، اسی لیے ہم اردو میں ٹیگور کا ذکر اس وقت تک نہیں پاتے جب تک کہ ان کی بعض تخلیقات ہندی یا انگریزی میں شائع نہیں ہو گئیں۔ یہ بات کتنی ہی مضحکہ خیز کیوں نہ معلوم ہو لیکن ہے ایک حقیقت کہ ہم ابھی جس توجہ اور دلچسپی سے غیر ملکی زبانیں سیکھتے ہیں، اتنے شوق سے خود اپنے ملک کی مختلف علاقائی زبانوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نوبل پرائز حاصل کرنے سے پہلے ٹیگور کی بہت کم نظمیں اور کہانیاں اردو میں نظر آتی ہیں لیکن جیسے ہی گیتانجلی انگریزی میں شائع ہوئی ترجموں کی رفتار تیز ہو گئی۔

اس وقت اردو کے ادیبوں میں دو بہت ہی ہونہار جوان ادیب تھے۔ ایک نیاز فتحپوری دوسرے مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری۔ یہ دونوں ادیب انگریزی گیتانجلی کی رنگینی، رعنائی، فصاحت اور اثر انگیزی سے مسحور ہو گئے۔ اردو کا رجحان رومانیت کی طرف تھا، اس لیے ان نغموں میں جادو بھرے الفاظ کے پیچھے جو جذباتی زور اور خلوص تھا اس نے انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ نیاز ان کی ماورائی عظمت اور ادبی سحر کاری سے اور بجنوری ان کی فلسفیانہ معنویت اور اظہار کی بلندی سے متاثر تھے۔ چنانچہ نیاز نے شروع ۱۹۱۴ میں گیتانجلی کا ترجمہ "عرض نغمہ" کے نام سے نثر میں کر لیا اور ایک مفصل تاثراتی مقدمہ شامل کر کے شائع کر دیا۔ مقدمہ میں انہوں نے افسوس کے ساتھ اس بات پر تعجب کیا کہ شاعری کا یہ معجزہ اردو والوں کی نگاہوں سے اب تک کیوں اور کیسے پوشیدہ رہا اور اس بات پر بھی شرمندگی کے آنسو بہائے کہ ٹیگور کی قدر ہندوستان نے اس وقت کی جب یورپ کے عالموں اور ادیبوں نے انہیں پہچانا۔ ان کے ترجمے میں شاعر ٹیگور کی شخصیت اور جوش کا جذبہ پوری طرح جلوہ گر ہے۔

عبدالرحمان بجنوری نے ٹیگور کے خیالات پر ایک عالمانہ مقالہ لکھا اور گیتانجلی کا ترجمہ نظم معریٰ میں شروع کیا۔ لیکن وہ اسے ختم نہ کر سکے۔ اس موقع پر مجھے ایک چھوٹا سا واقعہ یاد آیا جس کا ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اردو کے مشہور شاعر اکبر الہ آبادی جو اپنی آخری عمر میں صوفیانہ اور ماورائی خیالات میں ڈوبے رہتے تھے۔ گیتانجلی کی بعض نظموں سے بہت متاثر ہوئے کیوں کہ وہ ان کے ذوق سے مناسبت رکھتی تھیں۔ نیاز کا بیان ہے کہ گیتانجلی کے ایک انگریزی ایڈیشن میں ٹیگور کی ایک قلمی تصویر دیکھ کر اکبر چونک پڑے اور بولے کہ اس تصویر کے خطوط اور نقوش "کھاج رگنی" سے گہری مشابہت رکھتے ہیں۔ اشارا یہ تھا کہ ٹیگور مجسم نغمہ ہیں۔

ٹیگور کے کچھ مختصر افسانوں کے ترجمے ہندی میں شائع ہوئے تھے اور وہ لوگ جو ہندی سے واقف تھے بہت متاثر ہوئے۔ ان میں منشی پریم چند بھی تھے۔ بعد میں پریم چند کی افسانہ نگاری ایک خاص اسلوب کے سانچے میں ڈھل گئی۔ اس لیے

یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ یہ اثر پذیری کس نوعیت کی تھی. تاہم پریم چند کے دیہات، ان دیہاتوں کے سیدھے سادے باسی، ان کے مزاجوں کی انوکھی خصوصیات اور افسانے کے مختصر ڈھانچے میں وحدت تاثر پیدا کرنے کا فن، سب ٹیگور سے مماثلت رکھتے ہیں۔

اردو میں رومانی میلانات بے جان روایت پرستی اور بعض قسم کے سماجی اور سیاسی حالات کے ردعمل کے طور پر بیسویں صدی کی دوسری دھائی میں نمایاں ہو گئے تھے ان کے اثر سے ایک طرح کا انتہا پسندانہ اور باغیانہ رجحان پیدا ہوا. چونکہ اس زمانے میں ٹیگور کے ترجمے سامنے آرہے تھے اس لیے ان کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا. اسی اثر سے وہ اسلوب عام ہوا جسے ادب لطیف کہا گیا ہے خلیقی دہلوی، میاں بشیر احمد، جوش، سجاد انصاری، ساغر نظامی اور بعض دوسرے ادیبوں نے رسائل اور کتابوں کے صفحات پر اپنے جذبات کا رقیق سیال بہا دیا. دوسری تحریروں کے علاوہ خلیقی کی ادبستان، جوش کی روح ادب کا نثری حصہ سجاد انصاری کے محشر خیال کے کچھ مضامین، میاں بشیر احمد کی طلسم حیات مثال میں پیش کی جا سکتی ہے. ان ادیبوں نے بہت واضح طور سے ٹیگور کے اثر کا اعتراف نہیں کیا ہے، لیکن ان میں ایسی اندرونی شہادتیں موجود ہیں کہ اس پر یقین کرنا ناگزیر ہے جہاں تک شاعری کا تعلق ہے اس میں جوش، درگا سہائے سرور، افسر میرٹھی، اختر حیدرآبادی اور بعض دوسرے شعرا پر ٹیگور کا اثر خیالات اور انداز بیان دونوں نمایاں ہے۔

۱۹۳۰ تک ٹیگور کی تصانیف کے بہت سے ترجمے اردو میں ہونے لگے تھے ان میں شانتی نکیتن کے مرحوم ضیاء الدین کا وہ ترجمہ بھی تھا جو انھوں نے براہ راست بنگالی سے کیا تھا اور کلام ٹیگور کے نام سے وشوا بھارتی سے شائع ہوا تھا چترا، سنیاسی، گارڈنر، وغیرہ کے ترجمے بھی ہو چکے تھے۔ مخدوم محی الدین نے اسی زمانے میں اپنی قابل قدر کتاب "ٹیگور اور ان کی شاعری" شائع کی تھی۔ اس وقت اردو ادب ایک ایسے دور میں داخل ہو رہا تھا جسے انقلابی رومانیت کہہ سکتے ہیں۔ اس میں مسائل حیات کی حقائق پسندانہ اور مثالی تعبیریں گھلی ملی تھیں اور

ترقی پسندوں کا ایک گروہ ٹیگور کے مابعد الطبیعاتی اثرات کو زندہ اور جہد آزادی میں کام آنے والے ادب کے لیے مضر سمجھتا تھا۔ اس مسئلہ پر نوجوان ادیبوں میں زبردست اختلاف رائے تھا۔ لیکن اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہندوستان کے تصورانسانیت کے سب سے اچھے ترجمان ٹیگور رہی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیگور کے افسانوی ادب کا زیادہ حصہ ان کے بعد ہی اردو میں منتقل ہوا۔ ان ترجموں کے متعلق یقین سے کچھ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ نہ تو ان کے مترجمین کا نام معلوم ہے اور نہ صحیح زمانہ۔ یہ ترجمے ادبی نہیں، تجارتی مفاد کے جذبات سے وابستہ تھے، اس لیے بعض کتب فروشوں نے غیر معروف لوگوں سے ان کے ترجمے کرائے اور چھاپ دیے۔ ان میں ٹیگور کے قلم کی طاقت اور رنگینی مفقود ہے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے انگریزی میں ٹیگور کے مختصر افسانوں کے صرف دو مجموعے ہیں۔ بنگالی میں کئی ہیں جو اب چار جلدوں میں یکجا کر دیے گئے ہیں لیکن آپ کو یقین آئے نہ آئے اردو میں بڑے چھوٹے تیں مجموعے صرف ٹیگور کی کہانیوں کے مل جاتے ہیں۔ غالباً ان کے علاوہ اور بھی ہوں گے جن کا علم مجھے نہیں۔ ہاں ان کی سوانح عمری کا ایک ناقص ترجمہ اور دس مختلف مضامین کا ایک مجموعہ بھی اردو میں شائع ہو چکا ہے اتنے ترجمے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ٹیگور کو اردو میں ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ لیکن میرے خیال میں علمی اور ادبی نقطۂ نظر سے یہ بات درست نہیں۔ ان میں سے صرف چند ترجمے اچھے اور ذمہ دار ادیبوں نے کیے۔ باقی محض تجارت کا سودا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ کسی ذمہ دار علمی ادارے نے اس کام کو اپنے ذمے نہیں لیا۔ اب ٹیگور کی پیدائش کی صد سالہ تقریب منائی جا رہی ہے ساہتیہ اکاڈمی نے ٹیگور کی کچھ تصانیف کے ترجمے ہر ہندوستانی زبان میں شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔ اردو میں یہ ترجمے ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر مجیب، فراق گورکھپوری اور سجاد ظہیر نے کیے ہیں۔ اور اب یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ان کے خیالات اور فن کی صحیح ترجمانی ہو سکے گی۔

بہر حال جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ گزشتہ پچاس سال میں اردو ادب پر ٹیگور

کے جو اثرات پڑتے رہے ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے کیوں کہ وہی اثرات اس سیاسی، سماجی اور تہذیبی ماحول کا کہے جا سکتے ہیں، جس نے خود ٹیگور کے ذہن کی تشکیل کی تھی اور جس سے ہر حساس ادیب متاثر ہوتا ہے لیکن صورتِ حال جو بھی ہو ٹیگور کی انسان دوستی "امن پسندی" اختلاف میں اتحاد کی جستجو ایک طرح کی صحت مند تصوریت اور جمال پرستی ایسی قدریں ہیں جن میں اردو کے بہت سے ادیب ان کے شریک ہیں۔

(بشکریہ کتابی دنیا کراچی)

تصانیف سیدہ شہزادی خدیجہ بنت سیدنا طاہر سیف الدین

ترتیل القرآن ترتیل یعنی قرآن پاک صحیح طرح پڑھنے کا آسان قاعدہ۔ طریقہ تعلیم کی عین ضروریات کے مطابق یہ کتاب آسان زبان میں اس طرح لکھی گئی ہے کہ اس کی مدد سے کم پڑھے لکھے لوگ بھی قرآن پاک کو بآسانی پڑھ سکیں گے۔ کتاب اردو، گجراتی، بخط عربی تینوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہے قیمت ۵۰ نئے پیسے

منہاج القرآن یہ عربی قاعدہ صرف سات اسباق پر مشتمل ہے ہر سبق کے متعلق شروع میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ معلم اس کے مطابق صحیح تعلیم دے سکیں۔ اس قاعدے کی مدد سے صرف ایک گھنٹہ روزانہ کی مشق کے بعد طالب علم میں قرآن مجید پڑھنے کی پوری پوری صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

تیسیر القرآن یہ آسان قاعدہ بچوں کی سہولیت کے پیش نظر لکھا گیا ہے درج شدہ ہدایت کے مطابق اس قاعدہ کی مدد سے بچہ از خود قرآن پڑھنے لگے گا اور استاد کو بہت کم بولنے کی ضرورت پڑے گی۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے

یہ تینوں کتابیں الادارۃ الثقافیۃ العلمیہ بمبئی نے شائع کی ہیں۔ اور ——— مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ۔ ناکہ جے جے اسپتال بمبئی ۳ سے مل سکتی ہیں۔

———

غزل

ڈاکٹر معین احسن جذبی

ہر جورِ ناروا کے مقابل رہے ہیں ہم
وجہِ شکستِ شیوۂ قاتل رہے ہیں ہم

ہر آئینہ رہا ہے حریفِ غرورِ سنگ
ہر تیر کے لئے صفتِ دل رہے ہیں ہم

ظلمت فگن رہا کوئی ہر آسمان پر
ہر آسمان پر مہِ کامل رہے ہیں ہم

اے آسمان خاک نشینوں سے مت الجھ
اے آسمان تیرے مقابل رہے ہیں ہم

جب بڑھ گئے تلاطم و طوفان بن گئے
یوں دیکھنے کو موجۂ ساحل رہے ہیں ہم

جب جل اُٹھے تو بخش دیا اک جہاں کو نور
یوں تو چراغِ کشتۂ محفل رہے ہیں ہم

ہم گمرہانِ شوق کا عالم نہ پوچھئے
منزل سے دور بھی سرِ منزل رہے ہیں ہم

ہم کو سمجھ نہ پاؤگے اے ناقدانِ فن
روزِ ازل سے عقدۂ مشکل رہے ہیں ہم

(بشکریہ جامعہ دہلی)

تیتوف کی کہانی

(پہلا انسان جس نے خلا میں ایک دن گزارا)

میں نے آلات اور کنٹرول کا ساز و سامان دیکھا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ مجھے جو کچھ بھی ترتیب وار کرنا تھا اس کے بارے میں سوچا۔ اب آخری کمان دی جا رہی تھی۔ میں نے زیادہ آرام سے کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اپنے پٹھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ میں نے اپنا سر پیچھے کرسی کی ٹیک پر اچھی طرح جما دیا۔ ایک سکینڈ گزرا۔

"جاؤ!"

انجنوں کا بڑھتا ہوا شور سنائی دیا۔ ڈھانچا تھرتھرایا۔ "غالباً میدانوں میں جھینگر خاموش ہو گئے ہیں" میں نے سوچا۔

"چل دیے دوست!"

میں اپنی کرسی پر دب سا گیا۔ ہلکا سا جھٹکا لگا۔ پہلے مرحلے کا راکٹ اپنا کام ختم کر رہا تھا۔ دوسرے راکٹ نے اپنا کام شروع کیا۔ دباؤ ختم ہوا۔ جیسے اپنی مرضی کے خلاف ..... اور یکایک موت کا سا سناٹا چھا گیا۔

یکایک آلات کا تختہ کہیں کھسک گیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ زمین کہاں ہے میری پوزیشن کیا ہے، لیکن چند منٹ میں ہر چیز اپنی جگہ پر آ گئی۔ مجھے خلا کا پہلا تحفہ ملا۔ وزن جاتا رہا۔ اب کام کا وقت آیا۔

میں نے کنکھی سے دریچے کی طرف دیکھا۔ رنگوں کا عجیب سیلاب نظر آیا۔ عجیب و غریب، ناقابل تسخیر۔ اس منظر کی داد دینے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں تھا ـــــ زمین سے پوچھ گچھ شروع کر دی گئی۔ خلا باز کا کام شروع ہو گیا۔

ہر شخص ووستوک ۲ کی پرواز کے متعلق اعلامیے سے واقف ہے۔ میں صرف ان لمحات کا ذکر کروں گا جو مجھے زندگی بھر یاد رہیں گے، جن کو میری نئی پرواز

اور نئے تاثرات بھی میرے ذہن سے نہیں مٹا سکیں گے۔

یہ لمحات وہ تھے جب پرواز کا پروگرام پورا کرتے ہوئے میں نے جہاز کو اڑانے والے آلات سنبھالے۔ میں نے دلی ہیجان کے ساتھ اسٹیرنگ کو ہاتھ میں لیا، شروع میں ذرا جھجکتے ہوئے، لیکن پھر پورے جوش و خروش سے۔ خلائی جہاز نے فوراً اپنا رخ بدل دیا۔ بڑی ہمواری سے تیرتا ہوا ایک پوزیشن سے دوسری پوزیشن میں چلا گیا۔ اور مجھے ایسا لگا کہ بقول ہوا باز" بس اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھنے کی دیر ہے"۔ اور یہ دوسرے سیاروں کی آغوش میں لے اڑے گا۔ اس احساس کا موازنہ اور مقابلہ اور کسی احساس سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس احساس سے سائنس دانوں پر فخر ہوتا ہے اور انسانی عقل و دانش پر ناز کرتا ہے۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ زمین پر لوگ میری باتیں اچھی طرح سن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں تو میں نے کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کو، حکومت کو اور نکیتا خروشچوف کو رپورٹ پیش کی۔ میں نے بتایا کہ خلائی جہاز کی پرواز کامیابی سے جاری ہے، تمام سسٹم بالکل ٹھیک ٹھاک کام کر رہے ہیں اور میری ذہنی کیفیت اچھی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ تمام سوویت عوام کو میرا سلام پہنچا دیجیے۔

زمین نے فوراً مجھے 'نکیتا سرگئے وچ خروشچیف کا پیغام تہنیت بھیجا۔ میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمارا پورا ملک، پوری دنیا، میری پرواز کے بارے میں جانتی ہے اور سب کی نظر مجھ پر ہے، میں نے اور بھی شدت سے اپنے تمام لوگوں کی طرف، اپنی کروڑ عوام کی طرف اپنی ذمہ داری محسوس کی کہ مجھے اپنی پرواز کا پروگرام بالکل ٹھیک ٹھیک پورا کرنا ہے۔

رات اسی طرح میری طرف دوڑتی ہے جس طرح دوڑتی ہوئی کار کی طرف سرنگ میں داخل ہوتے ہوئے سرنگ کا اندھیرا دوڑتا ہے۔ روشنی کا سیلاب اس طرح امڈتا ہے جیسے تھیٹر کی روشنیاں اچانک جل اٹھیں۔ خلائی دن ایک ایک کر کے گزرتے رہے۔

بہت سارا کام کرنا تھا۔ رخ بدلنے والے آلات کی ریڈنگ کا اندراج، رجسٹر میں تمام ضروری تفصیلات کا اندراج، ریڈیائی رسل و رسائل کے فاصلے کی جانچ،

خلاء پر مستقبل میں مزید عبور حاصل کرنے کے لیے انتہائی اہم سائنسی تجربے ــــ جن کا سلسلہ نیند سے کھانے تک تھا۔

درجنوں ایسے نظریات تھے جن کو یا تو ثابت ہونا تھا یا جن کی تردید ہونی تھی۔ چونکہ یہ خلاء میں پہلی لمبی پرواز تھی۔ اس لیے توقع یہ تھی کہ اس کی مدد سے جمع شدہ اعداد و شمار میں ضروری اصلاح کی جائے اور نیا اور غالباً زیادہ تغیر کردہ، مواد یا حقائق تیار کیے جائیں

کوئی چار سال پہلے سائنسدانوں کے ذہن میں بہت ہی مبہم سا تصور تھا کہ خلائی حالات میں بعض حیاتیاتی مظاہر عمل میں آئیں گے۔ سب سے پہلے تو سوال یہ تھا کہ انسان گھنٹوں بے وزنی کی کیفیت کو کس طرح برداشت کرے گا۔ کیا خلاء باز نارمل طریقے سے زندہ رہ سکے گا اور کام کر سکے گا۔ بے وزنی کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ دلچسپ حالات اور احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ایسی کیفیت اور حالات میں جب انسان خود اپنے جسم کا وزن بھی محسوس نہیں کر سکتا، جب وہ چھت پر سر ٹیک کر کھڑا ہو سکتا ہے، یونہی معلق ہو سکتا ہے یا خلاء میں یونہی تیر سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مثلاً یہ مسئلہ ہے ــــ بے وزنی کی حالت میں معمولی کھانے کا عمل ہم خلاء میں لمبے لمبے سفر کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ سوال بہت اہم ہے۔ یہ بات صاف تھی کہ "سیر و سفر" کے عام کھانوں سے کام نہیں چلے گا ــــ مثلاً رسک اور بسکٹ سے۔ یہ کُرکُرے ہوتے ہیں ان کے ذرات سانس کی نلکی میں پھنس سکتے ہیں۔ کیا کھانا پیٹ میں جائے گا بھی، جب کہ کھانے کا کوئی وزن ہوتا ہی نہیں؟ مختصر یہ کہ بہت سے مسائل تھے اور ان سب کا جواب ڈھونڈنا تھا۔

سائنس دانوں نے کھانے کے بعض مسائل کا حل ڈھونڈھ لیا۔ ٹیوب سے کھانا بڑی اچھی طرح کھایا جا سکتا ہے۔ اب سوال تھا کہ کھانے میں کن سے اجزا ہوں اور خلائی خوراک کا مینو کیا ہو۔ اور وہاں خلائی وسعتوں میں اپنا کھانا کھاتے ہوئے میں نے سوچا جلد ہی ایک نیا پیشہ پیدا ہو گا۔ خلائی باورچی خانے کے لیے کھانا تیار کرنے والے باورچی کا پیشہ، کیونکہ مشہور مشرقی کھانے، فرانسیسی یا اور دوسرے مشہور کھانوں کی دال خلاء کی وسعتوں میں نہیں گلے گی۔ یہ کھانے بھلے زمین ہی پر اپنا سکہ چلاتے رہیں۔

جب میں بے وزنی کی کیفیت کا بالکل عادی ہو گیا تو پانچویں چکر میں مجھے اچانک عجیب سا ناخوشگوار احساس ہوا۔ کبھی کبھی مجھے متلی سی محسوس ہوتی۔ میں اپنے "شریر کانوں کو" خاموش " کرنے کے لیے بڑی احتیاط سے کرسی پر سب سے آرام دہ انداز میں بیٹھ گیا۔ اور بے ہوش ہو گیا۔ رفتہ رفتہ متلی کی کیفیت جاتی رہی اور میری حالت بہت بہتر ہو گئی۔

میں دو لاکھ چار سو کلومیٹر کا سفر طے کر چکا تھا۔ کافی طویل آرام کے بعد میں نے خودکار کنٹرول چھوڑ کر انسانی کنٹرول کی عنان سنبھالی اور اب کوئی پانچ ٹن کی خلائی مشین کو اڑاتے ہوئے گویا میرا "پرواز" کی خوبیوں کا دوسرا امتحان شروع ہوا۔ میرے ذرا ذرا سے اشارے پر جہاز نے رخ اور پوزیشن بدلنا شروع کی۔ جیسے میں بہت عمدہ قسم کا، آسانی سے قابو میں کیے جانے والا لڑاکو طیارہ اڑا رہا ہوں۔ یہ اطمینان کیا کم تھا کہ یوری گگارن کے گرم جوش تار نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس وقت وہ کینیڈا میں تھے۔ سائرس ایٹن کے یہاں "ٹھہرو یار، اس سے پہلے کہ ریڈیو میرا جواب نشر کرے، ہو سکتا ہے، میں تمہارے اوپر سے گزرتے ہوئے دریچے سے ہاتھ ہلا کر تمہیں بلاؤں ـــــ لیکن تم مجھے دیکھ سکو گے؟" میں نے اس لیے سوچا کہ ووستوک ۲ کنیڈا کے پاس ہی سے گزر رہا تھا۔ لیکن میں نے نگاہوں کی ملاقات پر بھروسہ نہیں کیا اور میں نے ریڈیو کے ذریعہ "شکریہ" ادا کیا۔

کیبن میں دباؤ نارمل تھا۔ سینی ٹوریم جیسی رطوبت تھی۔ درجۂ حرارت تھا ۶۵ ڈگری ف۔ مکمل آرام تھا! "شاندار طیارہ ہے"۔ میں نے سوچا اور ان کا شکر گزار ہوا۔ جنہوں نے اسے بنایا تھا اور پہلے ہی سے سارے آرام کے بارے میں اتنی اچھی طرح سوچا تھا۔

اس کے بعد میں اہلِ ماسکو کو "شب بخیر" کہہ کر کرسی میں بڑے آرام سے لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کی۔

مجھے نیند بری طرح نہیں آتی۔ حالانکہ میری آنکھ کئی بار کھل کھل گئی۔ بے وزنی کی کیفیت نے مجھ سے کھیلنا شروع کیا اور دیر تک میں اپنے بازوؤں کا ساتھ نہ دے سکا۔ اُدھر میں اونگھا اِدھر دونوں ہاتھ اوپر ہوا میں بلند ہو گئے۔ ظاہر ہے میں اس طرح سونے کا عادی نہ تھا۔ اس لیے ہاتھوں کو قابو میں کرنے کے لیے

میں نے ان کو کرسی کی پیٹی میں قدرے بھنچا لیا۔ اور تب، میں گہری نیند سو سکا۔ جب میں اٹھا تو میرے ہاتھ پھر ہوا میں بلند ہو گئے۔ اب کیا کیا جائے؟

میں چار لاکھ دس ہزار کلو میٹر کا سفر طے کر چکا تھا۔ اگر میں سیدھا چاند کی طرف پرواز کرتا تو اب تک وہاں پہنچ گیا ہوتا۔

تیرھویں، چودھویں چکر میں تو بے وزنی کی کیفیت کا میں بالکل عادی ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب آرام کے جو چند منٹ رہ گئے ہیں اُن میں "کونواس" کیمرے سے زمین کی تصویریں لوں۔ ہماری زمین کتنی حسین ہے، ہر موڑ پر ایک نیا رنگ، نیا نور، نیا دھنک، ایسے نظارے کہ ان کی نقل نا ممکن۔ براعظموں کے خاکے پہاڑ اور جنگل بہت صاف دکھائی دے رہے تھے۔ بڑے بڑے دریا فیتوں کی طرح چمک رہے تھے۔ سمندر اور بڑی بڑی جھیلیں چمک رہی تھیں۔

آسمانی دن ختم ہو رہا تھا۔ زمین پر اترنے کی تیاری کا وقت آ گیا۔

اب کمان آئی۔ جہاز نے آہستہ آہستہ اپنا رخ بدلا۔ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جب بریک لگانے والے پرزوں نے اپنا کام شروع کیا تو وہ تمام چیزیں جو ہوا میں "تیر" رہی تھیں، اب قدموں تلے ٹھہر کر رہ گئیں جیسے ان کی ٹریننگ ہی اس طرح ہوئی ہو: فلم کیمرہ، اندراج کی کتاب، پنسل، اکسپوزر میٹر، سب نیچے آ رہے۔ انہیں بھی احساس تھا کہ وہ جلد ہی زمین پر اترنے والے ہیں اور وہاں اس طرح بے وجہ اڑتے رہنا "ممنوع" ہے۔ ڈھانچہ فضا کی رگڑ سے تپ گیا۔ میں درخشاں شعلوں میں گھرا ہوا تھا اور اس وقت مجھے یاد آیا۔ چیف ڈیزائنر یاد آئے اور ان کا اٹوٹ اعتماد کہ اس کے تکنیکی خول پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے، بریک کے آلات بالکل ٹھیک ٹھیک کام کر رہے تھے اور جب زمین کا فاصلہ صرف چند کلو میٹر رہ گیا، میں نے لینڈنگ کا سسٹم چالو کر دیا۔

زمین۔ زمین آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی۔ اوپر سے میں نے اپنے جہاز کو دیکھا۔ یہ چند سیکنڈ پہلے اتر آیا تھا۔ ہوا مجھے ایک طرف بہالے گئی۔ اب ہمارے درمیان ریلوے لائن کے پشتے تھے۔ دھم! اب میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ موٹر سائکلوں پر تین شخص میری طرف آئے، پوری رفتار سے "کیا آپ تیتوف ہیں؟" "جی ہاں! میں تیتوف ہوں!" (سوویت دیس کے صفحہ ۱۵ سے اقتباس)

شرابِ کہنہ

یقین

۱۷۲۷ء — ۱۷۵۵ء

نواب انعام اللہ خاں نام، یقین تخلص، دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے ایک مقتدر اور معزز خاندان کے مشہور افراد میں ان کا شمار ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کے شاگرد تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ خود کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ مرزا صاحب کہہ کر دے دیا کرتے تھے، مگر ان کے بہت سے ہم عصر اور بعد کے نقادوں اور تذکرہ نویسوں نے ان کی تردید کی ہے۔

وجیہہ، شکیل، خوش باش اور نازک طبع لوگوں میں سے تھے 'درد'، لذت حسن، شوخی اور پختگی ان کے کلام کی ناقابل انکار خصوصیتیں ہیں۔

دیوان چھپ چکا ہے۔ جس میں ردیف وار کل ۱۷۰ غزلیں ہیں اور ہر غزل میں صرف پانچ شعر، اس التزام اور اختصار میں بھی وہ منفرد ہیں اور بہت سے شاعروں کے لیے باعثِ تقلید۔

یقین بہت تھوڑے دن زندہ رہے، ان کی موت بڑی حسرت ناک اور دردانگیز طور پر واقع ہوئی، مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے بڑے اہتمام اور احتیاط کے ساتھ ان کا دیوان شائع کیا اور بڑی چھان بین کر کے ان کے حالات قلمبند کیے ہیں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یقین کو اپنے والد کی کسی برائی کی اطلاع ہو گئی تھی اور انھوں نے اس طرح اپنے راز کو افشا ہونے سے بچایا۔ دوسرے یہ کہ خود یقین سے کوئی برائی ہوئی تھی اس لیے اپنے خاندان کو بدنامی سے بچانے

کے لیے ان کے والد نے اُن کو قتل کیا۔ اور لاش کو دریا میں بہا دیا۔

انتخاب

پھر کوئی سلسلۂ جنباں ہوا زنداں کے بیچ — آج زنجیر سے آتی ہے جھنک کان کے بیچ

لوگ اسی وادی میں اب کرتے ہیں آہو کا شکار — بعدِ مجنوں یوں ہوئے بے کس غزالاں العیاذ

کچھ پر و بال میں طاقت نہ رہی یوں چھوٹے — ہم ہوئے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس

تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دِوانہ ہوتا — آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس

نزع میں دیکھ مجھے یار جھجک کر بولا — کیا بری طرح سے مرتا ہے یہ بیمار کہ بس

آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا — کیا خریدار نے پایا ہے خریدار کہ بس

عشق کے دارِ شفا میں مجھے لے چل تو یقیں — کہ طبیبوں نے دیا اس قدر آزار کہ بس

بعد مرنے کے بھی ہوں گور میں غمناک ہنوز — گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز

پی کے مستوں نے زمیں پر جو گرائی تھی شراب — سبز ہوتا ہے اسی سے شجرِ تاک ہنوز

خوش نہیں آتا ہے مجنوں بن ہمیں صحرا ہنوز — ان غزالوں سے ہمارا دل نہیں لگتا ہنوز

ہم سے تھا ویرانہ ملک آباد سو ہم بھی چلے — اب خدا حافظ تمہارا، اے غزالاں الوداع

آگ بھی بجھتی ہے اور سورج بھی ہوتا ہے غروب — رات دن جلتا ہے یکساں داغِ حسرت کا چراغ

مصر میں حسن کی وہ گرمئ رفتار کہاں — جنس تو ہے یہ زلیخا سا خریدار کہاں

عشق گر کیجئے دل کیجئے کسی سے خالی — درد و غم کم نہیں اس دور میں غم خوار کہاں

بن چاک سینے بیچ محبت کی جا نہیں — جب گھر کا در کھلا نہیں اس میں ہوا نہیں

کعبے بھی میں گیا، نہ گیا ان بتوں کا عشق — اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

بت پرستی میں موحد نہ سنا ہوگا کبھو — کوئی تجھ بن مرا واللہ کہ معبود نہیں

خدا کرے نہ گروں عشق کی میں نظروں سے — کسو کی چشمِ حقارت سے کچھ ملال نہیں

تماشا کر تصور کو کہ ہر اک اشک میں میرے — تری صورت نظر آتی ہے جوں شیشے میں تصویریں

ہم تو چلے ہیں یارب آباد رکھیو ان کو — ان باغچوں میں کیا کیا دھومیں مچائیاں ہیں

اسیرانِ قفس کی ناامیدی پر نظر کیجو — بہار آوے تو اے صیاد نہ ہم کو خبر کیجو

عشق میں داد نہ چاہو کہ سنا ہم نے نہیں — عدل و انصاف کا اس ملک میں دستور کبھو

دل چھوڑ گیا ہم کو، دل برسے تو قع کیا — اپنے نے کیا یہ کچھ، بیگانے کو کیا کہئے
تحقیق کو ظالم نے اک کام نہ فرمایا — فرہاد کے اس ناحق مرجانے کو کیا کہئے

مجھے زنجیر کر رکھا ہے ان شہری غزالوں نے — نہیں معلوم میرے بعد ویرانے پہ کیا گزرا
ہے ترے داغ سے نز سینۂ سوزاں میرا — آب و رنگ آگ سے رکھتا ہے گلستاں میرا

(بقیہ اشاریہ)

اور جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے حصہ لینا منظور فرمالیا ہے جلسے کی صدارت جناب ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب فرما رہے ہیں۔ یہ پروگرام ۱۱ر نومبر کو اتوار کے دن ۲ بجے دوپہر سے شروع ہوگا۔

ہماری شمالی سرحد پر چین کے نئے جارحانہ حملوں نے صورت حال کو نازک سے نازک تر بنادیا ہے۔ اس موقع پر ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ اپنے تمام اختلافات کو فراموش کرکے ملک کے تحفظ کے لئے متحد ہوجائے اور ہر جہت سے حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت وقت سے تعاون کرے۔

دفتر مکتبہ جامعہ میں اسٹاف کا ایک ہنگامی جلسہ کرکے کارکنان مکتبہ جامعہ نے اس موقعہ پر حکومت کو تمام دفاعی کارروائیوں میں اپنے تعاون کا یقین دلایا اور اپنی ایک دن کی تنخواہ وزارت دفاع کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

نئی مطبوعات

حسن عبدالرحمن ابن خطاب (ایک جن کی کہانی) حصہ اول ۲/- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵
مصنف ایل لاگن، مترجمہ قرۃ العین حیدر حصہ دوم ۲/- " " " " "

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
روحِ اقبال (ادبی)	ڈاکٹر یوسف حسین	۶/۵۰	" " " " "
میر انیس (ادبی)	سفارش حسین رضوی	۲/۵۰	ملنے کا پتہ " " " "
قواعد اردو	مولوی عبدالحق	۵/-	تاج پبلشنگ ہاؤس، میرٹھ
انداز (مجموعہ کلام)	مہیش چندر نقش	۳/-	سنگم کتاب گھر دہلی ۶
آپ سے ملیئے (انتخاب کلام)	علی جواد زیدی	۳/-	مکتبہ شاہراہ دہلی ۶
رقصِ بہار (مجموعہ غزلیات)	مضطر لکھوڑوی	۲/۵۰	لاجپت رائے اینڈ سنز دہلی ۶
شاہراہِ زندگی (نیا ایڈیشن)	طام سردیپ کوشل	۲/۵۰	" " "
اردو تنقید کا ارتقا (تنقید)	عبادت بریلوی	۶/۵۰	اردو مرکز دہلی ۶
باغ و بہار (نیا ایڈیشن)	مولوی عبدالحق	۳/-	" " "
لمحات انور (مجموعہ کلام)	سردار انور خاں انور	ملنے کا پتہ	مکتبہ جامع لمیٹڈ بمبئی ۳
ارمغانِ نعت (نعتیں)	مرتبہ ساجد صدیقی	۳/-	مکتبہ دین و ادب لکھنؤ
آرزوؤں کا محل (ناول)	حسرت ملیح آبادی	۴/۵۰	ضیا پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ
تاریخ ہند (نیا ایڈیشن)	صادق سردھنوی		نسیم بک ڈپو لکھنؤ
تصادم (ناول)	ضیا عظیم آبادی	۴/-	کتابی دنیا لکھنؤ
چاندنی (ناول)	رئیس احمد جعفری	۵/-	" " " "

زیر طبع کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت	ناشر
آشفتہ بیانی میری (ادبی)	رشید احمد صدیقی	۲/۵۰	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵
گنجہائے گراں مایہ (ادبی)	" "	۴/-	" " " "
سات سال (ناول)	ملک راج آنند	۵/۲۵	" " " " " "

خیالستان (افسانے) سجاد حیدر یلدرم ۴/۷۵ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵
ایک پنکھڑی گلاب کی (افسانے) شیام کنول انجمن ترقی اردو ونگلور (مانڈیا)
رسالہ بزم ہا ہند کا ہند و پاک نمبر۔ ایڈیٹر بلیغ آسنولوی
دفتر بزم ہندار ملیپار سیلاڈانگا آسنول (بردوان)

(بقیہ خبریں)

اردو ڈائجسٹ

رام پور سے اردو ڈائجسٹ کے نام سے ایک ادبی رسالے کا اجرا ہوا ہے اس کے چیف ایڈیٹر آفتاب صاحب ہیں اور معاون کلیم طوری۔ اس کی قیمت دس نئے پیسے ہے۔ اس کے اب تک دو شمارے نکل چکے ہیں۔ رسالے پر مدت اشاعت سالانہ قیمت اور مقام اشاعت وغیرہ کی نشان دہی نہیں کی ہے۔

علمی و ادبی نمائش کتب

کل ہند اردو کانفرنس کے سلسلے میں جو نمائش جے پور میں ہونے والی ہے اس میں مطبوعات اردو ۱۹۶۱-۶۲ء کے علاوہ راجستھان کے نادر مخطوطات، نایاب مسودات، خطاطی کے بہترین نمونے، تاریخی فرامین شاہی اور دیگر نوادر کا بھی ایک حصہ ہوگا۔ اس کا تمام انتظام پروفیسر سید بشیرالدین سابق لائبریرین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حال لائبریرین راجستھان یونیورسٹی نے اپنے ذمہ لیا ہے اور جے پور کی مہارانی گیاتری دیوی ممبر پارلیمنٹ نے اس کا افتتاح کرنا منظور کر لیا ہے۔ راجستھان کے گوشے گوشے سے نوادر جمع کیے جا رہے ہیں۔

سکریٹری نشر و اشاعت

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

قرآن پاک اور آسمانی پروازیں

مصنف :- معین الدین رہبر فاروقی
صفحات :- ۲۱۶ سائز ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت :- تین روپے
ملنے کا پتہ :- بیرون یاقوت پورہ املی بن ۱۷-۳-۴۰۵ حیدرآباد دکن

علمی تحقیقات اور سائنسی انکشافات کو قرآنی آیات کے ساتھ منطبق کرنے کی جدو جہد صدیوں سے کی جا رہی ہے۔ عہد عباسی میں یونانی علوم کی اشاعت کے ساتھ ہی علم کلام کی بنیاد بھی پڑ گئی۔ معلمین اسلامی تعلیمات اور علمی نظریات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جب یونانی علوم کا دور ختم ہوا اور یورپ سے جدید علوم و فنون کا آفتاب نئی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا تو پرانے علم کلام ہی نے نیا رنگ اختیار کیا اور معلمین جدید نے اسلامی خیالات کو نئے انداز سے پیش کرنا شروع کیا۔

پیش نظر کتاب بھی اس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ مصنف کے نزدیک آیات قرآنی علوم کے فارمولے ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے رازہائے کائنات کی عقدہ کشائی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ حضورؐ پاک کی بعثت اور قرآن عزیز کے نزول نے عالم میں نئے آفاقی و عالم گیر انداز سے علم و حکمت اعقل و دانش، تحقیق و تلاش اور تجربات و مشاہدات کے ہر سمت سے دروازے کھول دیے ہیں۔

اسی نقطۂ نظر کے مطابق مصنف نے قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور [illegible] عصر حاضر

کے علوم و نظریات سے متاثر دماغوں کو اسلامی حقائق سمجھانے کی کوشش کی ہے اس سلسلے میں مختصر طور پر علوم و فنون کی تاریخ سے بھی بحث کی ہے اور مسلمانوں کے علمی کارناموں سے متعارف کرایا ہے۔ زمین، چاند، ستاروں وغیرہ کے بارے میں جدید نظریات اور ربانی ارشادات کا ذکر کیا ہے۔ خلائی پروازوں کے حالات اور آیندہ امکانات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں سورج، شق القمر، مواقع النجوم، حضرت آدمؑ اور ان کی جنتی زندگی، حضرت ابراہیمؑ کا مشاہدہ کائنات اور حضرت عیسیٰؑ کے حالات جدید نظریات، تجربات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے امید ہے کہ جدید انداز میں سوچنے والوں کو یہ طرز بیان پسند آئے گا۔ ممکن ہے اس طرز پر آیندہ کام کرنے والوں کو غور و فکر کی کچھ بنیادیں بھی مل جائیں۔ لیکن یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ علمی تحقیقات کے قدم روز آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج کے حقائق ممکن ہے کل اسی طرح اوہام ثابت ہوں۔ جس طرح گزشتہ محققین کی تحقیقات آج افسانہ پارینہ سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیے ہماری یہ تعبیریں بھی وقتی ہیں۔ آیات الٰہی کی تطبیت میں شبہ نہیں لیکن ہماری تفسیر و تعبیر ہمارے علم کے اندر محدود ہے اور انسانی علم کی بساط ہی کیا ہے۔ اس لیے انہیں آیات الٰہی کی طرح قطعی نہ سمجھنا چاہیے۔ کلامی مباحث کی تاریخ اور متکلمانہ تفسیروں پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں کہ انسانی تفسیر و تشریح کبھی حرف آخر نہیں ہو سکتی ہے۔ (مولانا) عبدالسلام قدوائیؒ

★

"افکارِ سودا"

از شارب ردولوی

صفات:۔ ۲۲۳ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت:۔ تین روپے پچاس نئے پیسے

ملنے کا پتہ:۔ شاہین پبلشرز، حکیم احمد حسین روڈ، الہ آباد ۳

مرزا محمد رفیع سودا، اردو کے ان مشہور و معروف اور عظیم شاعروں میں تھے جن کا زمانہ شاید ہی کبھی بھلا سکے۔

ایک طرف تو ان کی یہ حیثیت اور اہمیت دوسری طرف ان کے کلیات کی

کم یابی، انتخاب کی کمی اور ان کے بارے میں آسانی سے یا کسی ایک جگہ سے معلومات حاصل کرنے کی دشواری۔ ۱۹۳۲ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے کلیات چھپی تھی۔ ان سے پہلے ۱۹۲۷ء میں مکتبہ جامعہ نے ایک انتخاب نکالا تھا، اور ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام شیخ چاند مرحوم کی ایک جامع اور مستند کتاب شائع ہوئی تھی۔ جس میں سودا کے متعلق بہت کچھ موجود ہے۔ ان کے بعد پوری چوتھائی صدی گزر گئی اور سودا پر کوئی قابل ذکر کتاب سامنے نہیں آئی۔ نہ کلیات اور نہ انتخاب۔

اس افسوسناک اور حیرت انگیز کمی کو محسوس کرکے شارب صاحب نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔

"سودا کی شاعرانہ اہمیت" کے عنوان سے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے جس میں سودا کے عہد اور ان کے گرد وپیش کے سیاسی حالات اور سماجی احوال کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے محرکاتِ شاعری کو واضح کیا ہے۔ خاندانی اور ذاتی حالات بتائے ہیں اور ان کی شاعری کے مدارج وارتقا پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ پھر غزل، قصیدہ، مرثیہ اور ہجو کو لے کر الگ الگ ان کی خوبیوں کی تشریح کی ہے۔ اور اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ جن کو پڑھ کر نہ بے جا مداحی کا گمان ہوتا ہے اور نہ ہٹ دھرمی کا۔

شاہ ولی اللہ کی ہجو کا ذکر شیخ چاند مرحوم نے بھی کیا ہے لیکن ایک بے بنیاد اور نامناسب بات کی گرفت اور اس پر اعتراض جن مضبوط دلیلوں اور محققانہ اسلوب سے شارب صاحب نے کیا ہے، اس سے ان کی انصاف پسندی اور ادبی دیانت داری پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے۔

سودا کی شاعرانہ حیثیت اور ان کے رتبے کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے "...... یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی عظمت کے پرشکوہ قلعے کی بنیاد ہجو پر ہے"۔ بڑی سنجیدہ اور رتبے کی بات ہے۔ اس نکتے کی طرف بھی اشارا کرنا ایک خاص بصیرت اور بصارت کی دلیل ہے۔

انتخاب میں غالب حصہ غزلیات کا ہے، اس کے بعد رباعیات جن میں چار مشہور اور مکمل قصیدے ہیں۔ پھر سلام و مراثی اور آخر میں ہجویات۔ منتخب حصے اشعار

کو "طوالت" کے خیال سے۔ رباعیات و اسوخت اور دوسری شاعرانہ کاوشوں کو زیادہ ضروری نہ سمجھ کر "نظر انداز" کر دیا گیا ہے۔

انتخاب کرنے والے کی یہ خواہش اور کوشش کہ سودا کے "تمام نمائندہ اشعار ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں" درست اور کامیاب ہے۔

غرض سودا کو اچھی طرح سمجھنے اور ان کے کلام سے لطف اور فائدہ اٹھانے کے لیے ایک کام کی کتاب ہے۔ کاش اس کی کتابت و طباعت کے معاملے میں صحت اور ذمہ داری سے کام لیا گیا ہوتا۔ ایسی صورت میں 'افکارِ سودا' کی قیمت بھی کچھ مناسب نظر نہیں آتی۔

رشید نعمانی

★

حرفِ شیریں

از پروفیسر قاضی غلام محمد
صفحات:۔ ۸۴ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت:۔ ایک روپیہ پچاس نئے پیسے
ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو خیرت آباد حیدر آباد۔

حرفِ شیریں' کا حصہ اوّل مزاح کی چاشنی رکھتا ہے۔ اس میں گیارہ نظمیں اور چھ غزلیں شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں تقریباً بیس غزلیں ہیں۔ قاضی غلام محمد صاحب کشمیر یونیورسٹی میں ریاضی کے استاد ہیں۔ ان کا مزاحیہ کلام اپنے خاکستر میں ذہانت اور شوخی کی چنگاریاں لیے ہوئے ہے۔ اور ایک سنجیدہ ذہن کا ردِّ عمل معلوم ہوتا ہے۔ عموماً اپنے تفننِ طبع کا ذریعہ بنتا ہے اور بسا اوقات اپنے احباب کے لیے بھی سامانِ لطف فراہم کرتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں ہوسٹل کی راہ سے ہو کر گزر گیا ؛ ورنہ سفرِ حیات کا کتنا طویل تھا
عجب شے ہے کرائے کا مکاں بھی ؛ مکاں بھی ہے یہ ظالم لامکاں بھی
نیند کیا آئے گی شبِ غم میں ؛ تین ٹانگوں کی چارپائی ہے
ڈر یہ نہیں کہ ہجر میں جینا محال ہے ؛ ڈر ہے کہ خاکسار کثیر العیال ہے

قاضی صاحب کی سنجیدہ شاعری میں وہ شگفتگی نہیں ہے جو ان کے مزاحیہ کلام میں نظر آجاتی ہے۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور مرحوم کا تعارف بھی اس مختصر مجموعۂ کلام کی زینت ہے اور انہیں کی بدولت یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے زور صاحب آخری دم تک تحقیق و تدوین کے کاموں میں منہمک رہے۔ ان کی اچانک وفات کا تازہ سانحہ اس وقت حرفِ شیریں کو اُن کی خدمتِ ادب کے ایک علامتی نشان کی حیثیت سے پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

عبداللہ ولی بخش قادری

★

شاعر کی شادی

از شانتی رنجن بھٹاچاریہ

صفحات :- ۴۰ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

قیمت :- پچاس نئے پیسے

ملنے کا پتہ :- شانتی رنجن بھٹاچاریہ پوسٹ سارپور ضلع چوبیس پرگنہ

ایک شاعر ہے، سارے دیس میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ کچھ دیوانہ سا ہے مگر بکارِ خویش ہشیار۔ اس نے اپنا تخلص بھی دیوانہ رکھا ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا عیب ہے، بہت منہ پھٹ ہے جی میں آتا ہے وہی زبان پہ آتا ہے یہ صاف بیانی سیاسی شعبدہ بازوں کو سرمایہ داروں کو کھل جاتی ہے۔ دیوانہ شاعر آرام اور دماغی سکون کے لیے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔

ہر ایک دفعہ اس شاعر کے دماغ میں ایک نئی بات آئی، ایک نیا خلل سمایا اسے شادی کرنی چاہیے۔ پر اس سودائی کے جی میں نہ جانے کیا بیٹھی ہوئی تھی کہ اس نئے زمانے میں نئے دور میں جب موقع پرستی کا چلن ہے سیاسی بازی گری کا چلن ہے، منافقت کا چلن ہے، یہ دیوانہ شاعر پرانی قدروں کا "انسانیت کا" شرافت کا "کیرکٹر" کا متلاشی ہے اپنی "نصف بہتر" کی تلاش میں شہروں شہروں بھٹکتا ہے۔ مگر گوہر مراد ایک مزدور حلقے میں ملتا ہے۔ ایک غریب مزدورنی میں وہ

خوبیاں مل جاتی ہیں جن کی اسے تلاش ہے۔

کہانی دلچسپ ہے۔ طنز و مزاح کی چاشنی نے اس کی دلچسپی بڑھادی ہے شروع کی تمہید میں ایسا لگتا ہے کہ مصنف نے یہ بچوں کے لیے لکھی ہے۔ مگر آگے چل کر یہ انداز نبھ نہیں سکا ہے۔

محمد حسین حسان

★

فکر و خیال

مرتبہ :- زہیر کنجاہی

صفحات :- ۶۶ سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت :- ایک روپیہ

پبلشر :- افقرا کاڈمی راولپنڈی

تقریباً ستاون برس سے لکھنؤ میں انجمن وارثی کے زیر اہتمام پابندی کے ساتھ طرحی مشاعرہ ہوتا ہے۔ مصرعۂ طرح ہمیشہ بحر ہزج سالم میں اور قوافی آستاں عاشقاں وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ صرف ردیف تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

"فکر و خیال" اپریل ۶۲ء کے مرکزی وارثی مشاعرہ لکھنؤ کا گلدستہ ہے اس کا تاریخی نام "خزینۂ سخن" ہے۔ اس گلدستے میں آٹھ فارسی غزلیات اور اکیاسی غزلیں اردو کی شامل ہیں۔ شعرا حضرات میں: اثر لکھنوی، سراج لکھنوی اور حماد فاروقی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ کافی تعداد میں ہندو شعرائے شرکت کی ہے۔ خواتین میں محترمہ شمس بارہ بنکی اور محترمہ کنول بھارتی لکھنؤی شامل ہیں۔

غزلیات کے ساتھ انجمن وارثی کی مختصر تاریخ نیز اردو کے قدیم گلدستوں پر اجمالی نوٹ بھی درج ہیں۔

"خزینۂ سخن" میں حاجی وارث علی کی شبیہہ مبارک، اُن کے روضے کی تصویر سید افقر موہانی اور زہیر کنجاہی کی تصویریں عمدہ آرٹ پیپر پہ چھپی ہیں مگر غزلیات کے لیے خراب کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

زہیر کنجاہی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ہندو پاک میں کسی مشاعرہ کا انتخاب گلدستے کی شکل میں شائع نہیں ہوتا ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ ۱۹۶۱ء میں آئینۂ خیال

اور "لعل وگہر" "دو گلدستے" "جشن اثر" "یوم برقی" کے سلسلے میں جامعہ نگر اور دہلی سے نہایت سلیقے کے ساتھ چھپے ہیں۔

وارثی مشاعرہ کا افادی پہلو یہ ہے کہ مقررہ تاریخ پر پاکستان، عرب، افریقہ، اور رنگون وغیرہ میں سلسلہ وارثیہ کے عقیدت مند مشاعرے منعقد کرتے ہیں اور اس سے اردو غزل کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

سیفی پریمی

★

جدید سائنس

برائے جماعت ہفتم

مصنف: ر اے، کے، دیوکر، ریاض آفندی

صفحات: ۸۰ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

قیمت: ایک روپے پچیس نئے پیسے

ملنے کا پتہ: مشتاق بکڈپو ۱۲/۵ مسجد اسٹریٹ بمبئی ۳

۸۰ صفحات کی اس مختصر کتاب میں مصنفین نے کافی مواد فراہم کیا ہے اس کی زبان عام فہم ہے لیکن اصطلاحات ضرور غیر مانوس ہیں اور ان کے متبادل انگریزی اصطلاحات کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے

کتاب سوال اور جواب کی شکل میں لکھی گئی ہے لیکن مشقی سوالات نہیں دیے گئے جس سے طالب علم اپنے سیکھے ہوئے علم کو استعمال کر سکے اور نہ ہی مزید تجربوں کا طلباء کو مشورہ دیا گیا ہے۔ تاکہ سمجھے ہوئے اصولوں کو اپنے تجربے کی مدد سے پرکھ سکے۔

کتاب میں اگرچہ امدادی تصاویر موجود ہیں مگر کئی جگہوں پر تصاویر کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ بات امید افزا ہے کہ تصاویر دھندلی اور مبہم نہیں ہیں۔ سائنس کے موضوعات پر جو کتابیں اردو وغیرہ میں لکھی جاتی ہیں ان میں تصاویر کا معیار عام طور پر پست ہوتا ہے۔ یہ امر پرنٹر اور پبلشر کے لیے قابل توجہ ہے کہ وہ اس کمی کو کس طرح پورا کریں۔

بہر تو مصنفین کتاب کی کوششیں لائق تحسین ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا

تو اردو کا دامن بھی ایسے ہی مصنفین کے زورِ قلم سے پُر ہو جائے گا۔

تقی رضا نقوی

مدرسہ ثانوی جامعہ ملیہ اسلامیہ

★

بہارستان

از مولانا نسیم صاحب بستوی

صفحات: ۸۰ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت :۔ ایک روپیہ

سن اشاعت :۔ مئی ۱۹۶۰ء

ناشر :۔ مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف (ضلع بستی)

یہ کتابچہ مولانا محمد صابر القادری نسیم صاحب بستوی کا مجموعۂ کلام ہے اس میں کیف آفریں نعتوں، وجد آور سلاموں اور دل نواز منقبتوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلعم کی شان میں نعتیہ قصائد کا لکھنا یا پڑھنا ایک ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں دین و دنیا کے بہت سے فائدے ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب کے شروع میں دی ہوئی چند تقاریظ یقیناً مطالعہ کے لائق ہیں۔

کتاب کے آخر میں مولانا نسیم صاحب نے اپنی چند اسلامی نظموں اور غزلوں کو بھی شامل کر لیا ہے، گویا حقیقت اور مجاز کو یکجا کر دیا ہے کتاب کا مطالعہ ہر صاحب ذوق مسلمان کے لیے یقیناً مفید ہو گا۔

شبنم قادری

★

حدیثِ دل

از

غلام ربانی تاباں

قیمت

دو روپے ۵۰ نئے پیسے

غلام ربانی تاباں نے اس راز کو پا لیا ہے کہ اگر اپنے ماحول اور مسائل کا صحیح شعور ہو تو غزل بھی زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے اور غزل گو کی شخصیت کا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے چنانچہ اپنے دھیمے اور جاندار لہجے میں انہوں نے وہ سب کچھ لکھا ہے جو ان کے فکر و خیال کا جز ہو کر ان کی ذات اور شخصیت بن چکا ہے ان کی زبان بھی نرم اشارے معنی خیز، خیالات فکر انگیز اور طرزِ ادا فنکارانہ ہے یہ سلری خصوصیت غزل میں جان ڈال دیتی ہے۔ احتشام حسین

مرتبہ ظل عباس عباسی

ادبی خبریں

مہاراشٹر قلم کار سوسائٹی مہاراشٹر قلم کار سوسائٹی بمبئی کی طرف سے مدن پورہ فری نائٹ ہائی اسکول کے طلبہ اور طالبات کی پارلیمنٹ کے زیر اہتمام ۵ر اکتوبر کو جناب غلام ربانی صاحب تاباں کے اعزاز میں ایک شعری نشست منعقد ہوئی۔ افتتاح کی رسم جناب سلامت خیرآبادی اور صدارت جناب ایس۔جی۔ کے حسینی ایڈوکیٹ نے فرمائی۔ اسکول کا معائنہ فرمانے کے بعد تاباں صاحب نے ایک مختصر تقریر میں سوسائٹی کے کاموں سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی ادبی خدمات کو سراہا۔ شعری نشست رات گئے تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہی۔

مہاراشٹر اردو بک سیلرز اوارڈ ہم اس سے قبل، اس سال کے لیے، صفیہ اختر مرحومہ کے گراں قدر ادبی مضامین کے مجموعے (انداز نظر) اور ڈاکٹر صفدر آہ کی بلند پایہ تحقیقی تصنیف "فردوسیٔ ہند" پر انعامات دینے کا اعلان کر چکے ہیں اور اب ہم نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ مذکورہ دو کتابوں کے ساتھ ہی ساتھ ہم اردو کی خواتین افسانہ نگاروں کے مجموعے کے مرہٹی ترجمے "انوکھی داتا" پر بھی انعام دے رہے ہیں۔ یہ ترجمہ شری آر۔ پی جوشی پرنسپل مہاڑ کالج نے کیا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کی ان دو عظیم زبانوں یعنی اردو اور مرہٹی کو ایک دوسرے سے قریب لانے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ دونوں زبانوں کے شاہکاروں کے ترجمے شائع کیے جائیں۔ امید ہے کہ اردو نواز حضرات ہمارے اس فیصلے سے یقیناً خوش ہوں گے۔

شاہد علی خاں
سکریٹری مہاراشٹر اردو بک سیلرز اوارڈ کمیٹی بمبئی ۳

حضرت فراق کی علالت ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر اور نقاد حضرت رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری آج کل سخت

علیل ہیں آپ کو قلب کے دوروں کی شکایت ہے، بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ دعا کیجیے کہ موصوف کو جلد از جلد صحت کامل حاصل ہو جائے اور وہ دیر تک اردو ادب کی خدمت اور رہنمائی کرسکیں۔

مولانا حفظ الرحمن کی یادگار

پٹنہ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ مولانا حفظ الرحمن مرحوم کی یادگار میں ایک عمارت تعمیر کی جائے گی۔ مولانا اردو کے ممتاز اہل قلم بھی تھے اور مذہبی موضوعات پر ان کی کئی کتابیں بہت ممتاز مقام رکھتی ہیں۔

نوح ناروی کا انتقال

یہ خبر اردو کے ادبی حلقوں میں رنج و ملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے معمر ترین استاد حضرت نوح ناروی بھی دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ مرحوم داغ دہلوی کے شاگردوں میں سے تھے بلکہ ان کے جانشین سمجھے جاتے تھے۔ عرصے سے بیمار اور صاحب فراش تھے اور مشق سخن کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ نصف صدی سے بھی زیادہ مطلع اردو پر فروزاں رہے۔

ایک نیا فلمی اخبار

اردو میں ایک نیا فلمی پندرہ روزہ "سائن آرٹ" کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ یہ اخبار آفسٹ پر چھپ رہا ہے اور دنیا کی فلم انڈسٹری اور اس سے متعلق نئی خبروں اور حالات سے باخبر رکھنے کے لیے بے شمار تصویروں سے مزین ہے۔ افتخار احمد شیخ صاحب کی ادارت اور انیس مرزا کی معاونت میں یہ اخبار ۔۔۔ ۱۱۲۰ بلیماران دہلی ۶ سے نکل رہا ہے۔ سالانہ قیمت چار روپے ہے۔

ہندوستانی بولی بولنے والوں کی بستی

تاجکستان کی وادی حصار میں ڈیڑھ ہزار باشندوں پر مشتمل ایک آبادی پھیلی ہوئی ہے جو اپنے آپ کو "یاریا" کہتی ہے۔ ان کی بول چال کا تحقیقی مطالعہ کرکے خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ہندوستانی بولی ہے جو پنجابی اور سندھی سے مشابہہ ہے۔ مقامی باشندے ان لوگوں کو افغان کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن ماہرین کا خیال ہے کہ ان کی بولی کا افغانستان کی زبان سے کوئی تعلق نہیں۔ یاریا لوگ تاجکستان کے علاوہ ازبکستان میں بھی سرخان دریا کے کنارے بسے ہوئے ہیں۔ آپس میں یاریا لوگ اپنی مخصوص بولی میں بات چیت کرتے ہیں۔

(باقی خبریں صفحہ پر)

مطبوعات مکتبہ جامعہ ایک نظر میں

بڑوں کی کتابیں

ادب، تنقید، انشاء، نظم

کتاب	مصنف	قیمت
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	۲/۵۰
پردیسی کے خطوط	مجنوں گورکھپوری	۲/۷۵
پریم چند	ہنس راج رہبر	۲/۵۰
تنقید کیا ہے؟	آل احمد سرور	۳/۲۵
تذکرۂ جگر	محمود علی خاں جامعی	۳/-
حسرت کی شاعری	ڈاکٹر یوسف حسین	۱/-
روحِ اقبال	"	۷/۵۰
ذکرِ غالب	مالک رام، ایم۔ اے	زیرِ طبع
روحِ تہذیب	خواجہ غلام السیدین	-/۷۵
کچھ پرانے خط (حصہ اوّل)	پنڈت جواہر لعل نہرو	۸/-
" " (حصہ دوم)	"	۸/-
گنجہائے گرانمایہ	رشید احمد صدیقی	۴/-
محرابِ غزل	روش صدیقی	۲/-

کتاب	مصنف	قیمت
بیوہ	منشی پریم چند	۲/۵۰
پرند اور دوسرے افسانے	آصف مجیب	۱/۵۰
خیالستان	سید سجاد حیدر یلدرم	۳/۷۵
دلدل	ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ	۴/۵۰
دو ہاتھ	عصمت چغتائی	۳/۵۰
دیا جلے ساری رات	خواجہ احمد عباس	۲/۵۰
زندگی کی لہر	ساؤمنگ	۳/-
سات سال	ملک راج آنند	۵/۲۵
شکستِ ناتمام	جان اسٹن بک	۲/-
کالے صاحب	اوپندر ناتھ اشک	۲/۵۰
کیمیاگر	پروفیسر محمد مجیب	۲/-
گئودان	منشی پریم چند	۶/۵۰
میدانِ عمل	"	۶/-
نئی بیاری	مہندر ناتھ	۲/۵۰
واردات	منشی پریم چند	۲/۵۰

ناول، افسانے

کتاب	مصنف	قیمت
ایک چادر میلی سی	راجندر سنگھ بیدی	۲/۲۵
باپ بیٹے	ترگنیف	۴/-

ڈرامے

کتاب	مصنف	قیمت
آ[illegible]	[illegible] بیٹے	۳/۵۰
آداب [illegible]	بیگم [illegible] زیدی	۱/۵۰

آزمائش — پروفیسر محمد مجیب — ۱/-
ہم لفافہ — اشتیاق حسین قریشی — -/۳۱
خانہ جنگی — پروفیسر محمد مجیب — ۱/۳۷
خالد کا خالہ — بیگم قدسیہ زیدی — ۱/۷۵
جان باز — " " " — ۱/۳۷
دوسری شام — پروفیسر محمد مجیب — -/۷۵
سراج الدولہ — سچین سین گپتا — ۱/۵۰
کھیتی — پروفیسر محمد مجیب — -/۷۵
نفرت کا بیج — اشتیاق حسین قریشی — -/۷۰
نقش آخر — " " " — ۱/۲۵
ہیروئن کی تلاش — پروفیسر محمد مجیب — -/۶۲

تعلیم

بنیادی استاد کے لیے — ڈاکٹر سلامت اللہ — ۴/۲۵
تعلیمی خطبات — ڈاکٹر ذاکر حسین — ۲/۷۵
چند پروجیکٹ — عبدالغفار مدھولی — ۲/۵۰
کھیل کے ذریعہ تعلیم اول — " " — ۲/-
" " " دوم — " " — ۱/-
کاغذ بنانا — پنڈت تلا رام — -/۳۷
ہم کیسے پڑھائیں — ڈاکٹر سلامت اللہ — ۲/۵۰

تاریخ و سوانح

امن کا راستہ — عبدالغفار مدھولی — ۲/-
تاریخ الامت اول — مولانا اسلم جیراجپوری — ۲/۵۰
" " دوم — " " — ۳/۲۵
" " سوم — " " — ۲/-
" " چہارم — " " — ۳/۲۵
" " پنجم — " " — ۳/۲۵
" " ششم — " " — ۳/۲۵
دنیا کی کہانی — پروفیسر محمد مجیب — ۲/۵۰
کشمیر پر حملہ — کرشنا مہتا — ۲/-
گاندھی بابا کی کہانی — بیگم قدسیہ زیدی — ۳/-
گاندھی جی بادشاہ خان کے دیس میں — پیارے لال — ۵/-
میری کہانی دوم — جواہر لعل نہرو — ۸/-

مذہب

تعلیمات اسلام اول — مولانا عبدالسلام قدوائی — ۲/-
" " دوم — " " — ۲/۲۵
سبیل الرشاد — خواجہ عبدالحی فاروقی — ۱/-
میرا عقیدہ — ابوالکلام آزاد — ۱/۵۰
ہندوستان میں مذہب اسلام — آصف بن
پر نظر ثانی کی ضرورت — علی اصغر فیضی — -/۵۰

بچوں کی کتابیں

مذہب

ارکان اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — -/۲۵
آں حضرت ﷺ — الیاس احمد مجیبی — -/۵۰

پاک کہانیاں اول — مقبول احمد سیوہاروی — -/۹۵
" " دوم — " " — ۱/۱۵
چار یار — الیاس احمد مجیبی — ۱/۲۰

خلفائے اربعہ خواجہ عبدالحی فاروقی ۱/۳۷
رسول پاکؐ عبدالواحد سندھی ۱/۵۰
عقائد اسلام مولانا اسلم جیراجپوری -/۵۰
سرکار دو عالم محمد حسین حسان ۲/-
مسلمان بیبیاں اعجاز الحق قدوسی -/۷۵
نبیوں کے قصے خواجہ عبدالحی فاروقی -/۸۷
ہمارے رسولؐ سید نواب علی رضوی -/۸۷
ہمارے نبیؐ " " -/۴۰

معلومات

آدمی کی کہانی مشتاق احمد اعظمی ۱/۲۵
انوکھا عجائب خانہ اول محمد حسین حسان -/۵۰
" " دوم " " -/۴۰
" " سوم " " -/۴۰
" " چہارم " " -/۵۰
بجلی کی کہانی علی احمد خاں -/۵۰
بجلی اور مقناطیس کے کھیل -/۷۵
بڑ دادا کی کہانی پروفیسر عبدالغفور -/۵۶
تاریخ ہند کی کہانیاں اول خجستہ سلطانہ -/۸۰
" " دوم ضیاء الرحمٰن -/۷۵
" " سوم مشتاق احمد اعظمی -/۷۵
" " چہارم " " -/۸۷
دادا نہرو منور لکھنوی ۱/۵۰
دہلی ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی ۱/۵۰
دنیا کے بسنے والے بشیر حسین زیدی -/۷۵
دنیا کے بچے محمد حسین حسان -/۶۵

سونے کی چڑیا محمد عبدالغفور ۱/-
سمندر کے کنارے سلطانہ آصف فیضی ۱/۱۲
سماجی زندگی اول احمد الیس پٹیل -/۵۶
" " دوم " " -/۸۰
" " سوم " " -/۸۱
" " چہارم " " -/۸۱
قدرت کے کرشمے -/۶۲
گاندھی بابا کی کہانی قدسیہ بیگم زیدی ۲/-
مقناطیس کی کہانی -/۴۴
ہمارا راج مدن موہن گپت -/۶۲
ہماری پارلیمنٹ کیلاش چندر ۱/۵۰

کہانیاں

اس نے کیا کر نہ جانا آصفہ مجیب -/۳۷
ایک مزیدار کتاب -/۵۰
ایک کچوری تیل میں اسرار ندوی -/۴۰
بچوں کی کہانیاں عبدالواحد سندھی -/۳۷
پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی -/۳۵
پرندوں کا ایکا سید سجاد مرزا -/۲۰
تانبیل خاں محمد حسین حسان -/۳۰
ترکوں کی کہانیاں -/۵۵
جنگل کا راجہ صبیحہ بیگم -/۳۱
جگنو کی بتی عبدالواحد سندھی -/۲۵
چھوٹی لالٹین مشتاق احمد اعظمی -/۳۱
چڑیوں کی کانفرنس احسن عثمانی -/۴۵
چلبلی محمد حسین حسان -/۵۰

چمپادت کا آدم خورشیر محمد معین -/۳۵
خرگوش کا بچہ نٹ -/۲۵
خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا کوثر بانو -/۳۰
شہزادہ گلنار پروفیسر عطاء اللہ -/۴۰
شہزادہ اور ٹھگ -/۴۵
شہزادہ گلفام ثریا بیگم -/۵۰
شیدلا پروفیسر محمد مجیب -/۵۰
لال مرغی عبدالواحد سندھی -/۵۰
مزہ چکھائیں گے۔ -/۳۱
مرغی اجمیر چلی ڈاکٹر ذاکر حسین -/۲۵
ننھا ٹٹو خورشید سلطانہ -/۳۰
ہمت کے پھل عبدالواسع عمری -/۳۵

بچوں کے ناول

تین اناڑی عصمت چغتائی ۱/۴۰
حسن عبدالرحمٰن جن اول ۲/۰
" " " دوم ۲/۰
خرگوش کا سپنا کرشن چندر ۱/۷۵
ستاروں کی سیر " " ۱/۷۵

ڈرامے

فیروز مردار لڑکا عبدالغفار مدھولی -/۵۶
آؤ ڈرامہ کریں پروفیسر محمد مجیب -/۶۰
دیانت ڈاکٹر ذاکر حسین -/۵۶
ٹھو کی عید احسن عثمانی -/۵۰

نظمیں اور پہیلیاں

بچوں کا افسر حامداللہ افسر -/۷۵
مزیدار پہیلیاں محمود علی خاں جامعی -/۶۵

متفرق

آسان خوشخطی اول علی محمد خاں -/۳۰
" " دوم " " -/۳۰
" " سوم " " -/۳۰
" " چہارم " " -/۳۰
نیا حساب برائے درجہ سوم اکرام احمد ۱/۱۰

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نئی دہلی ۲۵

شاخ بمبئی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

شاخ دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

اردو بازار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دہلی ۶

سالانہ چندہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی	فی پرچہ ۱۰ نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد دہلی نے کوہ نور پریس لال کنواں، دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

Regd. No. D. 58 November 1962

Kitab Numa

JAMIA NAGAR, NEW DELHI-25.

نگراں
غلام ربانی تاباں

ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی

مدیر
ریحان احمد عباسی

جلد ۳ دسمبر ۱۹۶۲ء شمارہ ۱۲

اشاریہ

چین نے ہندوستان کی سرحدوں پر حملہ کرکے جس جارحیت کا ثبوت دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور اب ہندوستان کے ایک بڑے علاقے پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد اچانک جس طرح اس نے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا ہے اور جو ناجائز و نامناسب شرائط پیش کی ہیں اُن سے چین کی بُری نیت کا صاف اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی نامناسب شرائط کسی بھی خود دار ملک کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ جنگ بندی کے یک طرفہ اعلان کے بعد سرحدی محاذوں پر گولیاں چلنا بند ہو گئی ہیں لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے وہ ابھی تک بند نہیں ہوئی اور اس سے پیدا شدہ ہنگامی حالات بھی بدستور باقی ہیں اس لیے قومی دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے ہم جو مساعی کر رہے ہیں ان میں کسی قسم کی ڈھیل یا تساہلی نہیں آنی چاہیے۔ ان تمام محاذوں پر جو دفاعی سرگرمیوں کے لیے بنائے گئے ہیں ہمیں اپنی تمام کوششیں نہ صرف جاری رکھنا چاہئیں بلکہ ان کو تیز سے تیز تر کر دینا چاہیے تاکہ اس وقت پوری قوم میں جو قابلِ تعریف ذہنی بیداری پیدا ہوئی ہے وہ برقرار رہے اور بالآخر ہماری قومی سیرت اور کردار کا لازمی جز بن جائے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سالانہ میلہ جو اس سال نومبر میں ہونے والا تھا موجودہ ہنگامی حالات کے پیش نظر ملتوی کر دیا گیا ہے۔ پچھلے دنوں [illegible] مکتبہ جامعہ کی طرف سے انعامات دینے کی تقریب گورنر بہار [illegible] کے انتقال کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑی تھی خیال تھا کہ کسی وقت یہ تقریب بمبئی میں پھر منعقد کی جاسکے گی مگر وہ

حالات کے پیش نظر اسے بھی ترک کرنا پڑا۔ ہم نے مجوزہ انعامات ان اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کی معرفت بچوں کو تقسیم کرادیے ہیں جن میں یہ بچے پڑھتے تھے۔

محاذ پر لڑنے والے جوانوں اور ان کے بچوں کے لیے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے گیارہ سو روپے سے زیادہ کی کتابیں انڈین ریڈ کراس سوسائٹی کو پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری شاخ واقع اردو بازار جامع مسجد دہلی نے دوسرے اردو ناشرین کے ساتھ قومی دفاعی فنڈ میں چندہ دیا ہے۔ مکتبہ جامعہ کا اسٹاف (بشمول شاخ دہلی و شاخ بمبئی) پہلے ہی اپنی ایک دن کی تنخواہ دفاعی فنڈ کو پیش کر چکا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کارکنوں نے بھی اپنی ایک دن کی تنخواہ اس فنڈ کو بھوائی ہے۔

روحِ اقبال

ڈاکٹر یوسف حسین

خواہ ہم اقبال کی شاعری کا مطالعہ کریں یا ان کی تقریریں اور خطبات پڑھیں، ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع، ان کا علم عمیق اور بے پایاں اور ان کا تخیل انتہائی درجہ بلند تھا۔ اقبال معانی کا ایک ایسا سمندر ہے جس کے کناروں کا پتہ نہیں۔ ان کے کلام پر جتنا غور کیجیے اتنی ہی اس میں نئی نئی باتیں معلو[illegible]تی ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین کی یہ معرکۃ الآرا تصنیف، اقبال کے تمام اساسی خیالات پر حاوی اور اسی طرح حقیقی معنوں میں ان کے کلام کا نچوڑ یا روح ہے۔ اقبال اور ان کے کلام کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

(ترمیم و اضافے کے بعد نیا پانچواں ایڈیشن)

قیمت :- سات روپے پچاس نئے پیسے

ڈاکٹر ذاکر حسین

ہندوستان کے آخری مغل تاجدار

بہادر شاہ ظفر

۷ر نومبر کو بہادر شاہ ظفر کی سو سالہ برسی منائی گئی۔ اس موقعے پر نائب صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے آل انڈیا ریڈیو سے ایک تقریر نشر فرمائی۔ اس تقریر کا ترجمہ ہم آل انڈیا ریڈیو کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

آج سے پورے سو سال قبل، ۷ر نومبر کو بہادر شاہ ظفر اپنی پیاری دلی اور محبوب لال قلعے سے دور رنگون میں بے کسی اور تنہائی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ زمانہ کے نشیب و فراز اور زندگی کی دھوپ چھاؤں پر غور کرتے ہوں گے تو انہیں اپنے ذی ہوش اور منچلے بزرگوں کے کارنامے یاد آتے ہوں گے جنہوں نے ہندوستان میں ایک ایسی وسیع سلطنت تعمیر کی جو ہندوکش سے کاویری تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی بے شمار دولت، بے مثل صنعت و حرفت اور بے نظیر خوشنما اور شاندار عمارتوں کی سارے سنسار میں دھوم تھی جس کے علوم و فنون شاعری اور موسیقی کا دیش بدیش چرچا تھا۔

اس سلطنت کے نظم و نسق کی عمارت گاؤں پنچایت کے پرانے خود اختیاری نظام پر قائم تھی اور منزل بہ منزل سرکار، ضلع، صوبے اور مرکزی حکومت تک جس کا فرمانروا شہنشاہ تھا اٹھتی چلی گئی تھی۔ اس کے حکمرانوں نے دانشمندی سے کام لے کر اپنی ساری رعایا کی حمایت حاصل کر لی تھی اور ہندو مسلمان دونوں کو اپنے قصر حکومت کے ستون سمجھتے تھے وہ ہندوستانی علم و حکمت اور فنون لطیفہ کے قدردان اور سرپرست تھے اور ان کے زمانے میں دیسی بھاشاؤں بِرج بھاشا، اودھی اور بنگلہ نے بہت فروغ پایا اور سور، تلسی، بہاری اور کئی شعرا کے لافانی کلام نے ہندوستانی ادب کو مالا مال کر دیا۔

بہت سے نیک اور پرہیزگار لوگوں نے جن میں بعض شہنشاہ بھی شامل تھے اس بات کی

کوشش کی کہ مختلف مذہبی عقیدوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے ایک مشترکہ زندگی کی بنیاد رکھیں وہ صلح کل کے مسلک کو اپنا کر ایک ایسی راہ نکالنا چاہتے تھے جس پر سبھی سالک دوش بدوش چل سکیں اور اور سعادت ابدی کی منزل تک پہنچ سکیں۔

پھر بہادر شاہ ظفر یہ سوچتے ہوں گے کہ خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے اور تقدیر کا لکھا اٹل ہوتا ہے، ہندوستان میں آپس کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھائی بھائی سے لڑنے لگا ایک ذات دوسری ذات کی، ایک مت دوسرے مت کے خون کا پیاسا ہو گیا اور ہزاروں میل دور سات سمندر پار سے ایک بدیسی قوم آئی اور آپس کی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر مالک بن بیٹھی۔ اس ناٹک کے آخری سین میں خود بہادر شاہ محض تماشائی نہیں بلکہ ایکٹر کی حیثیت سے بہت اہم حصہ لے رہے تھے اس میں شک نہیں کہ سلطنت آنے والی بلا کو ٹالنے کا موقع کھو چکی تھی مگر اس کی دو سو سال کی شان و شوکت کی گہری چھاپ ہندوستانی قوم کے دلوں پر موجود تھی۔ اٹھارویں صدی میں مغل شہنشاہ کی سیاسی طاقت برائے نام رہ گئی تھی پھر بھی اس کے نام کا اور اس کے خاندان کی روایات کا جادو اب تک اپنا کام کرتا تھا۔ پرانے راجپوت راجہ اب بھی دہلی کے دربار سے خطاب اور خلعت پاتے تھے مرہٹے پیشوا اور ان کے سردار اب بھی اس کی عنایات سے سرفراز ہوتے تھے۔ خود مختار صوبے دار اب تک اپنی غصب کی ہوئی حکومت پر جواز کا پردہ ڈالنے کے لیے سندیں حاصل کرتے تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل اب بھی اپنے آپ کو شہنشاہ کا فدوی کہتا تھا۔ نئے بادشاہ کی تخت نشینی سے اب بھی سنہ جلوس شروع ہوتا تھا۔

بہادر شاہ ظفر اکتوبر ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ ان کی قلمرو لال قلعہ کی دیواروں تک محدود تھی، سلطنت کی بس ایک پرچھائیں رہ گئی تھی اور دربار کی حیثیت جھگڑالو بیکار شہزادوں، مرشد زادوں، درباریوں اور چوبداروں کی ایک بھیڑ سے زیادہ نہ تھی اس اداس گھٹے ہوئے ماحول میں بہادر شاہ اپنے جاہ و منصب کے وقار کو قائم رکھنے اور اپنے بزرگوں کی تہذیبی روایات کو نبھانے کی اپنی سی کوشش کرتے تھے۔

لال قلعہ میں اب بھی اہل سخن اور اہل قلم کا جمگھٹا رہا کرتا تھا۔ دہلی والوں کے محبوب میلوں اور تہواروں کو پہلے کی طرح اب بھی دربار کی سرپرستی حاصل تھی۔ بادشاہ کے جلوس کو دیکھ کر اب بھی لوگوں کو سلطنت کی عظمت رفتہ یاد آ جاتی تھی اور اس کے دم قدم سے شہر کے آس پاس باغوں اور سیرگاہوں کی رونق کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ خزانے میں روپے پیسے کا

توڑا تھا۔ پھر بھی خانقاہوں اور دھرم شالوں، غریبوں اور محتاجوں کے لیے بھتیوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

بہادر شاہ ظفر علم دوست اور شاعر تھے اور ان کے وقت کا بڑا حصہ ادبی مشاغل میں گزرتا تھا۔ وہ کئی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور فارسی، اردو، ہندی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے ان کے اردو اور ہندی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور محاورے اور روزمرہ کے استاد تھے۔

بظاہر ان کی پرسکون زندگی کا بندھا ہوا ڈھرا بدلنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی تھی مگر ہندوستانی زندگی کی خاموش اور ساکن سطح کے نیچے، بے چینی اور شورش کا ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔ ان حکمراں خاندانوں کے سینے میں جو اپنے تاج و تخت سے محروم کردیے گئے تھے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ عام لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ حکومت کی پالیسی جبر و تشدد پر مبنی ہے، انصاف، مہنگا ہے، عدالت کی کارروائیوں میں بہت دیر لگتی ہے اور بڑی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ وہ اپنے دین دھرم، ذات پات کو بدیسی حکمرانوں کے ہاتھوں خطرے میں پاتے تھے اور ان کی خود پسندی اور غرور سے بیزار تھے۔ یہ مادہ اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ آخر ۱۸۵۷ء کی زبردست شورش کی شکل میں پھوٹ نکلا۔

اس مہیب اور خطرناک مہم کی رہنمائی کے لیے لوگوں نے ہندوستان کی عظمت رفتہ کے نشان سلطنت کے نام و نگین کے وارث، اکبر و شاہجہاں کے جانشین بہادر شاہ کو چنا۔ زبان خلق سے ایسی دعوت بہت کم لوگوں کو ملتی ہے اور جنہیں ملتی ہے ان میں بھی بہت کم ہیں جو سود و زیاں کے اندیشے سے بے نیاز ہو کر اس پر لبیک کہتے ہیں مگر بہادر شاہ نے اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ اور بھی شاہانہ شان سے نبھایا۔ وہ محاصرۂ دہلی کے یادگار زمانے میں جنگ آزادی کے روح رواں بن گئے۔ لڑنے والی فوج کی ہمت بڑھاتے۔ اس کے لیے مالی وسائل فراہم کرتے اور ان پر آشوب دنوں میں شہر میں امن و امان قائم رکھتے۔

اس آزمائش کے موقع پر ان کے دل میں بس ایک ہی لگن تھی کہ جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اسے پورا کرنے میں کوئی کوشش کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ شاہزادوں کی نااہلی اور خودپسندی سے کامیابی خطرے میں پڑ گئی ہے تو فوج کی کمان ایک قابل اور آزمودہ کار سپہ سالار جنرل بخت خاں کے ہاتھ میں دے دی۔ فوج اور ملکی امور کے انجام

دینے کے لئے ایک انتظامی کونسل قائم کی جو ہو بہو ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر جنرل کی کونسل کا
نمونہ تھی۔

مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے والوں
کی ناپاک کوششوں کو چلنے نہیں دیا۔ وہ ساری عمر اپنی خاندانی روایت کے مطابق ہندوؤں
کے تہوار رکشا بندھن، بسنت، ہولی، دیوالی اس طرح مناتے تھے جیسے یہ ان کے اپنے تہوار ہوں
ان کا قول تھا۔ اگر مسلمان مجھے ایک آنکھ کی طرح عزیز ہیں تو ہندو بھی دوسری آنکھ کی طرح
پیارے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے محاصرے کے زمانے میں اپنے ہندو سپاہیوں کے جذبات کا احترام
کرتے ہوئے گاؤ کشی کی ممانعت کر دی اور یہ فرمان جاری کیا کہ جو لوگ فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا
کریں گے انہیں سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔

ان کی یہ بے نفسی بھی یاد رہے گی کہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہندوستان کی
آزادی کے بعد وہ اپنے لیے کوئی منصب نہیں چاہتے اور تحریک آزادی کے کارکنوں پر
چھوڑتے ہیں کہ ملک کے مستقبل کے بارے میں جو فیصلہ چاہے کریں۔

بہادر شاہ نے ملک کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور وہ ہار گئے
ہاں وہ ہار گئے۔ مگر اس لڑائی کا جو آزادی حاصل کرنے کے لیے اور اس لڑائی کا جو آزادی
کو قائم رکھنے کے لیے لڑی جاتی ہے۔ انجام ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اور وہ فتح ہے۔ آزادی
کے علم برداروں کی۔ بیشک بہادر شاہ ہار گئے، مگر جو تحریک انہوں نے شروع کی تھی وہ دھیرے
دھیرے بڑھتی گئی پھیلتی گئی، یہاں تک کہ نوے سال بعد کامیاب ہو کر رہی۔ آزادی کی
جدوجہد جب شروع ہوتی ہے تو نفع نقصان کا کھاتہ نہیں کھولا جاتا۔ آزادی وہ قدر اعلیٰ
ہے جو ہر قیمت پر سستی ہے اس لیے کہ اس کے بغیر زندگی میں اخلاقی ذمہ داری نہیں رہتی بلکہ
سچ پوچھئے تو زندگی زندگی نہیں رہتی۔

آزادی کے بغیر زندہ رہنا موت سے بدتر ہے آج ہمارا بڑا کڑا مقابلہ ہے اس ہمسایہ
سے جس کے ساتھ امن و عافیت سے رہنے اور دوستی کے نبھانے میں ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا
رکھی۔ مگر ہم اس آزادی کی جسے ہم نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے حاصل کیا ہے حفاظت کرنا چاہتے
ہیں ہماری قوم کا یہ عزم کہ ہم مرتے مر جائیں گے مگر آزادی کا سودا نہیں کریں گے ہماری کامیابی
کی کافی ضمانت ہے لڑائی خواہ کتنی ہی کڑی اور کٹھن کیوں نہ ہو ہم فتح کی منزل پر پہنچ کر دم

گیں گے، ہاں بہادر شاہ ہار گئے کہ ہماری جیت کے لیے راہ کو ہموار کر دیں، ہاں وہ ہار گئے، ان کے بیٹوں کو بے دردی سے ان کی آنکھوں کے سامنے گولی مار دی گئی،

خود ان کو ذلیل کیا گیا اور ایک برطانوی عدالت کے سامنے جس کو قانون کی رو سے ان پر کوئی اختیار نہ تھا ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ انہیں جلاوطنی کی سزا سنائی گئی اور قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا جہاں وہ اپنے گھر بار سے بہت دور تھے۔ جہاں ان کا کوئی عزیز کوئی دوست ان کی خدمت اور دلجوئی کے لیے نہ تھا۔ ان کی زندگی کے یہ آخری دن رنج و مصیبت کے دن تھے مگر ان کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا اور وہ اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزرے۔ ان کا راضی برضا رہنا ان کی روحانی رفعت کی دلیل ہے ان کے اہل وطن انہیں شکر گزاری کے جذبے کے ساتھ یاد رکھیں گے۔ کہ انہوں نے آزاد ہندوستان کے لیے بڑی ہمت کی اور بہت دکھ اٹھائے مجھے امید ہے کہ سارے ہندوستان میں ان کی صد سالہ برسی ان کے شایانِ شان اس آہنی عزم کے ساتھ منائی جائے گی کہ ہم سب کندھے سے کندھا جوڑ کر حملہ آور قوت کا مقابلہ کریں گے اور اس آزادی کی حفاظت کے لیے جو ہم نے بہت کٹھنائیاں اٹھا کر حاصل کی ہے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے۔

جے ہند

تعلیمی خطبات

ڈاکٹر ذاکر حسین

تعلیمی خطبات کے ہر خطبے کا موضوع تعلیم کا کوئی بنیادی مسئلہ، کوئی اہم پہلو ہے اور مجموعی طور پر ان کا مقصد لوگوں کو سچی تعلیم سے روشناس کرانا اور اس کا یقین دلانا ہے کہ وہ کام جسے انجام دینا ایک خاص سرکاری محکمے کے ملازموں کا منصب سمجھا جاتا ہے خود آپ کا سب سے بڑا اور سب سے اچھا کام ہے۔ تعلیمی خطبات کے اس تازہ ترین مجموعے میں دو قابل قدر خطبات کا اضافہ بھی ہوا ہے۔ یہ کتاب طریقۂ تعلیم کے عام نقائص، موجودہ تحریکات، جدید رجحانات اور تعلیم و تربیت کے نئے اصولوں پر محققانہ بحث اور صحیح حل پیش کرتی ہے۔

قیمت

تین روپے ۵۰ نئے پیسے

غزل

روشؔ صدیقی

ابھی خاکِ چمن کو ہے خود اپنا رازداں ہونا
خزاں کا سوزِ دل لے کر، چمن کا پاسباں ہونا

حجاباتِ خزاں سے حسن کا چہرہ نکھرتا ہے
کم آگاہی ہے ممنونِ بہارِ جاوداں ہونا

غروبِ مہر سے ڈوبے ہوئے تارے اُبھرتے ہیں
حیاتِ سرمدی کیا ہے، عیاں ہو کر نہاں ہونا

ٹھہر اے جادہ پیما، رازِ منزل تجھ کو سمجھا دوں
غبارِ کارواں ہوتا ہے، خضرِ کارواں ہونا

یہ کیوں رقصِ صبا پر لالہ و گل چاک داماں ہیں
ذرا کچھ سوچ کر اہلِ جنوں سے بدگماں ہونا

قفس کی زندگی کا ذکر ہی کیا، ننگِ ہستی ہے
مگر اے ہم نشیں! کیا ہے اسیرِ آشیاں ہونا

زمانے کی نگاہوں میں کھٹک کر جی تو سکتے ہیں
مگر ہے موت اپنی ہی نگاہوں پر گراں ہونا

یہ دولت وسعتِ فکر و نظر سے ہاتھ آتی ہے
ہستی ہر آب جو کا ظرفِ بحرِ بے کراں ہونا

روشؔ! کیا شکوۂ نامہربانی، عصرِ حاضر سے
جہانِ مہرباں کیا ہے خود اپنا مہرباں ہونا

(یہ غزل روشؔ صاحب کے مجموعۂ کلام "مراۃِ غزل" سے لی گئی)

ایک چادر میلی سی

از

راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی کا یہ ناولٹ پہلی بار
مکتبہ جامعہ سے شائع ہوا ہے
قیمت:۔ دو روپے ۲۵ نئے پیسے

پاکستانی رسائل

سویرا	۲۵	۴/-
نقوش	مئی ۱۹۶۱ء	۱/-
"	اپریل "	۱/-
"	مارچ "	۱/-
"	فروری "	۱/-
سویرا	۲۳	۲/-
صحیفہ	اکتوبر ۱۹۶۱ء ۱۷	۲/-
"	جولائی " ۱۶	۲/-
"	شمارہ ۷	۲/-
نقوش	مئی ۱۹۶۲ء	۳/-
ادب لطیف	جولائی ۱۹۶۲ء	۷۵/-
نقوش	اکتوبر ۱۹۶۱ء	۲/۵۰
قند ڈرامہ نمبر		۶/۵۰
ماحول آزاد نمبر		۲/-

دو ہاتھ

از

عصمت چغتائی

دس چٹ پٹے اور دلکش و رنگین افسانوں
کا تازہ ترین مجموعہ
قیمت:۔ تین روپے ۵۰ نئے پیسے

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ جے جے ہسپتال بمبئی ۳

تاج یٰسین علی خاں

آسٹریلیا کی جھلک

ہر ایک پڑھا لکھا یہ جانتا ہے کہ آسٹریلیا دنیا کے کس حصہ میں واقع ہے انگریز کب اور کس طرح وہاں پہنچے ان سے پہلے وہاں کیسے لوگ بستے تھے اور ان کا کیا حشر ہوا۔ اب کی دفعہ بڑی چھٹیوں میں میرے شوہر نے یہ تصفیہ کیا کہ بجائے یورپ کے آسٹریلیا جائیں گے تو سب کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کیا بے وقوفی سوجھی ہے! احباب نے مضحکہ اڑانا شروع کیا کہ "آسٹریلیا کیوں افریقہ ہو آؤ" میں ذرا چکرائی کہ آخر وہاں جانے کا مذاق کیوں اڑایا جا رہا ہے؟ میرے شوہر نے کہا "عام طور پر لوگ واقف نہیں کہ آسٹریلیا کے معاشرتی، معاشی اور تعلیمی حالات کیا ہیں۔ یہاں سے بہت ہی کم لوگ اب تک آسٹریلیا گئے ہیں اس لیے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جا سکو تو بس یورپ جاؤ اور کہیں جانا حماقت ہے، لیکن یورپ تو میں دو مرتبہ اور تم ایک بار جا چکی ہو۔ بار بار انہی مقامات کا دیکھنا ضروری نہیں، دوسرے گرانی اور غذا کی قلت جیسے کہ یورپ میں ہے وہ جانتے ہوئے وہاں جانا بے وقوفی ہے۔ لوگ ہنستے ہیں ہنسنے دو ہم تو اب کی بار آسٹریلیا ہی جائیں گے۔" غرض ہم ۱۳ راگست ۱۹۴۹ء کو حیدرآباد سے نکل کھڑے ہوئے۔ میرے دونوں بچے رو رہے تھے۔ میرے دل کی جو حالت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ میں خود کو ملامت کر رہی تھی کہ کیسی خود غرض اور کٹر ماں ہوں جو انہیں چھوڑ کر سیر و تفریح کے لیے جا رہی ہوں۔ لیکن ان کی تعلیم اور ہماری مالی گنجائش ان کے جانے میں مانع تھیں، اور پانچ مہینے کی جدائی گوارا نہ کر کے اس موقع کو کھو دینا سوائے جذبات مادری اور کمزوری کے کچھ نہ تھا۔ اس لیے خدا کی حفاظت اور عزیز و اقارب کی نگرانی میں بچوں کو اسٹیشن سے رخصت کیا۔ گاڑی چلی میرے رفیق حیات نے دل مضبوط رکھنے کی نصیحتیں شروع کیں کہ اتنے میں نامپلی کا اسٹیشن آگیا دیکھتی کیا ہوں کہ عابد صاحب آگے شہناز پیچھے بڑے کاروباری انداز میں پلیٹ فارم پر موجود ہیں۔ ہم نے تعجب سے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے اور اتنی تیز موٹر چلوائی کہ ٹرین سے پہلے نامپلی اسٹیشن پر پہنچ گئے عابد نے بہت اہمیت کے ساتھ اپنا باران کوٹ پیش کر کے کہا آپ یہ بھول گئے تھے ہم یہ

نے سوچا اس اسٹیشن پر آپ کو دے دیں۔"

یہ کوٹ مدت سے موٹر میں پڑا تھا۔ اس نے خیال کیا اسی بہانے نامپلی پہنچ کر ماں باپ سے دوبارہ مل لیں۔ ہمیں ہنسی آئی اس کی چالاکی پر اور مجھے خوب خوب رونا بھی آیا میرے شریک زندگی چاہتے تھے کہ اسکول میں دیر نہ ہو لیکن میں نے کہا اب گاڑی جانے تک بیچاروں کو ٹھہرنے ہی دو ایک دن دیر ہو جائے تو پروا نہیں۔ غرض یہاں سے بھی آخری گاڑی چلی گئی اور سب عزیز و رشتہ داروں کے ساتھ میرے بچے بھی دیکھتے رہ گئے۔

۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو جہاز اسٹراتھ ایڈن (STRATH EDEN) بمبئی سے نکلنا تھا۔ جہاز سے اترنے اور چڑھنے کے وقت جو جو مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں ان سے گزر کر قیامت کا تصور آنے لگتا ہے۔ ...... ہر طرف بوکھلاہٹ، نفسا نفسی، پریشانی، پشیمانی کے نمونے نظر آتے ہیں اور وہ جو سوال و جواب، حساب و کتاب، میزان و پل صراط وغیرہ کو عزت کے ساتھ طے کر چکے ہوتے ہیں ان کے مطمئن و مسرور چہرے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ ان دنیاوی قیامتوں میں بیوی بچوں بلکہ متعلقین کے اعمال بھی خاوند یا باپ بھائی کے سر تھوپے جاتے ہیں اور وہی ان سب کے اعمال کے جواب دہ ہوتے بلکہ سزا و جزا بھی انہی کو بھگتنی پڑتی ہے اس لیے میں آرام سے بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی اور شوہر بوکھلائے ہوئے کبھی ادھر کبھی ادھر دوڑتے رہے صرف محکمہ صحت والوں کے سامنے جب گئی تو ایک بڑی آپا قسم کی لیڈی صاحبہ نے نگاہ غلط انداز سے دیکھا میں نے جھٹ نبض دیکھنے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا قلم سے اپنی ساتھن کی طرف اشارہ کر دیا انہوں نے کچھ گنگناتے ہوئے بمشکل میری کلائی کو دو انگلیوں سے چھوا۔ ایک دو سوالات شاہانہ انداز سے کیے اور کاغذات پر دستخط کر کے جانے کی اجازت دے دی اور ہم نے جہاز پر پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ یہ چوبیس ہزار ٹن وزنی خوبصورت اور مائون جہاز پی اینڈ او (P. & O.) کمپنی کا ہے اور ایک شہنشاہ کا محل معلوم ہوتا ہے ہم نے سنا تھا کہ پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں پر ہندوستانیوں کے ساتھ ذرا توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ گزشتہ مرتبہ ہم اٹالین جہاز سے یورپ گئے تھے اور وہ لوگ بے حد خوش اخلاقی و تہذیب سے پیش آئے اور ہمارے ساتھ کسی قسم کا فرق ان کی طرف سے ظاہر نہ ہوا تھا۔ ہم نے آپس میں اب کی بار صلاح کر لی تھی کہ اگر صاحبیت برتی گئی تو خاموش نہیں رہیں گے۔ لیکن ایسا کوئی موقع نہیں آیا۔ البتہ مہذب سرد مہری کا علاج ہمارے بس کی چیز نہ تھی لہذا ہم نے

بھی اپنا یہ طریقہ کچھ ایسا ہی رکھا . . . . "۔ جہاز کے عملے میں بہت سے کالے نوکر بھی تھے اور ان کے کام، تمیز صفائی، وقت کی پابندی وغیرہ ہر بات میں گوروں سے کوئی فرق نہیں تھا لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ان کی تنخواہوں اور چھٹی وغیرہ کے معاملے میں بہت بڑا فرق ہے۔

دونوں درجوں والے سینکڑوں مسافرین میں اکثر یورپین تھے جو بعض بغرض تفریح اور اکثر ترک وطن کرکے جا رہے تھے۔ ہندوستانی سب کے سب اینگلو انڈین تھے سوائے پانچ آدمیوں کے جن میں سے دو تو ہم تھے ایک پاکستانی طالب علم رفیع نامی تھے اور سکینڈ کلاس میں ایک بنگالی جوڑا تھا۔ اینگلو انڈین جو آسٹریلیا میں بسنے کے لیے جا رہے تھے، دو عورتیں ایک مرد جنہیں کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ جگہ دی گئی تھی، میں نے انہیں بلبل کے بچوں کا خطاب دیا تھا، کیوں کہ یہ لوگ بڑے پیٹو تھے اور بیچارے اسٹیورڈ کا ناک میں دم تھا۔ کیونکہ یہ لوگ جب تک فہرست میں لکھی ہوئی ہر ایک چیز نہ کھا چکتے میز پر سے نہیں اٹھتے تھے اور اس کی انہیں مطلق پروا نہیں تھا کہ کونسی چیز آگے اور کونسی پیچھے منگوانی چاہیے۔ ان کے الٹے سیدھے آرڈر پر اسٹیورڈ کا چہرہ لال بھبوکا ہو ہو جاتا تھا اور ان کو بھراتے بھراتے کمبخت تھک جاتا تھا۔ میں نے شوہر سے کہا براہِ مہربانی میز کا نمبر بدلوا دیجیے ورنہ میرا تو کھایا پیا پانی ہو جائے گا۔ چنانچہ ہم نے اپنا نام دوسری بیٹھک میں لکھوا کر ان سے نجات حاصل کی۔ مسافروں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے سب ایک ہی مرتبہ ڈائننگ روم میں نہیں کھا سکتے تھے اس لیے آدھے مسافروں کو پہلی نشست میں اور آدھوں کو دوسری میں کھانا کھلایا جاتا تھا۔ کھانے بھی نہایت پُرتکلف اور لذیذ ہوا کرتے تھے مقدار و اقسام کی تفصیل آج کل اس ملک والوں سے بیان کرنا ظلم ہوگا اس لیے اسے تو بھول ہی جانا چاہیے یوں تو ہر شکل وصورت قدوقامت اور عمر کے لوگ جہاز پر تھے لیکن ایک ڈگر ی لینے طویل القامت گھوڑے کے چہرے والی اور دوسری ڈیڑھ گز کے قد والی چھوٹی سی ناک گول چہرے سیاہ بالوں والی یہ دونوں لائف آف دی شپ (LIFE OF THE SHIP) تھیں۔ انہیں نوجوان ہمیشہ گھیرے رہتے تھے اور ان کی ہنسی اور چیخوں سے جہاز گونجتا اور بھاگ دوڑ سے اودھم مچی رہتی تھی۔ انہیں میں نے چھوٹی بڑی سوئیوں کا خطاب دیا تھا۔ اور بھی درجنوں خطابات عطا کیے کیونکہ میں ہمیشہ لوگوں کے نام خود تجویز کر لیتی ہوں۔ اس میں بڑے فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اگر ان سے کبھی

ملاقات نہ ہو سکے یا نام دریافت کرنے کا موقع نہ آئے تو بھی ان کے متعلق گفتگو کرنے میں آسانی رہتی ہے اور ملاقات ہو بھی جائے تو ان کی موجودگی میں جو چاہیں ان کے بارے میں کہیں انہیں خبر بھی نہ ہو گی کہ کس کا ذکر ہے۔ ایک صاحب مع بیوی بیٹا اور بیٹی لندن سے سڈنی جا رہے تھے ان کی ہیئت دیکھ کر میں نے کہا یہ تو ایکٹر نہیں مسخرا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن معلوم ہو گیا کہ بابی ورانٹ نامی لندن کا ایکٹر ہے لیکن چونکہ زیادہ اچھے قسم کا ایکٹر نہیں تھا اس لیے میں نے اسے "بھانڈ" پکارنا کافی سمجھا یہ سب کو اپنی حرکات اور باتوں سے خوب ہنسایا کرتا تھا اس کی بیوی بھی شادی سے پہلے کوئی تھرڈ کلاس ایکٹرس رہ چکی تھی لیکن اب تو کھانا، پینا اور برج کھیلنا اس کا مقصدِ حیات تھا۔ ایک لندن والی ضعیف لڑکی سے میری دوستی ہو گئی تھی اکثر جب میرے شوہر برج میں مصروف رہتے تو ہم دونوں ڈی ڈاک کے ساتھ پھیرے کرنے کے لیے چلے جاتے کیونکہ اس ڈک پر سات مرتبہ اس سرے سے اس سرے تک چہل قدمی کریں تو پورے ایک میل کی مسافت طے ہو جاتی تھی اور ہم دونوں سہیلیاں بھی ان لوگوں میں تھیں جو چہل قدمی سے زیادہ سخت ورزش پسند نہیں کرتے۔ میری سہیلی نے بتایا کہ ان کی عمر نو اوپر تین بیسی ہے، خاوند کو مرے پاؤ صدی گزر چکی ہے۔ دو جوان بچوں نے حالی ہی میں داغِ جدائی دیا ہے۔ اب کسی دوست سے ملنے کے لیے آسٹریلیا جا رہی ہیں۔ واپسی پر دوبارہ شادی کے مسئلہ پر غور کریں گی۔ میں نے اس امید سے صورت دیکھی کہ شاید مذاق فرما رہی ہوں گی لیکن جب سنجیدگی کا یقین ہو گیا تو اس مبارک خیال کی بڑے شد و مد سے تائید کی اور کہا "مجھے یقین ہے کہ اس رنجز کے لیے کسی خوش نصیب کا انتخاب ہو چکا ہے۔" بڑے انداز سے ہنس کر میری پیٹھ پر دھپ لگائی اور فرمایا "شریر لڑکی تمہیں اس کا کس طرح پتہ چلا؟" میں نے کہا "ذرا آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیے۔ کس ادا سے کہنے لگیں "اوہ میں اپنی اس بلش (B L U S H) کرنے کی عادت سے تنگ ہوں ہمیشہ لوگ میری چوری اس عادت کی وجہ سے پکڑ لیتے ہیں" میں نے حیرانی سے اپنی نگاہوں کو دوڑایا لیکن وہ مایوس ملنبتی کا پتی واپس آئیں کہ جھریوں کے نشیب و فراز میں ہم نے خوب خوب ٹھوکریں کھائیں مگر بلش نامی جانور کا کہیں پتہ نہیں ملا۔

غرض قسم قسم کے لوگ تھے اور ہر گھڑی ایک نئی دلچسپی رہتی تھی لیکن بڑے جہازوں کے دن عید اور رات شب برات ہوتی ہے جسے دیکھئے خوش حال، فکر و پریشانی کو کنارے چھوڑ دیتے ہیں۔ سمندر کی صحت بخش ہوا دو تین ہی دن میں اثر دکھاتی ہے بہترین غذا، کھیل کود، بے فکری، وقت کی پابندی

یہ سب باتیں ایسا ماحول پیدا کر دیتی ہیں کہ یقین ہو جاتا ہے کہ اب ہم قیامت کے مرحلے سے گزر کر جنت میں پہنچ گئے ہیں۔

صبح اندھیرے سے ورزشیں ہوتی ہیں اس کے بعد نہا دھو کر ناشتہ کیا پھر کوئی تیر رہا ہے کوئی پنگ پانگ کھیل رہا ہے، کہیں ڈاک کوائٹ ہے تو کہیں کچھ اور کھیل چل رہے ہیں لاؤنج میں بیٹھے لوگ تاش، شطرنج وغیرہ کھیلتے ہیں۔ ساتھ ساتھ بیر کا دور چلتا رہتا ہے۔ بعض لوگ لائبریری میں مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ مجھ جیسے تماش بین ٹہلنے کے بہانے جہاز کا ہر کونہ دیکھتے پھرتے ہیں۔ اکثر ڈک چیرز پر لیٹے یا تو سو جاتے ہیں یا پھر کبھی دریا کو اور کبھی ٹہلنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں۔ بعض سنجیدہ قسم کی عورتیں کچھ سیتی یا بنتی رہتی ہیں مجھے چونکہ تمام دن بیٹھنے کی بہت کم فرصت ملتی تھی اس لیے جہاز کے مسافروں میں سب سے پہلے صبح میں ہی عرشے پر پہنچتی تھی جب کہ چاند اور تارے پوری بہار پر رہتے تھے سارا جہاز سنسان رہتا تھا۔ بڑی بے فکری سے نماز ادا ہوتی کہ سوائے اللہ میاں کے اس وقت کوئی مجھے دیکھنے والا نہیں ہوتا تھا۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر ٹہلتی کہ اتنے میں جہاز کے نوکر بیدار ہوتے اور جہاز کی صفائی شروع ہو جاتی اس وقت عرشے کے کنارے ایک سیڑھی پر بیٹھ کر اپنی ڈائری لکھتی۔ آفتاب طلوع ہونے کے بعد کیبن میں جا کر انہیں جگاتی وہ قضا نماز پڑھ کر ناشتے کے لیے تیار ہوتے اور ان کی برج شروع ہو جاتی جیسا کہ پہلے لکھا ہے مجھے بہت کم فرصت سے بیٹھنا نصیب ہوتا کبھی کہیں دس پانچ منٹ بیٹھ کر کسی سے باتیں کیں یا کچھ سی لیا اگر طبیعت پر جبر کیا تو کچھ پڑھ لیا اور کپڑوں وغیرہ کی دیکھ بھال کر [illegible] کوئی کام نہ تھا البتہ دوپہر کے کھانے کے بعد دو گھنٹے سو جاتی کیونکہ لنچ کے بعد پورا جہاز سونا ہو جاتا تھا اور تقریباً سب لوگ آرام کرتے تھے۔ کھانے سے پہلے خوب اودھم رہتی۔ نوجوان مردوں کی حالت قابل رحم رہتی بیچارے ہواس باختہ رہتے تھے کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ عورتیں قسم قسم کے لباس پہنے طرح طرح سے اپنی سج دھج دکھاتی پھرتیں اور انہیں اسی طرح اپنی اداؤں پر نچاتیں جس طرح بندر ڈگڈگی پر ناچتے ہیں۔ مثلاً کسی لڑکی کے ساتھ چہل قدمی کر رہے تھے کہ ایک موم کی پتلی کو لباس تیراکی میں حوض کے جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ کوئی ہونق لگا ہوں سے تھوڑی دیر اس کا تعاقب کیا آخر اپنی ساتھی سے معذرت کر کے دوسری کے ساتھ جا ملے کپڑے اتار، جانگیا پہن پانی میں دو ایک غوطے لگا کر سر نکالا ہی تھا کہ کنارے پر دھوپ میں نیم برہنہ دیکھا جو تیرنے کے بعد سینہ چت لیٹی مستعد کی تمازت میں اپنے سفید رنگ کو سنولا رہی تھی۔ بس منہ بسورتے ہوئے پانی سے نکلے

اس کے قریب جا بیٹھے۔ کھانے کی تیاری کا اعلان ایک گراموفون ریکارڈ بجا کر پورے جہاز پر نشر کیا جاتا اور لوگ خوشی خوشی ہنستے بولتے کپڑے بدل بدل کر کھانے کے لیے کیو میں جمع ہو کر ڈائیننگ روم میں داخل ہوتے۔ ہر قسم کے کھیلوں کے ٹورنامنٹ بھی رکھے جاتے تھے جن میں جیتنے والوں کو انعامات تقسیم ہوتے۔ چنانچہ خاں صاحب نے برج کے ٹورنامنٹ میں ایک خوب صورت فونٹین پن جیتا جس کی دم میں سگریٹ لائیٹر لگا ہوا ہے۔ پانچ بجے نہایت پُر تکلف چائے سے فارغ ہو کر پھر کھیل کود شروع ہو جاتا اور شام کے کھانے سے پہلے سب نہا دھو کر خوب زرق برق خوب صورت لباس پہنے منتظر رہتے اور اکثر بار (B A R) میں شغل فرماتے رہتے کیونکہ بہترین قسم کی شرابیں اور سگریٹ جہاز پر بہت سستے ملتے ہیں۔ رات کا کھانا بہت زندہ دلی سے کھایا جاتا کیوں کہ سرور کا عالم رہتا ہوگا۔ پھٹا پھٹ شیشوں کے کھلنے کی آوازیں چوطرف سے آتی رہتیں اور نہایت ہی باادب صاف ستھرے غلمان سفید نیپکن میں شیشوں کو لپیٹے ادھر سے ادھر گویا فضا میں تیرتے پھرتے۔ نازک قہقہوں کی آوازیں، برتنوں کی جھنکار، کھانوں کی مہک، کپڑوں کی بہار، چہروں کی سجاوٹ طرح طرح کے پھولوں سے سجے ہوئے گلدان۔ سنٹ پاؤڈر وغیرہ کی خوشبوئیں پھر بہترین شراب بس اور اس دنیا میں کیا جاہیے!

ڈنر کے بعد کسی دن ڈانس اور کبھی سینما دکھلایا جاتا۔ باری باری سے گھوڑ دوڑ اور کتا دوڑ رکھی جاتی اور کبھی ہاؤزی ہاؤزی کا کھیل رکھا جاتا۔ کبھی جہاز کے عملے کی جانب سے کیبارے شو دکھلایا جاتا اور سفر ختم ہونے سے چند روز پہلے فینسی ڈریس بال بھی ہوتا ہے میں نے ہاؤزی ہاؤزی، ڈاگ ریس ... ریس ریس میں جیتنے کا ریکارڈ توڑ دیا جہاں یہ کھیل شروع ہوئے کہ لوگ میری طرف دیکھ دیکھ کر کھسر پھسر کرنی شروع کر دیتے تھے خیر ہاؤزی ہاؤزی کھیل میں تو ہمیشہ اتفاق سے جیت ... رکھتے اور گھوڑوں کی دوڑ میں ذرا سی عقل کو بھی کام میں لانا تھا یعنی لکڑی کے کتے اور گھوڑوں کی ڈوریاں ایک چرخی سے باندھ دی جاتی تھیں ان چرخیوں کے ہینڈل مسافرین میں سے منتخب کردہ عورتوں سے گھمائے جاتے تھے جو عورت سب سے پہلے ہینڈل گھما کر ڈوری لپیٹ لیتی اس کا گھوڑا پہلے دوڑ ختم کر کے جیت جاتا لوگ شرط لگانے سے پہلے یہ سوچتے کہ کون سا نمبر ان کے لیے مبارک اور کون سا منحوس ہوگا پھر ان کا خیال ہوتا کہ خوب صورت جوان موٹی تازی عورت کے گھوڑے کا نمبر لینا چاہیے لیکن میں نے اپنی پہلی دوڑ میں شرط نہیں لگائی اور اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ جتنی اچھی عورتیں ہیں وہ سب نازنخرے میں رہ جاتی ہیں ان کا دماغ کام کی

جانب متوجہ کم ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر ہارنے کے بعد نزاکت آمیز نازک سی چیز بادہ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے سینہ دباتی ہانپتی اور کانپتی ہوئی کسی کی آغوش میں گر جاتیں اور جیتنے ہارنے والوں کے دماغ ان کی نااہلیت کی طرف رجوع ہونے کے بجائے اپنی بدقسمتی یا مقدر کی کھوٹ کا یقین کر لیتے ہیں لہٰذا میں نے ہمیشہ ایسی عورتوں کے نمبر لیے جو مستعد اور غیر نمائشی تھیں۔ جن کے چہروں سے عزم و استقلال ظاہر ہوتا تھا اور ہمیشہ کامیاب رہی لوگ میری قسمت پر بہت متعجب تھے اور مجھے گھیرے رہتے تھے میں ایک بہت ہارنے والے کو مشورہ دے رہی تھی کہ فلاں عورت کا نمبر لو وہ بہت پھرتیلی اور مستعد معلوم ہو رہی تھی اگرچہ کہ غیر دل فریب شکل رکھتی ہے ایک لڑکی نے پوچھا تم گھوڑوں پر شرط لگا رہی ہو یا عورتوں پر؟ تو میں نے کہا گھوڑے تو لکڑی کے ہیں شرط دراصل ان کی ڈوری کھینچنے والے ہاتھوں پر لگانی چاہیے۔ سننے والوں نے قسم قسم کے تعجب انگیز آوازیں نکالیں اور تھوڑی ہی دیر میں پورے مجمع کی نگاہوں کا ہم شکار بن گئے گویا بڑی دور کی کوڑی لا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب کوئی خوشی خوشی ڈوریاں کھینچنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا ہر عورت گھبرا رہی تھی کہ ہارنے کی ذمہ دار ٹھہرائی جائے گی اور بڑے اصرار پر ڈوری کا ہینڈل گھمانے کے لیے راضی ہوتی تھیں جہاز کے ایک افسر نے مجھے ہنس کر کہا یہ ساری مصیبت کی ذمہ دار تم ہو لہٰذا تمہیں بھی کسی گھوڑے کی ڈوری کھینچنی چاہیے۔ میں نے کہا یہ بے ضرورت ہے کیونکہ میرے مشورے کے بعد جو کوئی ہینڈل گھمانے کے لیے راضی ہوگی وہ جیتنے کی پوری کوشش کرے گی لیکن باوجود کئی پاؤنڈ جیتنے کے میں نے ہمیشہ اپنی جیت خاں صاحب کے حوالے کر دی کیونکہ جوا کھیلنا گناہ ہے اس لیے میں نے سوچا خدائے مجازی کی خوشی شاید خدائے حقیقی کے غضب کو دھیما کر دے۔

امریکہ کا حال تو معلوم نہیں لیکن لندن کو چھوڑ کر ہر جگہ ہندوستانی عورتوں کے لباس کو بہت ہی تعجب سے دیکھا جاتا ہے اور اکثر پسند کیا جاتا ہے جہاز پر بھی یہی حالت تھی کہ جا بجا کیسی ہی معمولی ساڑی پہنو لوگ دیکھے جاتے ہیں تعریفیں سنتے سنتے کان بہرے ہو جاتے ہیں فینسی ڈریس کے دن تو ساڑیاں پہنانے میں تھک گئی جن میں سے کئی ساڑیاں میری ہی تھیں بعض نے بمبئی سے خریدی تھیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ساڑی ہندوستانی عورت پر ہی پھبتی ہے ..... ؟

٭

(تاج نشین علی خاں کی کتاب "آسٹریلیا کی جھلک" سے اقتباس)

شرابِ کہنہ

میر حسن

۱۷۲۷ء — ۱۷۸۶ء

نام غلام حسن، تخلص حسن۔ میر امامی (میر حسن کے پردادا) ہرات سے ہندوستان آئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے۔ یہ بزرگ ہفت قلم اور فاضل متبحر ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے شاعری کا سلسلہ اس خاندان کی سات آٹھ پشتوں تک چلتا رہا ہے۔ میر حسن کے دادا خواجہ عزیز اللہ والد میر ضاحک ان کے بیٹے میر حسن اور پھر میر حسن کے تین صاحبزادے محسن، خلیق اور خلق ان کے بعد انیس، مونس اور انس۔ ان میں سے ہر ایک آسمان شاعری پر ستارہ بن کر چمکا اور میر انیس جیسا باکمال تو آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس معاملے میں میر حسن کے خاندان کو جو طرۂ امتیاز حاصل ہے اس کی نظیر تاریخ عالم مشکل سے پیش کر سکے گی۔

میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق اور اس سے شغف رہا۔ میر درد کی خدمت میں رہ کر پختگی حاصل کی۔ میر ضیا کے شاگرد تھے اور میر، درد اور سودا کے پیرو۔

آغاز شباب میں والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ وہاں سے لکھنؤ اور پھر یہیں مستقل بود و باش اختیار کر لی۔

اردو کے شعری سرمائے میں ان کی بدولت تقریباً سات ہزار شعروں کا اضافہ ہوا جس میں غزلیں، مثنویاں، قصیدے، مخمس، مسدس، مثلث اور ترکیب بند، واسوخت وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ترتیب دیا ہوا ایک قابل قدر تذکرہ شعرائے اردو [illegible] ان کی مثنوی

"سحرالبیان" ہے جس کی مقبولیت کا نہ کوئی جواب ہے اور نہ حساب۔

ایک فرضی منظوم قصے میں بقول سر راس مسعود مرحوم "قدرت کے مناظر انسانوں کی بولتی چالتی تصاویر، غم و رنج کے جذبات۔ شادی و حسرت کے کوائف کو جس خوبی سے دکھایا ہے اس کی متقدمین اور متاخرین کے کلام میں مثال نہیں ملتی۔"

انتخاب (مثنوی سحرالبیان)

وہ سنسان جنگل وہ نور قمر — وہ بن باق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت — اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے سائے سے مہ کا ظہور — گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

برس پندرہ ایک کا سن و سال — نہایت حسین اور صاحب جمال
وہ ابرو کہ محراب ایوانِ حسن — جھکی شاخ نخل گلستانِ حسن
نگہ آفت و چشم عینِ بلا — مژہ دیں صفوں کو الٹ بر ملا
وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر — ہے انگشت قدرت کی سیدھی لکیر
وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال — اگر اس پہ بوسے کا گزرے خیال
قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام — قیامت کرے جس کو جھک کے سلام
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن — جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
بہم دو دلوں میں جو ہوتا ہے چاہ — تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ — اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ
جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے — محبت میں دن رات گھٹنا اسے
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی — یہ دن کی جو پوچھو کہی رات کی
گیا مو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہاں کی رباعی کہاں کی غزل
نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ جنگل کی لی — نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

تغزل :-

کہا میں کہ بھرتا ہوں دم آپ کا　　　لگا کہنے صاحب کرم آپ کا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا　　　جیسے کوئی بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

دو رکی تھیں آہیں نہ تھمتے تھے آنسو　　　حسن تجھ کو کیا بات غم تھا کسی کا

قمارِ محبت میں بازی سدا　　　وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا

لگتا ہے مجھ کو آج یہ سارا جہاں خراب　　　شاید کدھر گیا ہے کوئی خانماں خراب

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ　　　بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس میں　　　نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

پہنچے نہ حسن منزل مقصود کو ہم اور　　　آخر ہوئے سب زیست کے ایام سفر میں

ناز سے، عشوے سے، غمزے سے لگا لیتے ہیں　　　وہ جسے چاہتے ہیں اپنا بنا لیتے ہیں

دیکھنا زلف و رخ تمھیں ہر وقت　　　شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو

دلی تھی یہ وہ کس نے مرے دل کو اپنی　　　اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہوئے

خود عشق سے ہیں سحر و ذرّہ سے　　　یک آواز پہ دو ساز کے ہیں بجے

حسن کل محبت یہاں ذرا غافل　　　اٹھا کے یہاں کچھ کیا نہ ہوئے

نئی مطبوعات

کتاب		مصنف	قیمت	ناشر
آشفتہ بیانی میری	(اضافہ شدہ ایڈیشن)	پروفیسر رشید احمد صدیقی	۲/۵۰	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵
سرکار دوعالم	(سیرت پاک)	محمد حسین حسان	۲/-	"
اردو اسیر	(معلومات)	سید ظہیر الدین مدنی	۳/-	"
تھیوڈور روز ویلٹ	(معلومات) مترجم	کیول سوری	۱/-	حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶
اقوام متحدہ	"	محمد سلیمان	۱/-	"
گیت محل	(گیت)	تصدق مظفر نگری	۲/-	قومی ایکتا اسٹڈی سرکل کانپور
صنم	(ناول)	عارف مارہروی	۴/-	سلطانیہ بکڈپو دہلی ۶
اجنبی مسافر	"	وحشی محمود آبادی	۵/۲۵	"
تار عنکبوت	" مترجم	مظہر الحق علوی	۱۰/-	نسیم بکڈپو، لکھنؤ
ترغیبات جنسی	(نیا ایڈیشن)	نیاز فتحپوری	۴/۵۰	"
انشائے ماجد اول یعنی مقالات ماجد		مولانا ماجد دریا آبادی	۵/-	"
نرگس	(ناول)	مسعود جاوید	۵/-	کتابی دنیا، لکھنؤ
چھٹر منزل	"	خان محبوب طرزی	۴/-	"
فرشتے کہہ رہے ہیں	(اول)	طاہر	۳/-	رومان بلڈنگ، بمبئی ۳
زخم تمنا	(مجموعہ کلام)	مظہر امام	۳/-	مظہر امام صاحب کٹک
آیورویدک فارماکوپیا	(اضافہ شدہ نیا ایڈیشن)	کوی راج وید پرکاش	۵/-	آیوروید سماچار امرتسر
پاکٹ بکس		فی جلد	۱/-	مشورہ بک ڈپو، دہلی

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
کلیات اختر شیرانی	اختر شیرانی	راز (ناول)	عارف مارہروی
دو آتشہ	نریش کمار شاد	دو کنارے "	نانک سنگھ
آج کا شاعر اور اس کی شاعری	پرکاش پنڈت	پھانسی کا تختہ "	محمود جالندھری
منٹو میرا دوست	ڈاکٹر کیول دھیر	غم کی چھاؤں میں "	لیفٹیننٹ محمود
بہشتی زیور نمبر ۷ تا نمبر ۹	مولانا اشرف علی تھانوی	گیتا محل	[illegible]

زیرِ طبع کتابیں

کتاب		مصنف / مترجم	قیمت	ناشر
نکات الشعرا (میر تقی میر)	ترجمہ و مقدمہ	سید مرتضیٰ حسین بلگرامی		ادبی دنیا، علی گڑھ
؟	(تنقیدی مجموعہ)	احتشام حسین		کتاب [illegible]، لکھنؤ
چھوٹی زنجیر		حیات اللہ انصاری		" "
لب و رخسار	(ناول)	منظر سلیم		" "
برف کی دیوار	"	مائل ملیح آبادی		" "
۱۹۶۱ء کا بہترین ادب			۲/۰	مکتبۂ آجکل پرتاپگڑھ
غمِ جاناں	(ناول)	ہاجرہ نازلی	۵/-	نسیم بک ڈپو لکھنؤ
معصومہ	"	عصمت چغتائی	۶/-	حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی
تذکرہ خانۂ کعبہ		مولانا عبدالصمد صارم	۲/۵۰	چمن بک ڈپو دہلی
جانِ غزل		شاہد علی خاں		ادبی دنیا، دہلی ۶
جھکی جھکی نگاہیں	(ناول)	مجاہد لکھنوی		شاہین بک ڈپو کراچی

میر انیس

سفارش حسین رضوی

انیس کے کلام پر سر دھننے والوں، ان کی زبان کے رس کا مزہ لینے والوں اور ان کے طرزِ بیان کے خوبصورت اور دلکش و حسین امتزاج پر وجد کرنے و پھڑک اٹھنے والوں کی آج بھی کمی نہیں۔ انیس کے کلام نے ہر دور سے دادِ سخن حاصل کی ہے اور ہر زمانے نے ان پر عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں۔ یوں تو اب تک انیس پر بہت سی کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں لیکن سفارش حسین صاحب کی اس کتاب نے انیس اور ان کے فن کے کچھ اور پوشیدہ پہلوؤں سے ادبی دنیا کو روشناس کرایا ہے۔ اس کتاب میں مرثیہ کی تعریف و تاریخ، انیس اور ان کے کلام پر سیر حاصل تذکرہ و تبصرہ، ان کی شاعری کے مختلف ادوار، کلام کا نمونہ اور انیس و دبیر کا موازنہ، آپ کو انیس کے سمجھنے میں بہت مدد دیگا۔
([illegible] صفحات [illegible] مجلد مع گرد پوش، قیمت [illegible]) ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی نمبر ۲۵

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جائزے

آفتاب سخن

از :- حکیم امروہوی
سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۴۸
قیمت :- چار روپے
ناشر :- آفتاب اکیڈمی بلیماران دہلی ۶

"یہ مجموعۂ کلام" ہے فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے ایک شاگرد رشید حکیم امروہوی مرحوم کا جو تقریباً چالیس سال پہلے ترتیب دیا گیا تھا لیکن اشاعت کا موقع اب ملا ہے۔

"آفتاب سخن" کا پیش لفظ ڈاکٹر محمود اسعد قادری صاحب نے لکھا ہے اور "تعارف" جناب ساجر بھوپالی کے قلم کا نتیجہ ہے۔ چند بزرگ شعراء مثلاً مضطر خیرآبادی۔ نوح ناروی۔ جلیل مانکپوری سیدہ ایمانی اور آتی امروہوی وغیرہ کے تاریخی قطعات بھی شامل دیوان ہیں۔

چونکہ دیوان کی ترتیب حروف تہجی کے تحت رکھی گئی ہے اس لیئے "کلام حکیم" کے تدریجی ارتقاء پر رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے لیکن بغور مطالعہ کرنے پر تین مختلف رنگ کی غزلیں دیوان میں ملتی ہیں۔

(۱) اصلاح داغ کی غزلیں (۲) اصلاح رسا کی غزلیں (۳) غیر اصلاحی غزلیں۔

غیر اصلاحی غزلوں میں بعض ایسے سقم رہ گئے ہیں جو کسی "جانشین داغ" کے یہاں ہرگز نہیں ہونا چاہئیں۔ مثلاً

(۱) عذر آنے میں تجھے کیا بت ہرجائی ہے — موت نے نہیں آنے کی قسم کھائی ہے

مصرعِ ثانی میں تعقید کا عیب ہے

(۲) کرہی گزروں گا وہ کبھی نہ کبھی — [illegible]

اس شعر میں ذم کا پہلو ہے۔

(۳) یار غم خوار اس کی باتیں ہیں — قابلِ پیار اس کی باتیں ہیں

"قابل پیار" - یہ ترکیب محل نظر ہے ۔

(۴) عشق کا میرے حال سن کر قیس — چھپ گیا پردۂ زمینوں میں

"پردۂ زمینوں" - قافیہ کا یہ استعمال اور مرکب اضافی کی صورت دونوں جائز نہیں۔

لیکن اس منزل سے گزر کر ہمیں کلام حکیم میں وہ فضا مل جاتی ہے جس کے متعلق ناسخ نے کہا ہے۔

نہ رہے شائبہ معائب کا — نہ رہے سقم سہو کاتب کا

چوں کہ وہ دورِ غزل "فن میں طاق" ہونے سے متعلق تھا لہٰذا حکیم صاحب نے معاصرِ غزل کے لیے ہر قافیہ میں شعر کہا ہے ۔ نہایت سنگلاخ زمینوں میں شعر نکالے ہیں۔ بعض غزلوں میں ردیف کا نباہنا ان کی فنی مہارت کے اعتراف پر مجبور کرتا ہے۔ مختصر بحروں میں لمبی ردیف رکھ کر غزل کہنا قدرت بیان کی دلیل ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے ۔

(۱) اف رے مستِ غرور کی آنکھیں — بے پئے ہیں سرور کی آنکھیں

(۲) فرقت کا ستم ہم سے اٹھا یا نہیں جاتا — (۳) کہو تو بندہ پرور کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

(۴) کسی کی چال قیامت ہے نظروں میں داخل — بھلا ذکر قیامت کیا سلونوں میں

دوسرے مصرعوں میں بندش مضمون کے لیے بہت کم گنجائش ہے ۔ اس طرح صاف غزل کہنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ۔

غرض "دیوان حکیم" میں صحت محاورہ ۔ سلاست زبان ، ادا بندی اور شوخی بیان وغیرہ کمالِ شعری کے ساتھ بھڑکیلے عشقیہ جذبات کی عکاسی آپ کو ملے گی ۔ انھوں نے اپنی سترہ (۱۷) غزلوں کے مقطع میں خود کو "حکیم خوش بیاں" - دو میں "شیریں بیاں" اور متعدد جگہ "ہم رنگِ داغ" کہا ہے۔ مطالعۂ کلام کے بعد شاعر کے اس دعوے کو محض تعلی نہیں کہا جا سکتا ۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے

ناتوانی بڑھ گئی ہے اس قدر — بات بھی کرتا ہوں اب دل تھام کے

بیکسی میں بھی دیا ہے تو نے ساتھ — عمر تو تیری شبِ ہجراں دراز

ذکر ہے لب پہ ترے اور نصیحت واعظ — دیکھ کم بخت نہ آجائے قیامت واعظ

وہ قیامت کی چال ہے اس کی — کہ قیامت مثال ہے اس کی

چند دن شادی تو یہ ہوئے گا آخر کس میں — اے خدا پہلے گنہگار کے ٹکڑے کردے

اک کھیل ہو گئی ہیں ہمیں غم کی تختیاں — ہم بھی بتوں کے عشق میں پتھر کے ہو گئے

کون فرقت کا ساتھ دیتا ہے — درد میں بھی تو آب کی ہے حکیم

"آفتاب سخن" کا ڈسٹ کور کافی دیدہ زیب اور رنگین ہے اس پر شاعر کی عالم ضعیفی کی تصویر بھی ہے۔

سیفی پریمی

★

منی کے گیت

از :- محمد شفیع الدین نیر

سائز :- ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۶۴

قیمت :- ۶۵ نئے پیسے

ناشر :- نیر کتاب گھر۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

چھوٹے بچوں کے ذہن کو سمجھنا۔ ان سے محبت کرنا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی دلچسپیوں میں دلچسپی لینا اور ان کے بظاہر بے معنی کھیلوں کو معنی سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ پیدائشی معلم کے یہی اوصاف ہیں جنھوں نے نیر صاحب کو چھوٹے بچوں کا مقبول ترین ادیب اور شاعر بنا دیا ہے۔

آج سے تقریباً ۲۵ برس پہلے کی بات ہے۔ نیر صاحب کی پہلی کتاب "بچوں کا تحفہ" کے نام سے سامنے آئی تو ایک دھوم مچ گئی۔ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی اس کے بعد یکے بعد دیگرے نیر صاحب نے بچوں اور بچیوں کے لیے بے شمار کتابیں لکھیں۔

چھوٹی بچیاں یہ سن کر خوش ہو جاتیں کہ نیر صاحب نے "منی کے گیت" خاص طور پر ان ہی کے لیے لکھے ہے۔ اس کتاب میں ان کی مخاطب محض ننھی منی بچیاں ہیں۔

دلچسپ موضوع۔ آسان الفاظ اور سادہ بحروں نے بقول ذاکر صاحب "تعلیم کے خشک کام کو خوشگوار بنا دیا ہے" بچوں کے ادبی شوق کو ابھارنے اور ان کے ذوقِ رجحان کو نکھارنے کے آرزو مند استادوں، رشتہ داروں اور والدین کے لیے "منی کے گیت" درحقیقت ایک تحفہ ہے۔

نیر صاحب نے بچیوں کی ذہنی عمر، ان کے شوق اور ان کی مخصوص دلچسپیوں کو سامنے رکھ کر نظمیں لکھی ہیں۔ "چینی کی گڑیا" "منی کی بلی" "پریوں کا ناچ" "منی کی لوری" "گڈے میاں کا سہرا" وغیرہ ساری ایسی نظمیں ہیں جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت سبق آموز بھی۔

کوئی وجہ نہیں کہ نیّر صاحب کی یہ کتاب ان کی دوسری کتابوں کی طرح قبول عام نہ حاصل کرے۔ کیوں کہ بچیوں کو پڑھانے والے اساتذہ اور ان کی اچھی تربیت چاہنے والے والدین ایسی کتاب کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

مسعود الحق

★

ولایتی بھوت

مترجم :۔ ایم کوکب
سائز :۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۸۴
قیمت :۔ تین روپے پچاس نئے پیسے
ناشر :۔ نظارد پبلیکیشنز۔ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قطع نظر اس کے کہ اس دنیا میں بھوتوں اور چڑیلوں کا وجود ہے بھی یا نہیں لیکن اس بات سے سب کو اتفاق کرنا پڑے گا کہ یہ موضوع ہمیشہ سے دلچسپ رہا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس نے بھوتوں، چڑیلوں، جنوں اور دیووں کے قصے اور افسانے دلچسپی کے ساتھ سنے یا پڑھے نہ ہوں۔ ایسے قصے جب کسی ایسے فنکار کے قلم سے نکلتے ہیں جو افسانے کو حقیقت کی طرح بیان کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو پھر وہ افسانہ حقیقت معلوم ہونے لگتا ہے۔

"ولایتی بھوت" ایسے ہی دس افسانوں کا مجموعہ ہے۔ پچھلے سو سال میں انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں سنجیدہ، مزاحیہ اور طنزیہ رنگ میں مشہور مصنفین نے اس موضوع پر جتنے بھی افسانے لکھے ہیں ان میں سے دس بہترین اور منتخب افسانوں کا ترجمہ جناب کوکب صاحب نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ سب ہی افسانے دلچسپ بھی ہیں اور حیرت انگیز بھی۔ ہر افسانے سے متعلق جگہ جگہ قلمی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

کتاب کی طباعت و کتابت البتہ اچھی نہیں ہے۔ جس قدر محنت اور توجہ سے مترجم نے کام کیا ہے اگر اتنی ہی توجہ طباعت و کتابت پر دی جاتی تو اچھا ہوتا۔

مجیب احمد خاں

★

(زیر تبصرہ [illegible] مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہیں)

"کچھ نئی ایجادیں"

از:- انصار حسین اعظمی

صفحات:- ۴۰ سائز:- ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت:- ۵۰ نئے پیسے

ناشر:- احباب پبلشرز۔ اقبال منزل ہنڈولہ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

سائنس کی نت نئی ایجادات نے انسان کو بہت کچھ دیا ہے اور وہ ان کی مدد سے پر امن مقاصد کے لیے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے لیے جس کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش چلنا ہے ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ کوئی قوم بغیر علم کے ترقی نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے ضرورت ہوتی ہے تعلیم کی اور اچھی تعلیم کے لیے اچھی کتاب کی افادیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں جیسے جیسے تعلیم عام ہوتی جارہی ہے اچھی اور معلوماتی کتابوں کی مانگ برابر بڑھ رہی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے لیے معیاری کتابیں شائع کی جائیں۔

پیش نظر کتاب "کچھ نئی ایجادیں" ایک معلوماتی کتاب ہے جو بچوں اور بالغوں کے لیے مکالمے کے طرز پر لکھی گئی ہے انداز بیان صاف، سیدھا سادا اور سلجھا ہوا ہے۔ کتاب میں جن ایجادات کو جگہ دی گئی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ ٹیلی ویژن۔ راڈر۔ ٹیلی فون۔ ٹیلی پرنٹر۔ ان کی سادہ تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ یقین ہے کہ ان ایجادات کا حال پڑھکر بچے اور بالغ ان کی اہمیت کو سمجھیں گے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

سید منیر الحسن

★

"سائیکل کی کہانی"

مولف:- مصطفیٰ حسن رضوی

صفحات:- ۳۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

قیمت:- ۵۰ نئے پیسے

ناشر:- ہندوستان کتاب گھر۔ لکھنؤ

یہ خوشی کی بات ہے کہ اب بچوں اور بالغوں کے لیے عام پبلشر بھی کتابیں چھاپ رہے ہیں اور اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں پڑھنے والوں کا طبقہ

کی قدر و قیمت کا احساس بڑھتا جارہا ہے۔

اب جبکہ تعلیم عام اور لازمی ہورہی ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں اور بالغوں کے لیے قصے کہانیوں اور عام کتابوں کے ساتھ ساتھ معلوماتی کتابیں بھی حسنِ طباعت اور حسنِ کتابت کا خیال رکھتے ہوئے نہایت اہتمام سے شائع کی جائیں (اس سلسلہ میں مکتبہ جامعہ کی مثال کو سامنے رکھا جا سکتا ہے) تاکہ بچوں اور بالغوں میں کتابوں کے مطالعہ کا صحیح ذوق پیدا ہوسکے

زیرِ نظر کتاب "سائیکل کی کہانی" جو ایک معلوماتی کتاب ہے۔ بچوں اور بالغوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ جا بجا کتاب میں مختلف تصویریں دے کر نفسِ مضمون کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف نے ہندوستان میں سائیکل سازی کی تاریخ بیان کر کے کتاب کو اور دلچسپ بنا دیا ہے جس کو پڑھ کر دل میں اُمنگ اور حوصلے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ زبان سادہ اور آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے امید ہے کہ بچے اور بڑے اس کتاب کو پسند کریں گے۔

سید منیر الحسن

★

نئے رسائل

ماہنامہ کتاب لکھنؤ

مدیر:۔ سید جمیل احمد

فی پرچہ:۔ ۳۵ نئے پیسے سالانہ:۔ چار روپے

صفحات:۔ ۵۰ سائز:۔ ۲۰×۳۰/۸

پتہ:۔ دفتر ماہنامہ کتاب۔ چوک۔ لکھنؤ

"کتاب" کا ابھی پہلا شمارہ شائع ہوا ہے۔ مجلس مشاورت میں حیات اللہ انصاری صاحب۔ احتشام حسین صاحب اور جاوید سہیل صاحب کے نام شامل ہیں۔ اداریے میں لکھا ہے کہ:..... "ہم کس طرح کا رسالہ ہر ماہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ کچھ تو آپ کو زیرِ نظر شمارہ سے ہی ہو جائے گا لیکن مکمل تصویر شاید دو تین شماروں کے بعد سامنے آسکے....."

اس شمارے میں مختلف اداروں کی زیرِ طبع کتابوں کی اطلاعات کے علاوہ چار مختصر افسانے چھ مختلف مضامین، چار غزلیں، تین نظمیں، "بحث"، "تبصرہ نظر" اور "ثقافتی خبریں" کے عنوان کے

تحت عام دلچسپی اور ادبی نوعیت کا کافی مواد موجود ہے۔ کتابت اور طباعت پر اگر مزید توجہ دی
جائے تو صوری اعتبار سے رسالہ دیدہ زیب ہو جائے گا

(مدیر)

★

ماہنامہ **رنگ و بو** نئی دہلی

چیف ایڈیٹر:۔ ڈی۔ پی وششٹ
فی پرچہ:۔ ۷۵ نئے پیسے۔ سالانہ:۔ آٹھ روپے
صفحات:۔ ۶۴ سائز:۔ ۳۰×۲۰/۸
پتہ:۔ موہن گمی بلڈنگ۔ قرول باغ۔ نئی دہلی

اکتوبر ۶۲ء سے "رنگ و بو" کا اجرا ہوا ہے۔ اس وقت پہلا شمارہ زیر نظر ہے "رنگ و بو"
خالص ادبی اور معیاری پرچہ ہے۔ ادبی تحقیقی مضامین، دلچسپ افسانے، معیاری غزلیں اور نظمیں
اور قدیم و جدید شاعروں کے کلام کے علاوہ ادبی ذوق کی تسکین کے لیئے بہت کچھ اس میں موجود
ہے۔ اس شمارے کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "رنگ و بو" کو ہند و پاکستان کے معتبر ادیبوں
اور شاعروں کا تعاون حاصل ہے اس لیے اگر اس سے اچھی امیدیں وابستہ رکھی جائیں تو شاید
غلط نہ ہوگا۔

(مدیر)

★

ماہنامہ **باغ و بہار**

مدیر:۔ محمد عمر فاروقی
فی پرچہ:۔ ۴۰ پیسے سالانہ:۔ چار روپے ۵۰ نئے پیسے
صفحات:۔ ۴۰ سائز: ۳۰×۲۰/۸
پتہ:۔ ۳۸ بڑی گلی میل وشارم (مداس)

اردو میں بڑوں کے لیے تو ہر قسم کے رسائل کی بہتات ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ بچوں کے
لیے اب بھی بہت کم رسالے شائع ہوتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ جنوبی ہند میں
"باغ و بہار" نے اس کمی کو پورا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ قابل تعریف ہے اور یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ لے
صرف کہانیوں، لطیفوں اور تصویروں والا ایک دلپسند رسالہ ہی نہیں بنایا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بچوں
کے کام آنے والے مختلف معلوماتی مضامین کے ذریعے اسے "کارآمد" بھی بنا دیا ہے

(مدیر)

کتاب نما

مرتبہ ظلِ عباس عباسی

ادبی خبریں

رسالہ جامعہ کا مخصوص شمارہ

رسالہ جامعہ کا فروری ۱۹۶۲ء میں شائع کیا گیا تھا۔ جس میں مشہور ادیبوں نے ۶۱ء کے اردو ادب کا تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔ اگلے سال بھی فروری ۶۳ء میں ۶۲ء کے اردو ادب کا جائزہ لیا جائے گا۔ جس میں تمام اصنافِ ادب پر تبصرہ کیا جائے گا۔ اور ۶۲ء کی مطبوعات کی مضمون وار فہرست شائع کی جائے گی۔

ادیبوں اور ناشروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے تعاون اور اشتراکِ عمل سے اس جائزہ کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد دیں۔

(ایڈیٹر رسالہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵)

کل ہند اردو کانفرنس جے پور

۲۴، ۲۵ نومبر ۶۲ء کو منعقد ہونے والی کل ہند اردو کانفرنس جے پور، چین کے جارحانہ اقدام کے پیشِ نظر ملتوی کر دی گئی ہے۔ انجمن نے ایک قرارداد کے ذریعے اس کا اعلان کیا ہے کہ قومی دفاعی سرگرمیوں میں اپنی دلی خواہش سے حصہ لینے اور تمام تر توجہات اس طرف مرکوز کرنے اور عملی شرکت کرنے کی بنا پر اسے ملتوی کیا گیا ہے۔

پنجاب میں اردو

پنجاب گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہر پرائمری سکول میں اردو کی تعلیم کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ کسی ایک جماعت کے کم از کم دس طالبعلم یا سارے سکول کے کم از کم چالیس طالب علم اردو پڑھنے کے خواہش مند ہوں۔ اردو کی تعلیم ہندی و پنجابی کے علاوہ ہوگی۔ یہ اقدام قومی یکجہتی کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔

غالب چتراولی

غالب اکیڈمی بنارس کے صدر جناب خیر بہوری نے شری مہاراجہ بنارس کو "غالب چتراولی" یعنی غالب کی

تصاویر کا مجموعہ پیش کیا۔

" غالب چتراولی" غالب انسائیکلوپیڈیا کا ایک حصہ ہے جسے غالب اکیڈمی ترتیب دے رہی ہے۔

شبینہ کالج

یونیورسٹی گرانٹس کی ماہرین۔ یُ نے سفارش کی ہے کہ ہر صوبے یا ہر یونیورسٹی میں ایک جامعہ شبینہ ضرور ہونا چاہیے جس میں طالب علموں کی تعداد کم ازکم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ بارہ سو ہونا چاہیے۔ کمیٹی نے مشورہ دیا ہے کہ دن کے کالجوں کی عمارت ہی شام کو استعمال کی جاسکتی ہے اور نصاب بھی ایک جیسا ہونا ضروری ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے ایسے تمام کالجوں کو تیسرے پنج سالہ پلان کے اختتام تک گرانٹ مل سکے گی۔ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ سائنس کی کلاسیں بھی شام کو لگیں اور کورس دو سال کی بجائے تین سال کردیا جائے۔

وظائف

اس سال یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے تحقیق کے لیے جن طالب علموں کو وظیفے دیے ہیں ان میں آٹھ اردو کے اور ایک فارسی کا بھی شامل ہے۔

ادبی نمائش

آزاد ہند اردو لائبریری، چناری ضلع شاہ آباد کی طرف سے ادبی نمائش، تحریری مقابلہ اور جلسۂ سیرت کا اہتمام کیا گیا۔ پہلے ۲۹ر اکتوبر کی شام کو جلسۂ سیرت منعقد ہوا۔ دوسرے دن ۳۰ر اکتوبر کو جناب عبدالقیوم انصاری صاحب وزیر جیل و ریلیف بہار کے ہاتھوں ادبی نمائش کا افتتاح ہوا۔ موصوف نے اس موقعے پر ایک تقریر بھی فرمائی اور آزاد ہند اردو لائبریری کے کاموں سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ نمائش میں مختلف ممالک کے تقریباً سات سو اخبار و رسائل رکھے گئے تھے۔

ادب کا نوبل انعام

اس بار ادب کا نوبل انعام مشہور امریکی مصنف جان اسٹین بیک کو ملا ہے۔ اسٹین بیک بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے ان کی کتابوں میں (MIKE & MEN) چوہے اور آدمی، (GRAPES OF WRETH) برہمی کے انگور اور (TORTILLA FLAT) تارتلا فلیٹ خاص شہرت کی مالک ہیں۔

وفیات

ڈاکٹر ڈی۔ کے۔ کاروے

۱۰ر نومبر ۱۹۶۲ء کو پونا میں ہندوستان کے مشہور سماجی کارکن ڈاکٹر ڈی کے کاروے کا ۱۰۴ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ موصوف مراٹھی کے بڑے ادیبوں میں تھے۔ حکومت ہند نے آپ کو پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا تھا۔ مکتبہ جامعہ نے مراٹھی اور اردو کے کامیاب طلباء کو انعام دینے کی جو اسکیم بنائی تھی اس کے تحت ڈاکٹر کاروے نے ازراہِ کرم اردو کے کامیاب طالب علم کو دیے جانے والا طلائی تمغہ اپنے نام سے منسوب کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

ڈاکٹر غلام یزدانی

۱۳ر نومبر کو حیدرآباد میں ملک کے مشہور ماہر آثارِ قدیمہ ڈاکٹر غلام یزدانی سابق ناظم محکمہ آثارِ قدیمہ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت مرحوم کی عمر اسّی سال سے اوپر تھی۔ مرحوم ڈپٹی نذیر احمد کے شاگرد اور اردو کے مشہور مزاح نگار مرزا فرحت اللہ بیگ کے ہم جماعت اور گہرے دوست تھے۔

وطنِ عزیز

کی

حفاظت

ہر ہندوستانی کا پہلا فرض ہے

قومی دفاعی اسکیموں

کو

ہر ممکن طریقے سے کامیاب بنائیے

تاکہ

دشمن کو

اپنی پاک سرزمین سے نکالا جا سکے۔

فی پرچہ [illegible]	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی	سالانہ چندہ ایک روپیہ

پرنٹر پبلشر سید احمد علی نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے [illegible]

عصرِ حاضر کے عظیم المرتبت افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کی وفات پر یوں تو مختلف رسالوں نے خاص نمبر شائع کئے لیکن جو اہمیت رسالہ "نقوش" کے منٹو نمبر کو حاصل ہوئی وہ کچھ اسی کا حصہ ہے۔ شائقین ادب نے اس نمبر کو ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن بہت سے ایسے ادب دوست بھی تھے جو منٹو نمبر خریدنا چاہتے تھے مگر خرید نہ سکے۔ اس کی ایک وجہ تو رسالے کی زیادہ قیمت تھی اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس نمبر کے ایک حصے میں بہت سی ایسی چیزیں شامل تھیں جن کا مطالعہ وہ پہلے سے کر چکے تھے۔ لہٰذا ادارۂ نقوش نے قارئین کی سہولیت کے پیشِ نظر منٹو نمبر کو تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کر کے انھیں کتابی شکل دے دی ہے اور قطع نظر صفحات کی کمی بیشی کے ہر جلد کی قیمت ڈیڑھ روپیہ مقرر کر دی ہے۔

یہ تین جلدیں ہیں

- منٹو کی ۲۰ غیر مطبوعہ کہانیاں (جو ایک ایک دن کے وقفے سے لکھی گئیں)
- زہر ہلاہل (منٹو کی کہانیوں، ڈراموں اور مضامین کا انتخاب)
- مردِ آزاد (منٹو کے فن اور شخصیت پر نامور ادیبوں کے مضامین)

فی جلد عہ